مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

# خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

(۱۳۵۲ھ)

ترجمہ و تشریح

محمد یوسف لدھیانوی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
514122

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

# خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہٗ
(۱۳۵۲ھ)

ترجمہ و تشریح

محمد یوسف لدھیانوی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوة
حضوری باغ روڈ ملتان
☎ 514122

# تبویب

رسالہ خاتم النبیین کے مضامین متفرق اور منتشر تھے، اس کی نہ کوئی فہرست تھی، نہ کسی موضوع کا عنوان۔ جس سے نہ تو کتاب کی افادیت کا ٹھیک اندازہ ہو سکتا تھا نہ کسی مضمون کا تلاش کرنا آسان تھا اسلیے مناسب سمجھا گیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب و فصول کی سلک میں منسلک کر دیا جائے پیش نظر تبویب میں کتاب کو دو حصوں اور درج ذیل اٹھارہ فصلوں پر مرتب کر دیا گیا ہے:

حصہ اول، نبوت اور منصب نبوت ـــــ ختم نبوت ـــــ خاتم النبیینؐ ـــــ تفسیر آیت خاتم النبیین ـــــ ختم نبوت اور حدیث نبوی ـــــ اجماع امت اور ختم نبوت ـــــ ختم نبوت اور صوفیائے کرام ـــــ عیسیٰ علیہ السلام۔

حصہ دوم؛ تحریفات مرزا ـــــ تلبیسات مرزا ـــــ کفریات مرزا ـــــ دعاوی مرزا ـــــ تناقضات مرزا ـــــ عقائد مرزا ـــــ عجائبات مرزا ـــــ سیرت مرزا ـــــ الہامات مرزا ـــــ پوری کتاب ۲۴۰ فقروں پر مشتمل ہے اور ہر مضمون کے سامنے فقروں کے نمبرات درج ہیں۔

محمد یوسف لدھیانوی

# ۱— نبوت اور منصب نبوت

## ۲۔ ختم نبوت



## ۳ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

## ۴۔ تفسیر آیت خاتم النبیین

## ۵ — ختم نبوت اور قرآن کریم

### آیات ختم نبوت

## ۶- ختم نبوت اور حدیث نبوی

## ۷ — اجماعِ اُمت اور ختمِ نبوت



## ۸ — ختمِ نبوت اور صوفیاء کرام



## ۹ — عیسیٰ علیہ السلام

# حصہ دوم قادیانیت

## ۱ــــــ تحریفات مرزا



## ۲ــــــ تلبیسات مرزا



## ۳ــــــ کفریات مرزا

## ۴ — دعاوی مرزا



## ۵ — تناقضات مرزا

## ۶— عقائد مرزا



## ۷— عجائبات مرزا

## ۸۔ سیرت مرزا

# الہامات مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

(از جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی عمّ فیضہٗ)

خاتم النبیین جس کے تعارف کے لیے یہ چند سطور تحریر کی جا رہی ہیں۔
حضرت استاذ شیخ الاسلام سیّد محمّد انور شاہ قدس اللہ سرّہٗ کی سب سے
آخری اور نہایت محبوب تصنیف ہے۔ استاذ مرحوم کو تدریس حدیث کے
غیر منفک مشغلہ کے ساتھ اسلام اور اس کے بنیادی عقائد کے خطرناک ترین
حریف نبی قادیاں کی ملحدانہ تعلیمات کے استیصال سے جو قدرتی شغف تھا،
اس نے آپ کو بستر علالت پر بھی چین نہ لینے دیا۔ مرض کی غیر معمولی شدّت
اور تسلسل کے باعث اگرچہ تمام اعضاء صحت و توانائی کو آخری جواب دے
چکے تھے، تاہم تحفّظ دینِ محمّدی کے جذبات میں ڈوبا ہوا یہ وجود مقدّس دمِ
واپسیں تک دین الٰہی کی خدمت میں اس شان سے منہمک رہا گویا علالت
ونقاہت کا کہیں آپ کے پاس بھی گذر نہیں۔ وفات سے چند روز قبل رسالہ
تصنیف و تسوید سے فراغت ہوئی۔ ابھی تبییض کی بھی نوبت نہ آئی تھی کہ

پیغام اجل آ پہنچا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا تھی کہ اس تحریر کو خاص اپنے مصارف سے طبع کرا کر کشمیر اور ان ممالک میں خصوصیت سے تقسیم فرمائیں جن میں فارسی زبان مروّج ہے۔ اور جہاں نادار و مفلس مسلمانوں کی سادہ لوحی کے سبب قادیانی الحاد و ارتداد کے ناپاک جراثیم پھیلتے جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ راقم الحروف کی موجودگی میں حضرت مرحوم نے مسودہ کی کتابت کے لیے ہمارے علاقہ کے ایک نامور کاتب کو طلب فرمایا حضرت نے انتہائی ضعف کے باوجود کاتب صاحب کے سامنے جو رقت آفریں اور درد انگیز کلمات فرماتے ان میں ایک جملہ یہ تھا "مولوی صاحب! اس وقت زندگی کی آخری منازل سے گذر رہا ہوں میرے پاس آخرت کا کوئی ذخیرہ نہیں، یہ دو چار تحریریں ہیں جو میرے لیے سامان آخرت ہیں، چاہتا ہوں کہ اس رسالہ کو ذاتی مصارف سے بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کروں اور کتاب مفت تقسیم کی جاتے" افسوس یہ تمنا آپ کے ساتھ ہی گئی اور آپ کی حیات میں یہ متبرک کتاب جس کی سطر سطر میں اسلامی جوش و خروش اور ایمانی غیرت کے نقش و نگار چمک رہے ہیں منطبع نہ ہو سکی۔

مجلس علمی کی استدعا پر ورثائے حضرت مرحوم نے بکمال عنایت کتاب کا مسودہ مجلس کے سپرد کر دیا اور شکر ہے کہ مہینوں کی مسلسل محنت کے بعد آج یہ مبارک تحریر مجلس کی طرف سے شائع ہو رہی ہے۔ مسودہ ایسی حالت میں تھا کہ اس کی قابل اطمینان کتابت حضرت کی موجودگی ہی میں ہو سکتی تھی تاہم امکانی کوشش سے جو کچھ ہو سکا وہ توقع سے بڑھ کر ہے۔ جن اصحاب کو

حضرت کے طریق تسوید و تصنیف سے واقفیت ہے وہ ان مشکلات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جو مضامین کتاب کی ترتیب و کتابت کے سلسلہ میں پیش آئی ہیں۔ کتاب کے مقصد کے متعلق حضرت مرحوم نے دیباچۂ کتاب میں حسب ذیل سطور تحریر فرمائی ہیں۔

"اس مقالہ ایست در ختم نبوت و تفسیر کریمہ خاتم النبیین کہ در ردِّ الحاد و زندقہ و کفر و ارتدادِ کادیانی عایہ ما علیہ صورت تحریر بست"

قدیم و حدیث تفاسیر کے ذخیرہ کو سامنے رکھو پھر اندازہ ہوگا کہ عصر حاضر کے اس فقید المثال محدث و مفسر نے ان چند اوراق میں مدلول کلامِ الٰہی کی تفہیم و تسہیل میں حقائق و معارف کے لعل و یاقوت کس سخاوت سے بکھیرے ہیں۔

ہمارے ملک کی عام زبان چونکہ اُردو ہے۔ فارسی کا ذوق عوام میں تو کیا علماء میں بھی قریب ناپید ہے اس لیے ضرورت ہے کہ فارسی ایڈیشن کی اشاعت کے متصل ہی اُردو ایڈیشن کی اشاعت کا بندوبست کیا جاتے لہٰذا مجلس کی طرف سے اس رسالہ کی اُردو شرح بہت جلد مسلمانوں کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور فارسی ایڈیشن کے تمام منافعے اُردو ایڈیشن کی تیاری پر صرف کیے جائیں گے۔ کتاب کا اُردو ایڈیشن خدا نے چاہا تو قادیانی لٹریچر اور الحاد و زندقہ کی فتنہ سامانی کے لیے پیام موت ثابت ہوگا اور اس کے . . . مطالعہ کے بعد ہی اصل تحریر کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ بالکل ممکن تھا کہ عام مذاق کے پیشِ نظر ان جواہر پاروں کو فارسی کی جگہ

اردو کے قالب میں سطحِ تعارف پر رکھا جاتا، لیکن مصنف کے حقائق آگاہ قلم سے جو مضامین پہاڑی زبان میں سے نکلے ہیں۔ ظلم ہوتا ہے اگر محض قبولِ عام کے لیے ان کی حقیقی لطف اندوزی ابدی و سرمدی برکت اور قدرتی زورِ بیان کی کیف آفرینیوں سے اربابِ ذوق اور وابستگانِ دامنِ انوری کو محروم کیا جاتا۔ پھر اس تحریر کی اشاعت کا اولین مقصد جیسا کہ استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ظاہر فرمایا یہ تھا کہ باشندگان کشمیر و بلوچستان خصوصی طور پر اس سے منتفع ہوں۔ آخر میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جہاں تک فہمِ مطالب کا تعلق ہے کتاب کو ابواب و فصول پر تقسیم کرنا مفید ہوتا، لیکن اس خیال سے کہ اردو ایڈیشن میں مطالب کی تشریح کے ساتھ اس ضرورت کو بھی بطریقِ احسن پورا کر دیا جائے گا۔ اصل مسودہ میں یہ معمولی تغیر بھی مناسب نہ سمجھا گیا۔ کتاب کا دوسرا حصہ زیادہ تر ملّتِ مرتدہ قادیانیہ سے ہنگامہ خیز سوالات پر مشتمل ہے، پر کسی تقریب سے جابجا ضمنی مباحث آگئے ہیں۔ یہ وہ جواہر ریزے ہیں جن کا نشیمن کتابوں کے دفتر میں نہیں کاملین کا سینہ ہی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ علم و دولت کے اس بیش قیمت خزینے سے مسلمانوں کے دامن کو دامانِ باغباں بنائے۔ آمین۔

# پیش لفظ

## حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین، و علی آلہ الطاہرین وصحبہم اجمعین۔

امابعد: دینِ اسلام کی اساسی خشت ختم نبوت کا عقیدہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے اس کائنات کی ہدایت کے لیے رشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری فرمایا وہ نبوت و رسالت کا سلسلہ ہے۔ اس کی ابتدا حضرت آدم (علیہ صلوات اللہ و سلامہ) سے ہوتی ہے، اور اس عمارت کی تکمیل کی آخری خشت حضرت سید العالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود با جود اور ظہور پر نور ہے۔ اللّٰھم صلّ علیہ صلوٰۃ تکرم بھا مثواہ وتشرف بھا عقباہ، وتبلغ بھا یوم القیامۃ مناہ ورضاہ؛ وبارک وسلّم۔

ختم نبوت کے اس عقیدہ پر خدا تعالیٰ کی سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی بے شمار تصریحات موجود ہیں اور جس طرح یہ ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے اسی طرح دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی اور ہر شک و شبہ سے پاک ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مسئلہ میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ بھی اگر قطعی الدلالت ہو تو مضمون کی قطعیت کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ قرآن کریم کی ایک سو سے زائد آیات ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس قطعیت کی نظیر قرآن کریم میں بھی کم ملے گی۔ اسی طرح عقیدۂ ختم نبوت پر احادیثِ نبویہ بھی تواتر کو پہنچ گئی ہیں، اور تواتر بھی ایسا ہے کہ جس کی نظیر احادیث متواترہ کے ذخیرہ میں نہیں، دو صد احادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے گویا قرآن و احادیث میں اس قطعیت کی نظیر کسی اور مسئلہ میں نہیں ملے گی پھر

اُمّت محمدیہ کا اس پر اجماع بھی ہے، اور نہ صرف اُمّت محمدیہ کا اجماع! بلکہ تمام کتب سماویہ کا اس پر اجماع ہے اور تمام انبیاء کرام کا اس پر اجماع ہے۔ عالم ارواح میں تمام انبیاء کرام علیہم صلوات اللہ وسلامہٗ کا یہ عہد و پیمان ہے۔

پس جس طرح توحید الٰہی تمام ادیان کا اجماعی عقیدہ ہے اسی طرح ختم نبوت کا عقیدہ بھی تمام کتب الٰہیہ۔ تمام انبیاکرام اور تمام ادیان سماویہ کا متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ آغاز انسانیت سے لے کر آج تک اس پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے کہ خاتم النّبیّین محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی ہوں گے، اور سلسلۂ نبوت و رسالت آپ کی ذات گرامی پر ختم ہو جائے گا۔ اصولی و اعتقادی مسائل میں انبیاء کرام کے درمیان اختلاف نہیں ہوا، بلکہ وہ ہر دَور میں متفق علیہ رہے ہیں۔ پس جس طرح دیگر عقائد دینیہ تمام نبوتوں میں مشترک ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی علیہ صلوات اللہ و سلامہٗ کا آخری نبی ہونا اور آپ ہی کی نبوت پر دنیا کا خاتمہ ہونا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں اور آسمانی کتابوں کے مسلّمات میں سے رہا ہے، یہی وجہ ہے کتب سماویہ میں اِس کی ان گنت پیش گوئیاں کی گئیں، آپ کا نام آپ کے القاب آپکا ملک، آپ کی جائے ولادت، آپ کے دار ہجرت وغیرہ کی خبریں دی گئیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر اور تمام اقوام عالم پر اپنی حجت پوری کر دی۔

اور اسلام کی پوری تاریخ میں اس اجماعی عقیدے کا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ جب کبھی کوئی مدّعی نبوّت کھڑا ہوا، اس کا سر قلم کر دیا گیا، یہ اس عقیدے کا عملی ثبوت تھا جو اسلام کے ہر دَور میں ہوتا رہا اور اور جس پر اُمت کا تعامل مسلسل جاری رہا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دَور میں اسلامی جہاد کا آغاز ہی مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں جنگ یمامہ سے ہوا، جس میں سات سو حرف حفاظِ قرآن شہید ہوئے، جو صحابۂ کرامؓ میں اہل القرآن کے لقب سے مشہور تھے۔ گویا اسی عقیدے کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ صحابہ شہید ہوئے، اور اسی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لیے اصحاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خون کی قربانیاں پیش کیں

معرکہ حق و باطل سب سے پہلے اسی عقیدہ کی خاطر برپا ہُوا، اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس خون سے اس باغیچہ کو سیراب کیا گیا۔ یہ حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کی سرکوبی کرا کے قیامت تک آنے والی اُمت کو دو ٹوک اور غیر مبہم انداز میں بتا دیا گیا کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ دعوائے نبوت کے ساتھ اُٹھیں اُمت کو اُن سے کیا سلوک کرنا ہوگا۔

الغرض یہ عقیدہ اتنا بنیادی اور اتنا اہم ہے کہ اسے عالم ارواح سے لے کر آج تک ہر آسمانی دین میں مسلسل دہرایا جاتا رہا، اور قولاً، عملاً، اعتقاداً اس کی مسلسل تاکید و تلقین کی جاتی رہی۔ بدقسمتی سے برطانوی اقتدار میں جھوٹی نبوت کا فتنہ کھڑا کیا گیا اور یہ سمجھ کر کہ "ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس کے متزلزل ہو جانے سے اسلام کی عمارت منہدم ہو جائے گی" اس پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی گئی، اس کے لیے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی ——— علیہ ما علیہ ——— کا انتخاب کیا گیا، متحدہ ہندوستان اسلامی حکومت کے سائے سے محروم تھا، ورنہ مرزا کا حشر بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب وغیرہ سے مختلف نہ ہوتا اس لیے مسلمان سوائے دینی بحثوں اور مناظروں کے کچھ نہیں کر سکتے تھے، برطانوی حکومت اپنے تمام لامحدود وسائل سے اس فتنہ کی پرورش اور اپنے خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی کی حفاظت کرتی رہی۔

اُمت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز انہی کے انفاس مبارکہ سے اس شجرہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصر نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی اس کی نظیر تمام عالم اسلام میں نہیں ملتی، حضرت مرحوم نے خود بھی گراں قدر علوم و حقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں، اور اپنے تلامذہ مدرسین دیوبند سے بھی

کتابیں لکھوائیں۔ اور ان کی پوری نگرانی و اعانت فرماتے رہے ہیں۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سُنا کہ جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی، اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دینِ محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔ فرمایا چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہے گا، اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا۔" میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اس فتنہ پر اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصرؒ کو۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہو گیا ہے۔ جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے، جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے "لعین ابن اللعین لعینِ قادیان"۔ اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی۔ فرماتے تھے کہ "لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی دردِ دل کا اظہار کیسے کریں، ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔ ورنہ محض تردید و تنقید سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو علمی اختلافات ہیں جو پہلے سے چلے آتے ہیں"۔ مرض موت میں جب تمام قوتیں جواب دے چکی تھیں اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے ایک دن (یہ جمعہ کا دن تھا) جامع مسجد میں ڈولی میں لائے گئے اور اپنے شاگردوں اور علماء اور اہلِ دیوبند کو آخری وصیت فرمائی کہ دینِ اسلام کی حفاظت کی خاطر اس فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے پوری کوشش کریں اور فرمایا "میرے تلامذہ کی تعداد جنہوں نے مجھ سے حدیث پڑھی ہے دو ہزار ہوگی ——— ان سب کو میں وصیت کرتا ہوں کہ اس فتنہ کے خلاف پوری جد و جہد کریں"۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہ وصیت "دعوت حفظ ایمان" کے نام سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع ہو گئی تھی۔

حضرت رحمہ اللہ نے اپنی آخری زندگی میں مسلمانانِ کشمیر کو اس فتنے سے بچانے کے لیے آخری تصنیف فارسی زبان میں تالیف فرمائی، کشمیر میں فارسی زبان عام تھی اور وہاں کی علمی زبان فارسی ہی تھی، اس لیے آیت خاتم النبیین کی شرح فرمائی حضرت مرحوم کا دل و دماغ جس طرح علوم و معارف سے بھرا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ قلم سے اسی انداز کے علوم و حقائق نکلیں گے۔

زبان فارسی ہو یا اُردو علوم انوری کے جواہرات اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہونچ سکتا تھا، اور نہ یہ علوم اس کے قبضہ میں آ سکتے تھے۔ اس کے لیے حسب ذیل امور کی ضرورت تھی۔

۱۔ عام فہم شستہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

۲۔ مترجم ذکی و محقق عالم ہو کہ علمی اشارات و لطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔

۳۔ حضرت امام العصر رحمہ اللہ کے طرزِ تحریر سے مناسبت رکھتا ہو۔ اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

۴۔ قادیانیت کے موضوع سے دل چسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔

۵۔ علمی دقائق کی تشریح پر اُردو میں قادر ہو، اور قلمی افادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔

۶۔ تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو تا کہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کر سکتا ہو۔

۷۔ حضرت امام العصر رحمہ اللہ سے انتہائی عقیدت و محبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھلا نہ جائے اور غور و خوض سے اکتا نہ جائے۔

۸۔ محنت و عرق ریزی کا عادی ہو، دل کا درد رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔

۹۔ اپنے علمی کاموں میں محض رضائے حق کا طالب ہو، حُبِّ جاہ و ثنا سے بالاتر ہو۔

۱۰۔ عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ عربیت و بلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو اور معانی و بلاغت کی نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔

یہ دس امور تھے جو ارتجالاً زبانِ قلم پر آ گئے، "عشرہ کاملہ" کے بعد اب مترجم صحیح ترجمہ پر قدرت پا سکتا ہے۔ مجھے کسی سے توقع نہ تھی کہ یہ خدمت صحیح طور پر انجام دے سکے گا،

میری خود بھی ہمت نہ تھی کہ اس لق ودق صحراء میں قدم رکھوں، اگرچہ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اس کے ترجمہ و تشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت توجہ نہ کر سکا اور اس سعادت سے محروم رہا۔ حالانکہ "نفحۃ العنبر" میں ۴۵ برس پہلے لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ و بہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ "خاتم النبیین" ملاحظہ کیا جائے۔[1]

الحمد للہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی کے حصہ میں آئی جو ان "عشرہ کاملہ" سے متصف تھے باکمال تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس کے ترجمہ و تشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برا ہوئے اور اس علمی و دینی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بارگاہِ قدس میں قبول فرمائے اور مترجم کے لیے سعادتِ دارین کا وسیلہ بنائے اور حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی شفاعتِ مقبولہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

جمعہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۹۷ھ

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ ـــــ کراچی
امیر مجلس تحفظِ ختمِ نبوت

---

[1] "نفحۃ العنبر" کا متعلقہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

"اودع الشیخ فیہا نکات واسرار وجبتیۃ ایر بعث الالباب والبصائر، وبروع القلوب والخواطر، احتوت علی حقائق سامیۃ ربانیۃ، وبدائع حکم الہیۃ یبہت لہا الخیال وتحار العقول، تحس اوان مثلہا ان المرتۃ السماء یمطل بدیمہا، او ان البحر اذا خر یسیح بعبہ، وایم اللہ ان محاسنہا الجلیۃ تاخذ بالقلوب، لا ادری بای وصف اصفہا، ودرّ فاق بہا تہا، وغرر شاع ضوءھا وسناءھا، وذہر فاح اریجہا وراق زہاءھا، للہ من حکم یمانیۃ سمح بہا صدرہ وللہ من معارف عالیۃ نشرت من سنی قلمہ۔"

# دیباچہ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد:

حجۃ الاسلام حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) کی آخری تصنیف "خاتم النبیین" جو عقیدۂ ختم نبوت پر علوم و حقائق کا بے مثال خزینہ ہے۔ ۱۳۵۴ھ میں جب پہلی بار شائع ہوئی تھی تب حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی زید مجدہم نے اپنے مقدمہ میں اس کے ترجمہ و تشریح اور تبویب کی ضرورت کا اظہار فرمایا تھا، یہ گویا ایک قرض تھا جو مسلسل چالیس پنتالیس برس سے "وابستگان دامن انوری" کے ذمہ چلا آتا تھا۔ ۱۳۹۵ھ کے وسط میں حضرت شیخ علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہٗ کی جانب سے ایما ہوا کہ یہ ناکارہ اس خدمت کو بجالائے۔ یعنی "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" اپنی کم سوادی و ہیچمیرزی کے باوجود تعمیل ارشاد کی سعادت سے محرومی گوارا نہ ہوئی۔ توکلاً علی اللہ اس کے لیے کمربستہ ہوگیا، اور توفیق خداوندی شعبان، رمضان اور عشرۂ شوال ۱۳۹۵ھ میں اس کے ابتدائی مسودہ کی تکمیل ہوئی۔ اکابر کی تصحیح اور نظرثانی کی غرض سے اس کا قسط وار سلسلہ ماہنامہ "بینات" میں شروع کر دیا گیا اور اب کافی اصلاح و ترمیم کے بعد اسے مستقل شائع کیا جارہا ہے۔ جدید اشاعت میں درج ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

الف: فارسی متن میں کافی غلطیاں تھیں ان کی تصحیح پر حتی الامکان توجہ کی گئی ہے۔

ب: قرآن کریم کی آیات، احادیث طیبہ اور دیگر نقول کے بیشتر حوالوں کی تخریج کی گئی۔

ج: کتاب کے منتشر مضامین کو "تبویب" کے عنوان سے مرتب کر دیا گیا۔

د: کتاب کے آخر میں آیات، احادیث، اسماء، اماکن اور کتابیات کا اشاریہ شامل کیا گیا۔

ہ: فارسی متن اور اردو ترجمہ دونوں کو الگ الگ کر دیا گیا اور دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے کتاب کو ۲۳۰ فقروں میں تقسیم کر دیا گیا (تبویب اور اشاریہ میں بھی انہی فقرہ نمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے)

و : ترجمہ کو عام فہم بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ تشریحی الفاظ کا اضافہ قوسین ( ) کے درمیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ "تشریح" کا عنوان دے کر شرح کی گئی ہے۔ اور بعض مقامات پر حواشی ہیں۔

کتاب کے ترجمہ و تشریح اور تخریج و تبویب میں اس ناکارہ کو جو تعب اٹھانا پڑا اس کی داستان سرائی مقصود نہیں، نہ اسے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اپنی معذوری کا اظہار ضروری ہے بس یوں سمجھئے کہ کسی ناتوان آدمی کو ایک بھاری پتھر اٹھانے پر مامور کر دیا جاتے اور وہ مسکین اس مہم پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر ڈالے۔ اس کے باوجود اگر اسے کامیابی نہ ہو تو ملامت کا نہیں بلکہ عفو و ترحم کا مستحق ہے۔ اسی طرح "خاتم النبیین" میری استعداد سے بہت بلند و بالا تھی پس اگر میرے کوتاہ قلم کو کسی جگہ اداتے مطالب میں لغزش ہوئی ہو، یا کسی تعبیر میں کوئی سقم نظر آئے تو مجھے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے اور میں اہل علم سے عفو و اصلاح کا خواستگار ہوں۔ اور اگر کہیں ناگاہ کوئی بات ٹھکانے کی نکل گئی ہو تو یہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایت اور میرے اکابر کی کرامت ہے بیچ ورنہ : من ہماں خاکم کہ ہستم"

مصنف امامؒ نے جگہ جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کو "ایں شقی" اور "ایں لعین" جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور مترجم نے بھی اسی کا تتبع ضروری سمجھا ہے مترجم اس سلسلہ میں کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ دعوئی نبوت کی وجہ سے جو حیثیت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی تھی وہی مرزا قادیانی کی ہے اور جن القاب و خطابات کے وہ مستحق تھے وہی استحقاق مرزا قادیانی کو بھی حاصل ہے۔

امامؒ کی اس امانت کو اردو قالب میں پیش کرتے ہوئے میں بارگاہِ رب العزت میں سجداتِ شکر بجا لاتا ہوں۔ اور اس کریم مطلق سے ملتجی ہوں کہ اپنے مقبول بندوں کے طفیل اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اسے اپنے بندوں کی ہدایت اور اس ناکارہ کی نجات و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

بندہ محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ و عافاہ
خادم مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
تغلق روڈ ملتان

۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

# خاتم النبیین

تالیف: امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱— حمد و شکرِ نامحدود مر ربِّ معبود را کہ خالقِ کون و مکان و زمین و زمان است، و صلوٰۃ و سلامِ نامعدود بر سرورِ کائنات و ہر موجود کہ رسول اللہ و خاتم النّبیّین و غایتِ کُنْ فکان است، و بر آل و اصحابِ وے، و کافۂ امّتِ مرحومہ و انجابِ وے۔

۲- خدائے کہ داورِ روزِ جزا است — بخود آئی خویش، نامش خدا است
بدستِ وے این ہست بالا و پست — بوے ہست شد ہر چہ موجود ہست
و گر نیک بینی ہموں ذاتِ او است — و گر جملہ این دفتر آیاتِ او است
بایں بارگہ این کہ بانگِ درا است — پس از نوبتِ خواجۂ دوسرا است
محمد کہ بُد فتح و ختمِ پیام — علیہ الصّلوٰۃ و علیہ السّلام
وجودش کہ خود آیت و رایت است — ہمہ بود تمہید و او غایت است

۳— سپس بندۂ ہیچ میرز محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ بعالی خدمتِ کافّۂ اہلِ اسلام از خواص و عوام عرض می دہد، کہ این مقالہ ایست در ختمِ نبوّت و تفسیرِ کریمۂ خاتم النّبیّین، کہ در ردِّ الحاد و زندقہ و کفر و ارتدادِ کادیانی- علیہ ما علیہ- صورتِ تحریر بست. و اگرچہ این شخص بہرۂ از علم و عمل نداشت. و از فرق تا قدم از فضائلِ علم و فہم و تقویٰ و طہارت محض فارغ و عاری بود. و ہیچ حقیقتے را از حقائقِ عُرفاً صحیح نہ فہمیدہ. ترکیبِ وے از خبط و خلط و جہلِ مرکب و ذلّ

دخواری بوده، لیکن دعوئ نبوّت و مسیحیت کرده تہلکہ در اُمّتِ مرحوم گذاشت

۴ـــــــ ما کسانیکہ در نظم قرآنِ حکیم و حوارِ لغتِ عَرَبِ عَرْبا، ذوقے دارند از یں مقال محظوظ و مرزوق تواننده شد. و ہر کہ اعجازِ نظم تنزیل در مفردات و ترکیب و تقدیم و تاخیر و تعریف و تنکیر و حذف و ذکر و اظہار و اضمار و فصل و وصل و ایجاز و اطناب دیدہ و فہمیدہ باشد ہر آئینہ در اضافت حق دادراکِ مرادِ شکوخ نخورد. و باین و آں ہرچہ است در یدِ قدرت است۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ حق تعالیٰ حق و اہلِ حق را نصرت و معونت دہاد ؎

| | |
|---|---|
| دردِ سرِ ما ہمیں سرِ ما است | بارے کہ بدوشِ ماست دوش است |

۵ـــــــ (۱۳۵۱ ہجری)

| | |
|---|---|
| حضرتِ حق! دینِ حق استادہ دار | تا ز سرِ کفر بر آرد دمار |
| نجم پئے رجم شیاطین فرست | زیر زمین ہمچو خراطین فرست |
| ہست چہ در دستِ منِ مستہام | ہم تو کنی ہرچہ کنی بے کلام |
| من نہ پئے خویش در آویختم | بہر رضاءِ تو سر انگیختم |
| نالہ کہ در سینہ نگنجد دروں | از پئے تنفیس برآمد بروں |
| اے ملک مالک و اے بے نیاز! | کارِ تو از تست نہ از خانہ باز |
| خود تو پئے دینِ خود امداد کن | بیخ و بُنِ ردّت و الحاد کن |

۶ـــــــ باید دانست کہ در اجرائے سلسلۂ الوہیت و نبوّت بلافصل تلازم عقلی و یا شرعی نیست، لیکن مشیتِ ازلیہ نبوّت اولاً در ذریت نوح علیہ السلام نہاد، سپس در ذُرّیتِ ابراہیم، و ایشاں دعاء ہم کردہ اندکہ

وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ [1] وابوت چوں بسوئے معانی مضاف باشد متضمن اجراء آں سلسلہ بود۔ چنانکہ در "فتوحات" از باب ثالث عشرہ ثلثمائۃ آوردہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابِ روحانی ما ہستند، و آدم علیہ السلام ابِ جسمانی، و نوح کہ آدم ثانی اند اول آباء در رسالت اند، و ابراہیمؑ اول آباء در اسلام۔ پس ایں کلمہ ناظر بسوئے ایں مرام ہم است۔ و بریں تقدیر خیال رفتے کہ شاید ایں سلسلۂ من بعد در ذریّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہند، لاجرم گفتہ شد کہ سلسلۂ ابوت نیست، و لیکن سلسلۂ نبوت دائم بلا فصل است، و تجدیدِ وے نخواہد شد، و ابوت کہ متضمنِ اجراء کدام سلسلہ می باشد، و دریں جا اگر بودے مناسبِ اجراءِ سلسلۂ نبوت بودے، موجود نیست، بلکہ بجائے آں ختمِ نبوت است۔ پس ایں است وجہِ اتّساقِ کلام کہ در "لکن" شرط نہادہ اند، و بسیارے را از ذہول و غفلت واقع شدہ، و نہ دانستہ کہ ابوت مناسبِ اجراء است' و اَب بمعنے اصل از ہمیں متفرع۔

۷۔ ـــــ واکنوں حاصلِ آیۃ آنست کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے نبوت نیستند، بلکہ برائے ختمِ آں۔ و اجراء بالاستفادہ را بالاولیٰ نافی است' کہ ابوت دراں صورت اوضح است، برخلاف استقلال۔ فافہم۔

۸۔ ـــــ واگرچہ در زمانِ سابق بآمدنِ نبیِ لاحق نبوتِ نبیِ متقدم بحال ماند، تاہم صادق بود کہ نبیِ دیگر رسید، و ایں عہدہ تازہ شد، برخلافِ عہدِ خاتم الانبیاء

---

[1] البقرہ: ۱۲۹

کہ من بعد کسے نیاید۔ و لہٰذا فرمودند خاتم النّبیین۔ یعنی خاتمِ اشخاص۔ و
ازاں لازم آید کہ خاتمِ نبوّت ہم شوند، وچوں تجدید نکردہ شود دائم بلا فصل ماند۔
۹ـــــــ و ایں ہم احتمال نماند کہ خاتمِ نبوّتِ مستقلہ باشند، ولیکن باتباع
ایشاں جاری ماند، بلکہ خاتمِ اشخاص ہستند، و اوشاں باہم باعتبارِ شخصیت تغایر
دارند، یعنی نبوّتِ اوشاں اصالۃً باشد و یا باتّباع، در ہر حال من حیث الشخصیت
اشخاصِ متغایرہ ہستند، و وجوہِ متمایزہ۔ نہ اینکہ در صورتِ اتباع تغایرِ شخصی
از نظر مطروح شد، بلکہ در تعداد ہمچناں ہستند کہ بودند، و نصِّ قرآن بنظرِ ختمِ ہمیں
عدد و اختتامِ ہمیں سلسلہ آمدہ، و بسوئے تقسیمِ نبوّت و ابداءِ اقسامِ اصالۃً
و اتباعاً تعرض نفرمودہؐ، پس اہدارِ منطوقِ قرآن و اعتبارِ آنچہ در نظرِ وے مطروح
است اخلاءِ قرآن از محط و مقصودِ وے است، کہ اکبر الحاد است۔

۱۰ـــــــ سپس تقسیمِ نبوت بسوئے اقسام، کہ نبوتِ انبیاءِ بنی اسرائیل
کہ بر شریعت موسوی بودند، ثمرۂ اتباعِ نبوتؐ بخلاف سلسلۂ محمدیہ کہ ثمرۂ

---

لہ علماء رح گفتہ اند کہ قولِ وے تعالیٰ 'خاتم النبیین' از جانب حضرتِ حق 'وصیت است،
و ایقاظ و تنبیہِ عالمین را کہ ایں پیغمبر آخرین پیغمبر است، و آخرین حجت کہ تمام کردہ شد و دینِ وے
آخرین دین و آخرین پیغامِ خدا۔ نشود کہ از وے محروم مانید۔ ہمچو قولِ معتمرِ قوم کہ ایں
کلامِ من با شما آخرین کلام و آخرین عہد و وصیت است، مبادا کہ ضائع کنید،
و وقت فوت سازید۔ و معلوم است کہ رسول برائے اُمّتِ خود ہستند و خاتم
باعتبار سابقین۔ و ایں نکتہ کہ علماء رح ارشاد کردند بغایت لطیف است، و اتساقِ نظم
ازاں واضح می شود کہ من بعد منتظرِ کسے نمانید۔ منہ۔ (حاشیہ لہ اگلے صفحہ پر)

اتباعِ آں حضرت است، کلامے بے معنی و تسویلے از جانبِ خود است۔ خصائصِ فاضلہ در ہر جا موجود باشند، پس آں خصائص و مزایا بمنزلۂ شرطِ بے تاثیر و موقوف علیہ محض ہستند و یا بمنزلۂ سبب و علتِ مؤثرہ و ایں ہم امورِ غیبیہ است۔ و دینِ سمادی آں کہ ایں منصب از مواہب است نہ از مکاسب۔ پس حالِ نبوّت، اگر من بعد ہم جاری بودے، یکساں بودے، چنانکہ در چشمۂ مسیحی ص ۷۲ جود ہم من حیث لایدری التزام کردہ۔

۱۱ـــــــ واعجب ازاں اینکہ خود را اسرائیلی ہم می گوید[1] پس فرق مسیحِ اسرائیلی و مسیحِ محمّدی، چنانکہ می سراید، از میاں برخاست۔

۱۲ـــــــ و چوں انبیاء بنی اسرائیل کہ بر شریعتِ توراۃ بودند شریعتِ جدیدہ نداشتند پس نبوّتِ ایشاں بغیر تشریع بود، و ہمچنیں ایں ملحد بعد خاتم الانبیاء جاری دارد، فرقے در منصب سپرد کردہ بایشاں ہیچگونہ نماند، و با اُمّت علاقۂ مساوی در خارج و عیانِ حق افتاد۔ اعتبار ذہنی راکہ او ایجاد کردہ با اُمّت چہ کار و چہ اعتبار؟ کہ امر ذہنی درونِ اذہانِ معتبرین است لاغیر، اندرِ خانۂ خود ہرچہ تراشند تراشیدہ باشند، کہ بمحاورۂ ہندی 'من مانی' است، یعنی سخنے کہ فقط دل فرض کردہ، و حدیثِ نفس راندہ باشد، و تمنا داشتہ

---

(حاشیہ لہ صفحہ گزشتہ) و تناقص کادیانی دریں مضمون از رسالہ 'فراقِ مرزا' ص ۱۱ (یہ اعتقاد رکھنا پڑھتا ہے کہ ایک بندہ خدا کا عیسٰی نام جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں تیس برس تک موسٰی رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کر کے خدا کا مقرب بنا)۔ منہ

[1] (خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں) ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۵۔ منہ

و بس ، و خولے ہشے خواستہ دگر ہیچ ۔

۱۳ــــــ و حدیثِ مشہور کہ نبوت را بعمارت حتی تشبیہ دادہ ہمہ ایں اعتبارات واختراعاتِ ذہنی را استیصال کردہ ، و از ذہن بر حس رسانیدہ ، کہ حالِ حیثیات و اعتبارات نیست ۔

۱۴ــــــ و چوں مالکِ عمارت عمارت را باتمام رسانیدہ ختم کند ، ہیچ دوراں را نمی رسد کہ مناقشہ کنند کہ ختم عمارت تقیصہ است ۔

۱۵ــــــ البتہ بقاء شریعتِ سابقہ دیا تجدید امرے معلوم الحال و مفہوم است ، و ہمچنیں بآمدنِ نبیِّ لاحق در بنی اسرائیل بسا اینکہ اُمتِ نو نشمروند ، دگاہے ایں علاقہ ہم تبدیل می تواں شد ، زیراکہ بقاء و تبدیل ہر دو را محتمل است ۔
پس علاقۂ بقاء شریعت و تجدیدِ آں ، و ہمچنیں علاقۂ اُمتِ کسے بودن ، تبدیل تواں شد ۔ و ایں فروق معقول المعنی ہستند واثرے دارند ۔ بخلافِ فرقِ ایجاد کردۂ ایں ملحد کہ ہیچ اثرے و اثارۂ در دینِ سماوی ندارد ۔ محض اختراع واتّباعِ ہوا است ، و کسے را حق نیست کہ باتباعِ ہوائے نفسِ خود رجم بالغیب کند ، و حاکم آں شود ، کہ سواء دلیلِ قاطع مسموع نیست ۔

۱۶ــــــ در سابق ہم تواں گفت کہ نتیجۂ اتباع بود ، و در لاحق ہم تواں گفت ؛ و در خارج و شاہد درمیانِ ہر دو فرقے نیست ۔ صرف اعتبارے ذہنی است کہ با یجادِ کسے در دین داخل نتواں شد ، و نہ تفریع برآں درست ۔

۱۷ــــــ اہلِ حق ہم کمالات و فیوض نبوّت را جاری گفتہ اند ، و بابِ نبوّت را حسب نصِ قرآن و تواترِ احادیث کہ غیر محصور بدوں کدام تقیید و

اشتراط آمده اند، مسدود. پس چنانکہ ایں ملحد محیل نعق از خود تراشیده نبوت مستقلہ را او ہم بحسبِ زعم خود اتباعاً للنص ممنوع می دارد، و تقییدی از جانب خود برائے نفسِ خود پیدا کند. آیا اہلِ حق را حق نیست کہ بتواتر احادیث علی رؤس الاشہاد و علاء اعین الناس بدون ذکر کدام حرف تقیید، و اجماع بلا فصل از صدرِ اول، تحریفِ وے را مانند کالائے بد بر ریش وے می زنند؟

۱۸ــــــ و معلوم باد کہ درمیان رسول و نبی تباین نیست. لقولہ تعالےٰ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا[۱] و نہ نسبتِ مساوات، لقولہ تع وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ[۲] پس چوں ایں دو نسبت نیست لابد دگر نسبتے است، و آں از ہمیں کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ[۳] مستفاد است، کہ عموم نبی و خصوص رسول است. رسول نزد جمہورِ علماء آں کہ کتاب و یا شریعتِ جدید دارد، و یا بشریعتِ قدیمہ بسوئے قومے جدید فرستادہ شود، چنانکہ اسمٰعیل بسوئے جرہم عہ و نبی کہ صاحبِ وحی باشد عام ازیں قیود. وجہِ ایں استفادہ آں کہ اگر مساوات بودے پس مقام مقامِ ارجاعِ ضمیر بود، نہ مقامِ اظہار. و در خاتم النبیین کہ اسم ظاہر آورند برائے ہمیں نکتہ آورده اند کہ بحفظ فائدہ بکلمہ عمومِ عمومِ اختتام باشد، و من بعد انقطاعِ کلّی منطوق شود. پس ایں صیغہ

---

عہ حضرت شاہ عبد القادر در موضح القرآن از سورۃ مریم فرمودہ کہ رسول آنست کہ کتاب دارد، و یا امت. و ایں مختصر است. منہ.

[۱] سورۃ مریم: ۵۱ [۲] الحج: ۵۲ [۳] الاحزاب: ۴۰ -

برعمومِ نبی و خصوصِ رسول دلالت کرد. و معلوم است کہ مادۂ افتراقِ ایں عموم از
خصوص صورتِ وحی بدون شریعت و کتاب است، و بسبب ہمیں مادۂ افتراق
تبدیلِ عنوان از اضمار بسوئے اظہار شدہ ۔ پس بعد فہم ایں نکتہ جزئیہ آیت
نص بر انقطاعِ نبوّتِ غیر تشریعیہ است اَزْیَد از انقطاعِ نبوّتِ تشریعیہ ـــ
زیرا کہ اظہار بجائے اضمار برائے افادۂ ہماں اوّل واقع شدہ، کہ ایں ملحد
بسببِ قلتِ علم و کثرتِ جہل بسوئے آں ہدایت نیافتہ والحمدللہ الذی
عافانا مما ابتلاہ بہ

۱۹ ـــــ و خاتم الانبیاءؑ باعتبار عددِ انبیاء کہ مبنی بر تغایرِ اشخاص است،
نہ بلحاظ دگر، خاتم ہستند. و چنانکہ ابوتِ ایشاں بحقِ رجالِ بالغین بہر قسم منقطع
است، و تبنّی ہم ابطال شد، نبوّت ہم در آنہا بہیچ قسم نماند، و مقدّر نہ شد.
و توارث ہم و استفادۂ آں نماند۔

البتہ نبوّتِ شخصیِ ایشاں در بدل دائم و قائم است کہ مُورِث خود موجود
است چنانکہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ آمدہ [1]
و لہٰذا در ہمیں سورہ فرمود وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ [2] پس دگر علائق را باقی
داشت، نہ ایں سلسلہ را۔

۲۰ ـــــ و حاصلِ آیت مع لحاظِ قصۂ تبنّی آں کہ شما کہ سلسلۂ ابوت را جاری
می فہمید، کہ مناسبِ اجراءِ نبوّت است، در تقدیر با ختمِ نبوّت نہ اجراء
بر روے است. و بہمیں وجہ لفظِ ابوت را گرفتہ، نہ لفظ تبنّی را ۔ و کدام فرزند

---

[1] رواہ البیہقی و ابو یعلیٰ و البزار من حدیث انسؓ و صححہ البیہقی (فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۶) و قال الہیثمی رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸) [2] الاحزاب ۶:

بر وقتِ نزول موجود هم نبوده ـــــ پس ترکِ لفظِ تبنّی برائے ہمیں نکتہ است لاغیر، ورنہ حقِ مقام ابطالِ تبنّی بود۔

۲۱ ـــــ وشاید لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ[1] از ہمیں کریمہ ماخوذ است، یعنی نہ توریثِ مال خواہد بود، ونہ توریثِ نبوت، کہ از آنحضرت میسر شود۔ چناں کہ در یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ[2] وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ[3] ہر دو احتمال نوشتہ اند، ایں جا ہر دو نیستند، البتہ یک رسالت و ختمِ نبوت است کہ تا آخر یکے ماند، در سایۂ عاطفتِ وے ہمیشہ برخورید، و منتظرِ توریث نمانید۔

۲۲ ـــــ وشاید از ہمیں تناسب بحقِ حضرت علیؓ حدیث اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ـــ[4] آمدہ، کہ شارِ استثناء تشبیہِ ذاتِ علیؓ با ذاتِ ہارونؑ نیست، زیرا کہ لفظِ حدیث ایں نیست کہ اَنْتَ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ بل اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰی کہ تشبیہ علاقہ با علاقہ است، یعنی چنانکہ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام را خواست من ترا خواستہ ام، ولیکن ازیں اخوت، نبوت موروث نیست، و در خصائص ص ۲۴۹ از طبرانی آوردہ اِلَّا اَنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ وَلَا وِرَاثَةَ۔

۲۳ ـــــ از اثباتِ ابوت توہمِ توریثِ نبوت بود، وچوں نفیِ آں کردند

---

[1] اخرجہ الشیخان عن عائشہ و ابی ہریرہ مشکوٰۃ ص ۵۵۰ [2] مریم : ۶ [3] النمل : ۱۶

[4] اخرجہ الشیخان عن سعد بن ابی وقاصؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۶۳۔

استدراک بختم آں مناسب افتاد۔ و ظاہر است کہ اگر نبوتِ حضرتِ علیؑ مقدر بودے ہر آئینہ باتباعِ آنحضرتؐ بودے، ولیکن آں ہم متعذر نیست، پس ابداءِ ایں قسم ہم محض الحاد است، و برائے تمشیۂ ہوائے خود۔

۲۴ــــ وچوں صاحبِ اختیار و مالکِ زمامِ امر حکم کند کہ فلاں سلسلۂ ممتدہ را بر فلاں حد ختم خواہد کرد کسے اگر اجراءِ آں بتاویل، کہ مساوی تحریف بود، تجویز کرد، با صاحبِ اختیار و مالکِ امر معارضہ می کند و تمسخر با کلامِ وے۔ زیرا کہ وے خود امتداد بیان کردہ حد می نہد، و ایں متمرّد در مواجہۂ وے کلامِ وے را برخلافِ مرامِ وے فرد می آرد۔

۲۵ــــ پس وجودِ نبوت در سابق باقی بود، بر خاتم الانبیاءؐ ختم شد، و زمانہ تا آخر مشمول بہ نبوتِ اوشاں گردید۔ در ختم کردن کدام کار با صاحبِ اختیار چہ منازعت؟ باز بہ کدام وقت ختم کرد وے؟ و من بعد سوال ہمچناں است کہ در حدیث آمدہ خلق اللّٰہ کلَّ شیٔ فمن خلق اللّٰہ[1] لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

۲۶ــــ و انتہاء امر گاہے بسببِ فقدانِ قابل باشد کہ نقص است، و گاہے بسببِ ارادۂ فاعل کہ بر کمال رسانیدہ ختم کند، و ایں کمال است۔

۲۷ــــ و یحتمل کہ مراد صدیقہؓ قُولُوا خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُولُوا

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔ مشکوٰۃ ص ۱۸۔

لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ[1] بلحاظِ ایں امر باشد کہ معاذ اللہ نبوتِ آنحضرت ہم تمام شد، و حکم وے باقی نماند و یا مانند زمانۂ فترت گردید۔ چنانکہ محتمل است کہ بلحاظِ آمدنِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام فرمودہ باشد۔

۲۸ـــــــ تعلّم تلمیذ علم استاذ را و استفادۂ کمالات حسب فطرتِ خود عادتِ عالم است، و ہمچنیں استفادۂ مُرید از مُرشد موجود و معہود۔ و انعکاسِ نبوت و استفادۂ آں بصحبت و ریاضت و اتّباع در تاریخِ دینِ سماوی حقیقتے ندارد، و عنوانے است کہ تحت آں مُعنون نیست، و نہ کدام حکم مرتب ـــ مانند آنکہ بدعوائے اتحاد با بادشاہ ادعائے لقب وے کند و سزائے بغی را سزاوار رسد۔

۲۹ـــــــ و معلوم باد کہ اجرائے نبوّت باستفادہ از حضرتِ خاتم الانبیاءؐ من حیث العربیت ہم در آیۂ کریمہ باطل است، چہ کلمۂ 'لٰکن' برائے قصرِ قلب است، و ما بعدِ آں در بدلِ ماقبل می باشد، و درمیانِ ہر دو تبادلُ و تدافُع شرط است۔ تا بدل و مُبدَل منہ جمع نشوند، چنانکہ در کتبِ معانی و نحو بہ تفصیل مذکور است ـــ و درمیانِ ابوت و ختم نبوّت بلا واسطہ ہیچ تدافع نیست، کہ ثانی در بدلِ اول افتد، و شرطِ استعمالِ 'لٰکن' موفر شود، بلکہ ہر دو جمع می توانند شد۔ پس تفسیر آیت ہماں است کہ از ماگذشت کہ از ابوت اجراءِ نبوت متوہم بود، پس ابوت را نفی کردہ در بدلِ وے ختمِ نبوّت نہادند، چہ در بقاءِ ابوت و ختمِ نبوّت گر ز حسبِ سُنّتِ سابقہ تدافُع بود، فاعلم و افہم۔

---

[1] در منثور ص ۲۰۴ ج ۵۔

۴۰ــــــــــ و فی الحقیقت نبوت برائے تکمیلِ نفسِ ذواتِ انبیا نیست؛ کہ آں تکمیلِ ولایت است، کہ جزوِ مندرج در نبوت است، بلکہ برائے تشریع و یا حفظ و ابقاءِ آں و سیاستِ امت است۔ و در ینجا شریعت خود کمال یافت؛ و حفظ را خود حضرتِ حق متکفّل کہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[1] و اکنوں نہ تشریع ماند؛ و نہ حاجتِ حفظ۔ چناں کہ می بینی کہ در خارج محفوظ است، و جزوِ تکمیلِ نفسی ولایت است۔

۴۱ــــــــــ و شاید لفظِ ختم در عُرف لغت باشخاص انسب باشد، و انقطاع بوصف رسالت و نبوت، نہ اشخاص۔ ختم امتدادِ ما قبل را می خواہد و ایں امر در مفہومِ انقطاع معتبر نیست، پس قرآن فرمود کہ اشخاص ختم شدند؛ و حدیث فرمود کہ ایں عہدہ باقی نماند، و یا منقطع شد۔

۴۲ــــــــــ صورتِ عالم نہ از ابتداء کمال گرفتہ اند، و نہ بہ تماثلِ ادوار و اکوار، بلکہ بر طورِ تربیت از تمہید بسوئے مقصود، چنانکہ در جواہر و اَحجار و نباتات و اشجار و حیوانات و انسان مشہود است۔ و چوں مخلوق را از نفسِ واحدہ آغاز کردند، سپس بر دفور و کمال رسانیدند، معلوم شد کہ ذاتِ اکمل را ہماں وقت خواہند آورد، نہ بر عکسِ ایں۔ و چنانکہ ابتداء باآدم ہم صوری و زمانی است، نہ کدام اعتباری و اضافی۔ ہمچنیں انتہا بخاتم الانبیاء صوری و معنوی ہر دو گونہ باید بود، یعنی من بعد انقطاعِ اصلِ نبوت و کمالِ آں ہر دو باید، نہ اضافی و یا معنوی فقط۔ و ہمیں است مُؤدّیٰ حدیثِ عرباض بن ساریہؓ عن

---

[1] الحجر: ۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اِنّی عند اللہ مکتوبٌ خاتم النّبیین وَ اِنَّ آدمَ لمنجدلٌ فی طینتہٖ مراد آنست کہ در بدایت امر نہایت بر من مرعی بود، من حیث الزمان و من حیث الکمال ہر دو - واگر اضافی گیریم نہ حقیقی، مقابلہ باآدم علیہ السّلام فوت شود، و حدیث بے ربط می گردد - و ایں مضمون در احادیث مکرر است -

۴۳ ــــــ و مخفی مباد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ دائرہ نبوت و مقام و مسافت آں را از اوّل تا آخر سطے فرمودہ اند، و لہذا در اوّل و آخر ظہور یافتند، و حاوی ہمہ ایں دورہ شدند - و بریں تقدیر آمدن کسے دگر بعد ایشاں، اگرچہ باستفادہ از ایشاں باشد، منقصت است کہ بذات خود آں مرحلہ را طے نفرمودہ اند - ایں نکتہ را خوب باید فہمید و سنجید کہ ایں غبی شقی ازاں محروم ماندہ است -

۴۴ ــــــ در فتوحات از باب ثانی و ثمانون و ثلثمائۃ چیزے از چنیں خواتم و فواتح آوردہ و زیر سیادت آں خواتم سابقین را نہادہ، نہ استغناء از وشاں من بعد، کہ ختم علی الاطلاق صادق نماند -

۴۵ ــــــ و ایں امر ہم قابل لحاظ است کہ منتہیٰ کمال اگر باعتبار لِمْ مبداء است، باعتبار اِنْ مستند است، کہ موخّر باشد - و شاید در قوس نزولی و عروجی کہ مقرر صوفیہ کرام است - و شاید در یتنزل الامر بینھنّ و باز من اللہ ذی المعارج اشارہ بسوئے آنست - ایں گونہ واقع شود - و شاید در سُنّت اللہ در ہمچو خواتم صورت ختم معنوی یعنی ختم کمالات

---

لہ رواہ فی شرح السنۃ، و رواہ احمد عن ابی امامۃ رض، مشکوٰۃ ص ۵۱۳ ۲ الطلاق : ۱۲ ۳ المعارج : ۳

ہمیں ختم زمانی آمدہ، چہ ہر معنی را صورتے است مناسبہ، وہمچنیں مرتبہ و مکانہ را۔ وچوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فاتح وخاتم گردانیدن بود ہمیں صورت بود۔ فیلسوفِ اشراق شہاب الدین مرجع جملہ اقسام تقدم و تاخرِ زمانی می نہد۔

۳۶ ——— وایں امر ہم باید فہمید کہ مدلولِ لفظِ ختم را تعلق بما قبل است نہ با بعد، پس بحسبِ مدلولِ آیت تعلقے کہ آنحضرتؐ را با انبیاء است ہمگی تعلق خاتمیت است، وآں با سابقین باشد، نہ بالاحقین۔ واو شاں زیرِ سیادت مانند کہ اتباعِ سابق لاحق را اوضح است در کمالِ لاحق بہ نسبت عکسِ ایں۔ و رعیت پیشتر باشد، سلطان بعدِ شاں۔ چنانکہ انبیاءؑ لیلۃ الاسراء بعد اجتماع در بیت المقدس برائے صلوٰۃ بسوئے امام می دیدند۔ غرض اینکہ ہر چیز یکہ از مقتضیاتِ اجتماع باشد بعد وے آید، نہ قبل وے۔ چنانکہ در بابِ آدم علیہ السلام ہم سامان پیشتر آوردند و خلیفہ من بعد۔

۳۷ ——— واختتامِ کمال برکسے واتمامِ مقصد بر وے فی نفسہٖ فضل تام است، و معارضِ تمویہ نبی ساز بودن۔ پس اگر ایں دو امر راجع کردن است صورتِ وے ہمیں است کہ سابقین را زیرِ سیادت دہند، وختمِ کمال کنند، چہ باوردنِ لاحقین ثابت خواہد شد کہ مقصد ہنوز تمام نشدہ، بلکہ زیرِ کار است۔

۳۸ ——— فی الجملہ چوں در زمانِ انبیاءِ سابقین زمانہ ممتد بود، یکے را بعدِ دیگرے برائے تکمیلِ کار آوردند، وچوں ارادۂ انقراضِ عالم نمودند نوبت

بخاتم الانبیاءؐ رسید، واین سلسلہ را ختم فرمودند۔ واکنون این شبہہ کہ نبوت نبی ساز" نماند شبہہ شیطانیہ وقیاسِ سوقیانہ واحمقانہ است، و مزاحمت است با صاحبِ امر کہ مالک الملک است۔

۳۹۔۔۔۔۔۔۔ واین اولا ابلیس آغاز کردہ، کہ برائے او تابِ خود ارزش گذاشت، حق تعالےٰ فرمودہ کہ ما خاتم الانبیاءؐ را ختم نبیین گردانیدیم، این شقی می گوید کہ برائے تراشیدنِ انبیاؑ آمدند۔ واین گونہ صریح معارضہ ومناقضہ حضرتِ حق ابلیس کردہ کہ ارزشِ وے باین شقی رسید۔

۴۰۔۔۔۔۔۔۔ وقیاسِ نبوت بر قوتِ مولدہ، کہ برائے ابقاء نوع می باشد، ودر انواعِ متناسلہ نہادہ اندمی کند۔ حق تعالےٰ اعلانِ ختم عہدۂ نبوت می فرماید، وہمین نوع را ختم می کند۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

۴۱۔۔۔۔۔۔۔ پس نحوے در مجموعِ شخصِ اکبر، کہ مجموعِ عالم است، نظام نہادہ اند، وکمالِ عالم را بر سرورِ کائنات ختم کردند۔ "اول الفکر آخر العمل"۔ احقر درے نعتے گفتہ است:

اے ختمِ رسلِ امتِ تو خیرِ امم بود
چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فصلِ اخیری

۴۲۔۔۔۔۔۔۔ ومعلوم است کہ ہر کثرتے کہ راجع بسوئے وحدت نباشد، ودر وے منسلک نگردد مانندِ شیرازۂ منتشر است کہ در صددِ تلاشی است، ودر ہر چیزے کہ وحدت قوی است نگاہی ترا است، وصورتِ نوعیۂ شے

اشرف ۔ در روحِ انسان، سپس ہیکلِ وے، سپس دگر کائنات و موالید
درجہ بدرجہ تامل باید کرد، مانندِ قماش و سامانِ متفرق نیستند، و نہ مانندِ عناصر
کہ مادہ است، وازیں جا فیلسوف می گوید کہ از مادہ کثرت است و از صورت وحدت۔

۴۳ —— تمت تمام شد، و کار بنظام شد، و بحث اندریں کہ آں دینِ
دینِ لعنتی است کہ نبی ساز نباشد، امتانِ سابقہ را ہم با انبیاء خویش می
رسید کہ وجہِ اختصاصِ شما چیست ۔ و ہمیں معارضہ ابلیس با حضرتِ حق
جل و علا شانہ کرد کہ چرا انتہاءِ امر بر اصطفاء و اجتباء حضرتِ تو باشد؟
کہ ایں بحث بطورِ ارث، از ابلیس بسوئے ایں مدعی رسیدہ۔ و حقیقۃ
الامر آنکہ چنانکہ اممِ سابقہ در اظلالِ انبیاء سابقین می گذارند و حسبِ مشیتِ الٰہیہ
راتبِ قرب غیر از نبوت می یافتند و با انبیاء۔ ہر یک شخص از اُمت مبارات
نکردند و نیاویختند۔ پس چنانکہ نسبتِ آں نبی دراں زماں با اُمتِ خود، کہ مشتمل
بر نبی نبود، متحقق بودے، اکنوں مشیتِ الٰہیہ ایں است کہ ہماں نسبتِ
واحدہ تا آخرِ زمان، و در ایں علاقہ باہم اُمت بلا واسطہ تا ختمِ عالم ماند۔

۴۴ —— و حدیثِ ترمذی از ہمہ غم و ہم شفاءِ صدورِ مومنین کردہ
اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا
نَبِيَّ قَالَ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لٰكِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ
قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ فَقَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ
هِيَ جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ ۔ ہذا حدیث حسن صحیح[1] پس ایں حدیث
بس ہمیں کرش کردہ۔ و صاحبِ فتوحات در بابِ ثالث و عشرون

---

[1] ترمذی ابواب الرؤیا ص ۲۲ ج ۲ عن حدیث انس رض

وظلمات تہم چیزے دریں باب فرمودہ۔

۴۵ـــــــ وچوں زیرِ سیادت آنحضرت ؐ ہمہ انبیاء سابقین ؑ ہستند، و درمحشر تحتِ لواء وے، و نیز نبی الانبیاء ہستند، چنانکہ علماء و عرفاء تصریح فرمودہ اند. پس انبیاء سابقین درماتحتی آمدہ دریں باب از انبیاء لاحقین مستغنی کردند، و دگر حاجتے نماند، و صادق آمد کہ نبیے ہستند کہ ماتحت انبیاء دارند، مگر سابقین نہ بعداو شان. نظامی فرماید ؎

کنت نبیا کہ علم پیش برد ختم نبوت بمحمدؐ سپرد

۴۶ـــــــ وہمیں است مؤدّیٰ حدیث نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ[1] وحدیث کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ کہ ابن ابی شیبہ وابن سعد وغیرہم روایت کردہ. وتفسیر وے در حدیث دگر آمدہ قال اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ رواہ فی شرح السنۃ واحمد فی مسندہ کما فی المشکوٰۃ۔ ومراد از مکتوب نہ محض مقدّر بودنِ نبوّت است، زیراکہ درہمہ انبیاء مشترک است، بلکہ تشریف بایں خلعت و اختصاصِ الٰہی است. وازیں جا معلوم شد کہ نبوت از مواہبِ ربّانیہ است، نہ از مکاسب. وہر وقت کہ از نشائت خواہند ایں تشریف ارزانی دارند، وبایں منصب استادہ فرمایند. واخرج مسلم من حدیث عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ کَتَبَ مَقَادِیْرَ الْخَلْقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

---

[1] اخرجہ الشیخان من حدیث ابی ہریرۃؓ. مشکوٰۃ ص ۱۱۹ ۔ ص ۵۱۳

بخمسین الف سنة ۔ وکتب فی الذکر ان محمداً خاتم
النبیین ؛ کذا فی المواھب اللدنیة ولم اجده تاماً کذلک فی
النسخة الحاضرة من صحیح مسلم، والله اعلم۔ وعن
علیؓ فی شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم "بین کتفیه خاتم النبوة
وھو خاتم النبیین" رواه الترمذی فی الشمائل۔ وخاتم بمعنی ما
یختم به الشیٔ اگرچہ درابتداء وضع آخرین آید، ولیکن در نظرِ ثانی اول
افتد، و بسوئے این اشاره از حضرت عیسیٰؑ در مسند طیالسی ص ۳۵۴
آمده است۔

۴۷ ـــــــ سپس این شبہہ کہ دینِ کامل آنست کہ "نبی ساز" باشد، گفتہ
آید کہ اگر کار بر علیت بالطبع و ایجابِ ذاتی است، چنانکہ ابلیس بحث کرده،
وبطورِ ارث اولادِ وے را رسیده، پس آن امرے است کہ خدا آن وقت
تسلیم نکرده۔ و اگر حوالہ مشیّت و اراده است پس آن تشریف واختصاص
است کہ بر بالائے ہر کسے راست نیاید۔ و این جا صورتے دگر است، کہ
امرِ نبوت را بکمال رسانیده اختتام کردند، و نخواستند کہ بر انحطاط ختم کنند،
و این اختتام در اِبّانِ ختمِ عالم است، و بر وقتِ ختمِ کار و ترکِ وے
بعدِ اتمامِ مقصد۔ و نخواستند کہ علاقہ امّت با حضرتِ رسالت و نبوّت واسطہ
در واسطہ باشد، بلکہ یک علاقہ فراگیرد۔ و نخواستند کہ کدام جزء از اجزاءِ ایمانِ
امّت فروگذاشت شود کہ بانکارِ کدام دگر مدعی کافر شوند، بلکہ تمام سلسلۂ انبیاءِ
سابق باشد کہ ایمان بر ان تمام متضمنِ ایمان برجملہ باشد، و کدام جزوِ ایمان

ازیں باب باقی نماند۔

۴۸ــــــ در موضع از سورۂ اعراف ذیل وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ[1] اشارہ بسوئے ایں معنے رفتہ و در سورۂ حج۔ و ہمیں است موؤدّی کریمہ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا[2]

(هٰذه اكبر نعم الله على هٰذه الامة حيث اكمل تعالٰى لهم دينهم، فلا يحتاجون الى دين غيره ولا الى نبي غير نبيهم، صلوات الله وسلامه عليه، ولهذا جعله خاتم الانبياء وبعثه الى الانس والجن)
(تفسیر ابن کثیر)

پس اہل حق ایں اختتام را رحمت و نعمت شمردہ اند و ہو قولہ تعالٰی وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔[3]

۴۹ــــــ وحق تعالٰے در آیاتِ کریمہ ہمہ اُمَم را یک طرف و ایں اُمّتِ مرحومہ را دگر طرف دارد۔ و ہمہ اُمّت را تا آخر یک اُمّت اعتبار و اعتداد کند۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[4] الخ۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[5] فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا[6] لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ[7] وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ

---

[1] الاعراف: ۱۵۶ [2] المائدہ: ۳ [3] الانبیاء: ۱۰۷ [4] آل عمران: ۱۱۰ [5] البقرہ: ۱۴۳ [6] النساء: ۴۱ [7] الحج: ۷۸

شهیدا علیهم من انفسهم و جئنابك شهیدا علی هؤلاء[1]
و بعثتِ خاتم الانبیاء را متصل قیامت نهاده ، درمیان استے دگر ننهد ۔

۵۰ ـــــ و بطور معارضه بالمثل گفته آید که آں دین دینِ رحمت نیست که
بر تمام وے ایمان آرد ، و بمجرد انکارِ نبوتِ کدام شقی کافر شود ۔ و نیز سوال
کرده آید که در دین هم ، همیں قیاس است که آں دین دینِ رحمت نیست که
دین ساز نباشد و نبوّتِ ایں شقی که هنوز دگرے نتراشیده ، و نه راضی
است بداں هم لعنت است یا چیست ؟

۵۱ ـــــ و از کلامِ سابق فهمیده باشی که آنحضرت صلی الله علیه وسلم
را مانندِ واسطهٔ عقد نیاورند ، که علاقهٔ اوشاں با سابقین و لاحقین متغائر
افتاده ، بلکه مانندِ صدرِ جلسه ۔ که همه تمهید پیشتر باشد ، سپس اختتام
و بعد ختمِ مقصد جز رحیل امرے دگر نماند ، والا مقصد تمام
نشد ۔

۵۲ ـــــ و ایں شقیِ غبی در تعلقهٔ کمال منقصت التزام کرده ، در شهنشاهی
و شاهانِ ماتحت و جانشینان مقصد هنوز تمام نشده ، که سلسله جاری
است ۔ حکیم هیچ گاه بعد اتمامِ مقصد مزاولتِ عمل جاری ندارد ۔ پس
حرفِ اتمامِ مقصد و قیاس ایں شقی را خوب باید سنجید ۔

۵۳ ـــــ و نیز ایں سخن که شاهنشاه شاهانِ ماتحت را می آفریند ،
سخنے سطحی است ، ورنه جهاں یک سلطنتِ شخصی است که تحت آں خلیفها
در اتمام عمل گرفته ، و ولی عهد بسببِ غیبتِ اصل است ۔ و هم بسبب

۴۰

---

[1] النحل : ۸۹

عدمِ کفایتِ وے است در اعمال ۔ و اینجا اگر تولیدِ انبیاء برائے اعمالِ نُبوّت است، ذاتِ سرورِ کائنات کفایت فرمودہ ۔ و اگر برائے مجردِ ذواتِ اوشان است ۔ و با اُمّت و اعمالِ نُبوّت سروکار نیست، پس آں بحقیقت نبوت نیست ۔ باقی ماند سیاست ! پس در حدیث، نُبوّت را ختم کردہ سیاست بر خلافت گذاشتہ اند ۔ و تربیتِ روحانی بر ولایت کہ جزء مندرجِ نُبوّت بود

۵۴ ——— و اینجا بحثِ ابلیس را کہ شہرستانی در مِلل و نحل تلخیص کردہ، کہ کلام در علم و قدرت نداشت بلکہ در حکمت کلام داشت، مراجعت باید کرد ۔ و نزدِ ایں ہیچ مداں کلام در اصولِ عدیدہ داشت، و اصلِ اصولِ کلامِ وے در ایجاب بالذات و بالطبع و یا ارادہ و اختیار و مشیّتِ الٰہیات، کہ وے در علّتِ ہر امر درآویزد، و آدم و بنی آدم تفویضِ امر بسوئے صاحبِ امر کردہ در اطاعت و تسلیم کوشند، و عبدیّت را نگاہ دارند، کہ عبدہٗ و رسولہ ۔ و ابلیس در اختیار مالک نزاع کند، و آویزد[۱] و ازیں قصّہ

---

[۱] و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ۔ فیہ مسئلۃ النبوۃ بعد الایمان باللہ، و انہ یبعث عبدا مفترض الطاعۃ، و ان اطاعۃ اللہ یعتبر باطاعۃ غیرہ بامرہ، و ھی الفاصل فی حق اطاعۃ اللہ، وھو قولہ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول"[۱] وقولہ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ"[۲] و حدیث "قل ومن یعص اللہ و رسولہ"[۳] لاظہارھما علی حدۃ، اقتباساً من القرآن

[۱] النساء: ۵۹ [۲] النساء: ۶۴ [۳] اخرجہ مسلم فی الجمعۃ (صـ ۲۸۶/۱) من حدیث عدی

این ہم معلوم شد کہ خلل در ایمان متحمل نیست ، و تقصیر در اعمال قابلِ مغفرت
است۔

۵۵ــــــ و چوں خاتم اشخاص نبیین ہستند اتحادِ محبّانہ در اجراءِ نبوّت
والقاءِ آں نفع ندہد۔ زیرا کہ باعتبارِ شخصیّت ہمہ اشخاصِ متغائر ہستند
ولابد۔ و نص بختم ہمیں عدد ، کہ بر ہمیں تغائر مبنی است ، وارد شدہ ،
نہ بر وساطت و عدم وساطت ، کہ تحریفِ قرآن والغاءِ مقصودِ وے بہ
تسویلِ شیطان واتباعِ ہوٰی است۔ چہ اگر مستفاد بالغیر ہم بودے از تعدّدِ
اشخاص منفک نبودے ، و قرآن ہمیں قصہ را ختم کردہ است ، و نبیین را
باعتبارِ عددِ اشخاص فرا گرفتہ ، نہ باعتبارِ تقسیمِ اقسامِ نبوت۔

۵۶ــــــ پس اتحادِ محبّانہ دولۂ عاشقانہ و فناؤ محویّت و دیگر ہمچو مغلطات

---

و لعل اطاعة احد بحسب مقتضى العقل اطاعة نفسه ، و انما تتحقق
الاطاعة بمعرفته اطاعة الغير بامر المطاع ۔ وفيه مسألة الحسن
والقبح شرعا او عقلا ، والتعديل والتجوير ، ولاسماء والاحكام ، والوعد
والوعيد ۔ على ما ذكره الشهرستاني ۔ وفيه التقدير للخير والشر منه
تعالى ، وان الانتهاء الى علم الله ، ولذا علم الاسماء ، وان الشرف
في العبدية والتربة وانه لا يسأل عن شئ وهم يسألون ، ومسألة
المراحم الملكية ، وانما اخر الحيل وتاتي على كل عاص فان
رحمته سبقت غضبه ، وفيه تفضيل الانبياء على الكل ، ومسألة
الايجاب والاختيار منه

۴

در بابِ عشقے اطلاق کردہ آمدہ ۔ وچیزے وجہِ تسمیہ ہم تواں پیدا نمود ، لیکن ہمگی از احوال وعقدِ خیال ہستند کہ "الفقر خیال پختن" ء واز بابِ اِفرادِ نقطۂ نگاہ ، وتحدیقِ نظر باں۔ نہ اینکہ قلبِ حقائق شود و احکام تغائر وتبدیل شوند۔

۵۷ ــــــ وعالمِ خیال در دائرۂ خود مُلکتے وسیع وارد ، وہمہ از بابِ تَشَبُّع است ، نہ از بابِ تَحَقُّق ۔ وآثار واحکامِ وے ازیں عالمِ مشہود مُستند پس تبدیلِ احکامِ شریعتِ سماویہ دقانونِ الٰہی بر بناءِ آں الفاظِ فداتیانہ واز خود رفتگان الحاد و زندقہ است بلتہائے امر در ہمچو اطلاقات اصلاح و تاویلِ آنہا وگردنِ کسے رہا کردن است ، نہ گردنِ دگرے گرفتن ۔ آنچہ ایں ملحد در حقیقۃ الوحی ص ۶۴ مع تفسیرِ باطل ورنقل یا عبادی گفتہ این شیوۂ قرآن نیست ۔ وفرق ظاہر ، کہ دراں مرتبۂ نفس الامر ہم است ، والغاءِ آں باطنیہ وحلولیہ ہموارہ کردہ آمدہ اند ۔ وقرآن برائے اصلاحِ ہمیں تحریفات کہ در ادیان پیدا شدہ بود آمد ، مانندِ عقیدۂ رجعت در یہود ، وعقیدۂ حلول در نصاریٰ و ہنود ۔

۵۸ ــــــ ومعلوم باد کہ علماءِ ظاہر از ظاہرِ شریعت بسوئے باطن رفتہ وخود را مُقَیَّد بہ صورتِ فرمانِ الٰہی ونبوی گردانیدہ درسلامت ماندہ اند ، خواہ بر مسمّٰی در حقیقت بدون کم وکاست رسیدہ باشند ، یا در مجردِ اطاعتِ فرمان کوشیدہ ۔ مانندِ علماءِ باطن از باطن بسوئے ظاہر آمدہ در اظہارِ مکنون وابرازِ خبیئہ گاہ گاہ بر عین نشانہ راست راست نزدہ اند ، واختلاف رو

داد۔ داز ہمیں سبب است کہ بسا اوقات چیز ہا فرمودہ اند کہ بفہم دیگران نرسیدند، باوجود آں کہ کتب مبسوطہ و مطوّلہ نوشتہ بودند۔ وصاحب فن دانشمندے دانستے کہ اکنوں چہ بیرون از سواد داستعداد باشد، مگر واقعہ چنیں نیست۔ صدہا وصد در صدہا امور از فہم بیرون ماندہ اند۔ و خود صوفیۂ کرام وصیّت فرمودہ اند کہ کلام ما را اجانب کہ ذوقِ حالِ ما ندارند مطالعہ نکردہ باشند۔ واکنوں بعد وصیّت خود ایشاں دگر چہ می خواہی؟ ابن خلدون در مقدمہ اندریں باب چیزے نوشتہ[1]

۵۹ ــــــ ومعلوم باد کہ فارق درمیانِ ایمان وکفر ہمیں یک حرفِ ایمان بانبیاء است، وقصر بر ہدایت و تعلیم ایشاں۔ وہمیں جزء درمیانِ اسلام وکفر ممیز است۔ ورنہ جملہ اقوام در بارۂ اثباتِ باری تعالیٰ چیزے چیزے باور کردہ اند، لیکن بعد از آں انحصار بر ہدایت و تعلیم آنجانب ندارند، در اداءِ حقوقِ عبدیت براہوائے خود می روند، برخلافِ ادیانِ سماویہ۔ و اینکہ خیالِ بعضِ ملاحدہ است کہ اگر تعلیم انبیاء صواب ہم بودہ باشد ایمان بر ذواتِ ایشاں چرا جزءِ ایمان باشد، ایں خیال مسخ فطرت است۔ زیرا کہ ہرگاہ انحصار بر ہدایاتِ آنجانب داشتیم لاجرم پیغمبراں درمیان آمدند، و توقّف بر ایشاں افتاد۔

۶۰ ــــــ ونیز معلوم باد کہ عباداتِ انبیاء وحُنَفا محضِ عبدیت است، کہ غیر از راہِ تفویض وتسلیم و توکّل بر ربّ العالمین از جانبِ خود حرفے بمیان نیست، و نہ دخلے از عقلِ خویش کہ عبدِ مطلق بغیر از ناچیزی و ہیچ میرزی

[1] باب سادس۔ فصل حادی عشر فی علم التصوف ص ۴۶۴ وما بعدہ

خود و تفویضِ امر و اختیار بسوئے خواجہ مطلع نظر ندارد۔ برخلافِ صابئین، کہ ثنیین ہم از و شاں ہستند، کہ عبادتِ ایشاں از راہِ عقلِ خود و تسخیرِ علویات باعمالِ سفلیہ است، از نصبِ ہیاکل، و تماثیل، و خواندنِ افسون وغیرہ۔ گویا حاصلِ عبادت ایشاں بنوعِ سحر و عمل تسخیر است۔ این ست فرق درمیانِ ادیانِ انبیاء وغیرِ او شاں۔

۶۱ـــــــــ در ہیچ طائفہ در عالم از عُقلاء و عُلماء و عُرفاء اختلافِ رائے محو نشدہ، الا از انبیاء، کہ کدام یکے از ایشاں ہجو و ردِّ دگر نکردہ، پس سلامت در اطاعتِ ایشاں بدون مطالبۂ کُنہِ امور و بدون مُبارات با او شاں واقع است۔ در عالمِ تشریع کہ سطحِ عالمِ تکوین است بسا کہ سلسلۂ ارتباط و علاقۂ سَبَبیّت و مُسَبَّبیّت باہمی نظر نیاید، مکلّفِ مُطیع را مناسب نیست کہ خرقِ آں سطح کردہ در مطالبۂ ارتباطِ باطنی در آویزد، و امتثالِ قانون را تا وضوحِ باطن و حکمتِ آں معطّل کند، کہ ایں بحقیقت مکابرۂ ابلیس بودہ، برخلافِ سنّتِ انبیاءؑ۔

۶۲ـــــــــ وچوں سلسلۂ اطلاقاتِ صوفیہ و مُصطلحاتِ و ے سلسلۂ علی حدہ و بسرِ خود است، ایں مُلحد بعض اجزاءِ آنرا از آنجا سرقہ کردہ با بعضِ اجزاء علماءِ ظاہر ترکیب دہد، و ازیں قطع و بُرید نتیجۂ الحاد آرد، کہ کارِ ایمان و شیوۂ مومن نیست۔ مردم سادہ لوح و سادہ نقش و یا محروم القسمت بر دعوائے و ے کہ من باتباعِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں رتبہ یافتہ ام، ایمان می بازند، و دلتنگ کردے از فدائیانِ آنحضرتؐ است، و ندانند کہ وے تاویل و تحریفِ آیت

ہمیں نہادہ۔ و فتحِ بابِ نُبوّت بہمیں زندقہ کردہ۔ پس اولیٰ چارۂ از اصرار و تکرارِ ایں دعویٰ نیست۔ و ہمہ دجّالاں ہمیں کردند، تاآں کہ دجّالِ اکبر در ابتداءِ حال اظہارِ صلاحِ خود کند، چنانکہ در فتح الباری[1] بروایت آوردہ، پس تدریج کند۔ و اگر در ابتدا پارسائی نہ نمودے دعوتِ وے نفاذ نیافتے۔ ہمچنیں ایں دجّال در دعوائی اتّباع مُتفرّد نیست۔

۴۳ـــــــ ومعہذا آنچہ موافقِ غرضِ وے است، ہمراہ داشتہ کہ نہ از پیشینیاں کسے بایں رتبہ رسیدہ، و نہ کسے از پسینیاں۔ کسے راہ نبرد کہ چوں فتحِ باب است باز ایں سدّ از کجا آمد؟ گویا کہ ہماں اصول برائے حجرِ دگراں ہستند، و برائے فتحِ وے۔ در حجرِ نبوّت بر دگراں ختمِ نُبوّت پیش کند، برائے خود فتحِ باب۔ رسالۂ ترک صـــ۳۶ مع مصباح العلیہ ص ۱۹۔

۴۴ـــــــ گوید کہ نُبوّتِ سابقین از انبیاءِ بنی اسرائیل کہ برائے تائیدِ دینِ موسیٰ آمدند، ثمرۂ اتّباع نبود برخلاف ایں اُمّت[2]۔ و ظاہر است کہ

---

[1] باب ذکر الدجال ج ۱۳ ص ۹۰۔

[2] مع تناقض از رسالۂ "فراق مرزا" ص ۱۱ (اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے، مگران کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ نبوتیں براہِ راست خدا کی ایک موہبت تھیں، موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا) حقیقۃ الوحی ص ۹۰ کا حاشیہ۔ ونقیضِ وے قولِ دگرش (حضرت موسیٰ کی اتباع سے ان کی اُمّت میں ہزاروں نبی ہوئے) الحکم مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ کالم ۲۔ ومقتضیٰ آنکہ دروغ گورا حافظہ نباشد، ایں ہم فراموش کرد کہ در دینِ موسوی باتّباعِ وے ہزاراں نبی شدند

۴۰

(بقیہ برصفحۂ آئندہ)

نبوتِ اوشاں ہم بدون اتباع نبوده. پس اگر چیزے تفوّه کند ہمیں تواند کر
ذاتِ موسیٰ را درمیان دخل نبود، ایں سخن از کلام وے دریں دین ہم لازم
است «من حیث لا یدری». چه می گوید که آں دین دینِ لعنتی است
که دروے نبوت جاری نباشد، پس ایں اجراء را خصیصهٔ دین قرار داد،
ذات ازمیاں برطرف شد. عشره ص۵۶ واشدّ العذاب ص۳۲ وضرورة الامام
ص۲، ورسالهٔ ترک ص۴۰ ازیں ہم واضح تر.

۴۵ــــــــــ وشرطِ فناء فی الرسول راہم مرعی نداشته، چنانکه در ص۳۴
دعویٰ وے است، ونه ختم نبوّت راکدام تأویلے وتحریفے سوائے
اینکه شریعتِ جدیده ندارد. وہمچنیں از ص۳۹ صرف اینکه شریعت جدیده
نیست.

پس تحریفِ آیتِ ختمِ نبوّت دریں عبارات، که آخریں ہستند، بسوئے
تحریفِ دگر منتقل شد، وشرطِ فناء فی الرسول ہم ضروری نماند. پس تا آنکه
فناء فی الرسول شرط بود شریعت ہم تجویز تواند بود، اگرچه جدیده نباشد.
وچوں شرطِ شریعتِ نو نبودن مطمحِ نظر شد شرطِ اوّل ازمیاں رفت، وضرورت
وے نماند. وہمچنیں دراں تسویلات وتلفّقات که آں را وحی نام نهاده،
چنانکه در حقیقت الوحی ص۱۰۱ وغیره، لقبِ نبی ورسول برائے خود بدون کدام

و دریں دینِ متین صرف ہمیں یک شقی بود اگر کسے ایجاد کند که درسابق اتباع شرط نبود و
اکنوں شرط است، ایں ہم باطل است، ہر نبی پیش از نبوت بر کدام دینِ حق بوده، و
خاتم الانبیاءؐ پیش از نبوّت بالہام عبادت می کردند. منه.

تقلید می سراید۔ و نا خلفِ وے تصریح کردہ کہ در وحی بدر تقلید نیست از بروز و ظلیت و انعکاس، بلکہ ہمہ از تواضعِ پدرِ وے است۔

۶۔ــــــ و تحریف سوم کہ خاتم نبوت برائے اجراء است، نہ برائے اِنہا در حقیقت الوحی صـ۹۷ ایجاد کردہ۔ و حال آنکہ در محاوراتِ لغت خاتِم بکسرِ تاء باشد کہ بمعنی ختم کنندہ است، یا بفتحِ تاء کہ بمعنی مایختم بہ الشیٔ است، در مثلِ خاتم القوم سوائے معنیٔ آخرین نیامدہ۔ و علماءِ لغت تصریح کردہ اند کہ چوں ایں لفظ بالکسر و بالفتح بسوئے قومے مضاف باشد، آنگاہ بمعنی آخرِ آں قوم می باشد۔ و اصلِ لغت آنکہ خاتِم بالکسر بمعنی بانجام و اختتام رسانندہ است، چہ اسمِ فاعل صیغۂ صفت است، و خاتَم بالفتح آں چیز کہ بوے بانجام رسانند، زیرا کہ اسم است، نہ صفت۔ چنانکہ بر علماءِ تعریف مخفی نیست۔ و حاصلِ ہر دو قرأت آخر النبیین است لاغیر۔ و دگر تعبیرہا ہمہ فروع ہستند، پس ترکِ اصل نادرست است، و تعبیرہائے فرعی نہ چنداں مزیتے دارند، و نہ ضررے؛ الّا آنگاہ کہ حق تعالےٰ کسے را مخذول کردہ باشد، و ہمیں است آں کہ بعض مفسرین از ابو عبیدہ آوردہ کہ بالکسر اصل است، یعنی مرجع مراد ایں مقام و محطّ و مسقطِ نظمِ کلامِ ملکِ علّام۔ و قولِ وے "لانّ التأویل انہ ختمھم فھو خاتمھم" تاویل نزدِ ایں جماعت بمعنی تخریجِ وجہ و بیانِ مآلِ مرادی باشد، نہ بمعنی صرف عن الظاہر۔ فی الجملہ مراد آنست کہ در ہر دو قرأت بحسبِ اشتقاق و مدلول مشترک اند۔ در معالم التنزیل آوردہ ختم اللّٰہ بہ النبوۃ و قرأ عاصم بفتح التاء علی الاسم ای آخرھم و

قرأ الآخرون بکسر التاء علی الفاعل لانہ ختم النبیین فهو خاتمهم قال ابن عباس یرید لولم اختم به النبیین لجعلت له ابناً یکون بعده نبیاً" وہمچنیں در عامۂ تفاسیر تا آنکہ مثلِ تفسیرِ جلالین از مختصرات۔

۶۷ــــــ وچوں در آیت بمعنی ما یختتم به الشئ ہست پس اگر کسے بمعنی مُہر گرفت چنداں خلافِ تحقیق نرفت، پس در نظم ایں نیست کہ مُہرِ نبوّت ہستند، نہ اینکہ صاحبِ مُہر کنندہ باشند، بلکہ خود او شاں مُہر کردہ شدہ اند بر دگراں، و او شاں انبیاء سابقین ہستند۔ و بہرحال معنے وے بانجام رسانیدن است، و ازیں حقیقت جملہ فروعِ وے فلسلغ نہ۔

۶۸ــــــ کادیانی در کراماتُ الصادقین صـ۱۹ می گوید (پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بارہ میں فرمایا ہے اس سے بڑھ کر ممکن نہیں بدیہی البطلان ہے) حالاتِ قادیانی صـ۲۳۔

۶۹ــــــ وچوں دعوٰیٔ شریعت و تجدیدِ احکام ہم کرد، نہ مانندِ تجدیدِ مجددانِ اُمّت، ہمگی از دست رفت، و فراغِ کُلّی حاصل شد، (اشدالعذاب صـ۳۸) و انعکاس کہ تحریفِ چہارم است از اشدالعذاب صـ۲۱۔ و از اشتہار ازالۂ غلطی از مصباح العلیۃ و اوائلِ حواشیِ نزول المسیح تواں دید۔

۷۰ــــــ و دراں حال کہ دعوٰیٔ شریعتِ حقیقیہ کردہ اگرچہ جدیدہ نباشد،

---

عـہ در توضیح المرام وے ص ۹... اگفتہ کہ نبوتِ تامہ نزدِ وے آنست کہ در وے شریعت موجود باشد۔

پس می گوید کہ تفسیرِ قرآن و قبولِ حدیث ہمگی منوط بوحیِ وے است، نہ بر تواتر از صدرِ اول تا آخر، و اینکہ بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ دجال دیاجوج ماجوج و دگر بعض امور کماہی منکشف نشدہ بود۔ چنانکہ بر ایں شقی منکشف شدہ، تجدید مانندِ دگر مجددانِ دین نماند، و از ہمہ قیود سبک دوش شد و فراغِ کلی حاصل کرد سے "خوردن زمن و لقمہ شمردن از تو" اگرچہ لفظِ شریعتِ جدیدہ نراند، مصداقِ وے وصول یافت سے "پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند"۔

۱،ــــــ و نیز معلوم باد کہ دعوئی شریعت در مقابلۂ آں علماء رح کردہ کہ اوشاں آئندہ کدام شریعت را ناممکن فرمودہ بودند، و کلامِ شاں در شریعتِ جدیدہ بود، زیرا کہ شریعتِ مکررہ و تلقفِ وحیِ سابق، چنانکہ ایں ملحد می کند محتملِ نداشت۔ پس ایں دعوی بمقابلۂ اوشاں مستلزم دعوئی شریعتِ جدیدہ است و ملحد می گوید کہ جہاد تا بمدنم منسوخ شد، و آئندہ حج بسوئے کادیان خواہد بود، دہر کہ چندۂ کادیان ادا نکند خارج از بیعتِ وے یعنی خارج از اسلام است۔ پس زکوٰۃ ہمگی در چندۂ وے انحصار یافت۔ کادیہ ص۴۹

۲،ــــــ و نیز معلوم باد کہ تجدیدِ مجددان مانندِ تجدیدِ ایمان بکلمۂ لا الٰہ الا اللہ یعنی تازہ کردن سبت بودہ، نہ کدام اضافہ در دینِ متین۔

۳،ــــــ و نیز معلوم باد کہ شریعتِ جدیدہ بودن دیا نبودن ایں دو قسم مفہوم بودند، ایں ملحد قسمے سوم ایجاد کردہ کہ صاحبِ شریعت است، ولیکن بطورِ تجدید، نہ جدید۔ و ایں را ہم شریعت نام نہادہ ادعاءِ شریعت کردہ۔ و دریں قسم تا آنکہ وساطتِ اتباعِ ایں ملحد درمیاں نباشد، موجبِ نجات نیست،

بلکہ کافر است. پس فرقِ تجدید و جدید ہمگی از ہم پاشید، و سخن نسخ و عدمِ نسخ ہمہ بے معنی گردید. و چنانکہ عاقبتہً مآلِ کلامِ خود را نفہمید، و مانندِ اعمیٰ رو رو، در نیجا ہم ہیچ حرف نفہمید. و قضاء مبرم رفتہ است کہ فہم از وے سلب شدہ است، و ہیچ چیزے در تعلیمِ وے یافتہ نشود کہ در وے خبط و خلط و تناقض و تہافت نباشد کہ از کدام کس صحیح الدماغ بوقوع نیاید، پس دست از الہام و دعاوی وے، بل از لیاقت و قابلیتِ وے فرو شوئی. واللہ الہادی۔

۴، ـــــ و در آخرِ حقیقۃ الوحی ص ۶۲ ہمہ آں نعمت در شکم مادر یافتہ، اتباع چیزے سخنے بود کہ گفتنی است، نہ کردنی. و نظیرہ دگر در تتمہ وے ص ۶۸ و تریاق القلوب ص ۳۷۹ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۲ء۔

۵، ـــــ پس آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ برائے اعلانِ ختمِ انبیاء و ختمِ نبوت است، و اعلانِ اینکہ من بعد کسے دگر نبی منتظر نیست، چنانکہ پیش ازیں انبیائے سابقین انباءِ نبی لاحق کردہ می آمدند. یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم با کسے از رجال شما علاقۂ ابوت ندارد، البتہ بدلِ آں علاقۂ رسالت و ختمِ نبوت دارد، کہ ایں علاقہ و اتم است. و ایں کلام بنفسِ خود محقق است، و تساقِ وے بر اثباتِ ابوتِ معنویہ موقوف نیست، چنانکہ در قراءتے شاذہ آمدہ، چہ مدار بر شواذ نباید نہاد. و شاید تقیید بر جال ناظر بسوئے آنست کہ در صبیان و نسوان نبوت نیست، پس حاجت بسوئے ذکرِ رجال است، و بس. و تنکیر در اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یعنی از جانبِ خود ایں حصہ را فہمید، کہ پدرِ فلاں

کس ہستند، ویا فلاں۔ پدر ہیچ کس از شما نیستند، پس این خیال را بگذارید و نام کسے کسے بنہید۔

۷ ـــــــــ وخاتم بودنِ آنحضرتؐ از میانِ انبیاء از بعضِ خصائص وکمالاتِ مخصوصہ کمالِ ذاتیہ خود است، باامت علاقہ ندارد، علاقۂ اعتقاد این کمال ہم کافی نہ۔ چہ غرض این است کہ علاقۂ ابوت گسستہ است وعلاقۂ رسالت وختم نبوت ہمیشہ پیوستہ، پس چنانکہ وجودِ ابوت بکلی منقطع است، وجودِ نبوت من بعدہ ہم بکلی منقطع باید بود۔

وعلاقۂ اعتقادِ اکملیت امرے ذہنی است، کہ با نبوتِ تشریعیہ مستقبلہ ہم منافی نیست بعلاوہ معتدبہا علاقۂ اتباع عملی است بلکہ این اعتقاد بایں امر کہ در عداد اُمتِ دگر نبی باشد نیز منافی نیست، چنانکہ اُممِ سابقہ اعتقادِ اکملیتِ خاتم الانبیاء توانند داشت۔

۸ ـــــــــ قولہ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ[1] یا اخذِ اطاعتِ انبیاء برائے رُسل است، کہ امرِ مہتم ومہتم بالشان است، ویا اخذِ عہد از انبیاء بنی اسرائیل برائے خاتم النبیین بنی اسماعیل و تحوّلِ نبوت بسوئے ایشان است، کہ ایں ہم مہتم است، مانند تقدمۂ امرِ ملائکہ برائے خلافتِ آدمؑ واطاعتِ وے۔ لیکن جمعِ کلمۂ نبیین، وافرادِ کلمۂ رسول، و رُسل معرفہ ویا نکرہ موصوفہ وکلمۂ تراخی یعنی ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ مؤیدِ تفسیرِ ثانی است ظاہرِ آیت ہمہ نبیین را یک طرف داشتہ، وآں رسول آئندہ بعدِ ایشان، نہ درمیان وقتاً فوقتاً، ونہ مرسل بسوئے ایشان، بلکہ مصدق

---

[1] آل عمران : ۸۱

برائے تعلیم ایشاں فقط۔

ومراد از اخذِ میثاق النّبیّین و مقصود ازاں تسلیم اُمَمِ ایشان است، کہ بوقتِ آمدنِ آں رسولِ عظیم الشان ضائع نشوند، و درامورِ قومیّہ و معاہدات بعض را قائم مقام کُل می دارند۔ پس ادراکِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کافی است و شاید توارد رسولِ لاحق بر رسول و نبیِ سابق نبوده، اِلّا در خاتم الانبیاء کہ فرا گرفتند۔ و تصدیق از خارج اولیٰ است بنسبتِ تصدیقِ داخلی۔ و ایں وصف وصفِ مشتہرِ آں حضرتؐ در قرآنِ مجید است۔ و ہمیں تفسیر متبادر است از قرأتِ دگر دریں آیت واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب کہ ہمہ اہلِ کتاب را در یک جانب نہادند، و آں رسول را بجانب دگر۔ و در قرأتے و اذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب آمده، و معلوم است کہ تعددِ قرأت بسببِ تزاحمِ نکاتِ بلاغیّہ اعجازیہ می باشد، کہ در یک نظم جمع نمی شوند، و بسببِ تعددِ آنہا تعددِ قرأت رُو دہد۔ پس چہ وجہ است کہ از ظاہرِ نص عدول کرده بسوئے تاویل رویم، کدام دلیلِ قاطع بر صرف عن الظاہر قائم شده؟ بر تسویلاتِ ہوائے نفس ایمان داشتن کارِ مؤمن نیست۔

۴۸ ــــــ و نہ مثل "یوسف احسن الاخوۃ" و "فلان اعلم بغداد" کہ مضاف الیہ در معنیٰ مفعول بہ نبود، و حُسن و علم ہم مطلق اند۔ و در امثالِ ایں معروف واصلِ کلام چنیں بود کہ البتہ منقطع است، و نبوتِ وے صلی اللہ علیہ وسلم دائم۔ و دوام را بلفظِ ختم تعبیر فرمودند، پس بحث ہا در نفسِ ایں لفظ قائم کردن

از فہمِ مقصود بکنار است ، ورنہ چنانکہ اصلِ رسالت ذکر کردند اصل نبوت ذکر فرمودندے ، وگفتندے ولکن رسول اللہ و نبیا من المقربین' دیا نخواں ، چنانکہ در روح المعانی در قرأتِ ابنِ مسعود ولکن نبیا ختم النبیین آوردہ۔

۷۹ ـــــــ واگر اُب ہم باعتبارِ مجموع ، نہ باعتبارِ فردے ، و باعتبارِ ابوّتِ معنویہ گفتہ آید ، متحمل است ، چنانکہ در اُمّ المؤمنین محاورہ رفتہ . و این محاورہ ہم بسببِ ایہامِ خلافِ صُوری مسلوک نیست ، در عقیدۃ الاسلام[1] ازاکلیل منع نقل شدہ۔

۸۰ ـــــــ مراد آنست کہ چنانکہ پسر نگذار دبنیتے دگر ہم نیاید ، و چنانکہ خلف نگذارد پیغمبرے دگر ہم نخواہد رسید کہ خلیفہ شدے . پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ابورجلے بطورِ کنیت نیستند ، ولیکن رسول اللہ وخاتم الانبیاء بطورِ لقب ہستند ، ولہٰذا نفرمودند ولکن رسول اللہ ونبیا خاتم النبیین چہ مجموع این عنوان لقب نبود ، گویا قرآن مجید مانندِ اصحابِ جمل لقب ارشاد کرد . و این لقب باعتبارِ مجردِ تأخرِ زمانی اتفاقی نیست ، بل مُتوَدِّیِ کدام مزیتے نیز ، اعنی چوں آنحضرتؐ در آخرِ زمان آمدند برائے ادا ہمیں تأخرِ زمانی این لقب نیست ، بلکہ مرادِ الٰہی آنست کہ سلسلۂ نبوّت بر خاتم الانبیاءؑ ختم کردیم ، واین سلسلہ را این حد نہادن بسببِ کدام مزیت است کہ در ذاتِ آنحضرتؐ است ، نہ محض اتفاقی کہ مفضول را ہم تواں بود۔

---

[1] ص ۲۰۲ طبع اوّل۔

۸۱ ـــــــ و معلوم باد کہ محرّر در فرقِ رسول و نبی ہماں است کہ اکثرے از علماء گفتہ اند، وگذشت، و ہموں است حقِ لغت - چہ رسول بمعنی فرستادہ و پیغام براست، و فرستادہ بچہ باشد سوائے کتاب یا شریعت ؟ و نبی بمعنی خبر دہندہ است، کہ بوحیِ قطعی خبرمی داد، اگرچہ شریعتِ جدیدہ ندارد، و وظیفۂ وے با اُمّت سیاستِ اوشاں، چنانکہ در حدیث سیاستِ انبیاءِ بنی اسرائیل اوشاں را ذکر فرمودہ[1]، ہمچنیں مرورِ نبی و باوے رُجَیل و یا رُجلان، و مرورِ نبی کہ باوے یک رُجَیل ہم نباشد آمدہ[2] کہ دلالت بر علاقۂ نبی با اُمّتِ او و وظیفۂ وے وارد است

۸۲ ـــــــ قولِ قائل کہ حضرتِ شاہ عبدالعزیز "خاتم المحدثین" بودند۔ وجہِ ایں اطلاق و محاورہ آنست کہ کسے خاتمِ بعضِ خصائص و کمالاتِ مخصوصہ می باشد، پس باعتبارِ آں، با وجودِ عدمِ تحقیقِ حالِ زمانۂ استقبال، و عدمِ علمِ آں و عدمِ علمِ غیب، و عدمِ ذمہ داریِ آنچہ در کتمِ غیب است، و باعتبارِ علمِ خود،

مہ و آنچہ در فتوحات گفتہ کلام منتشر و غیر محرر است، و بیشتر ایں گفتہ کہ نبی ہم شریعتِ اُمت لیکن مختص بذاتِ وے، و بحقِ باروں ایں قدر ہم نہادہ، و جائے عدمِ وجوب بحقِ دیگراں گفتہ، در اختیارِ اوشاں نہادہ، و پیش از زمانِ انبیاء نہ ماتحتِ رسل داشتہ۔ و سببِ ایں انتشار آنکہ بر تقدیرِ نفیِ شریعت کدام خدمتے از نبی ندیدہ، و بہمیں وجہ نبوت من غیر تشریع کہ منتفے ولایت است قسمے از دوہ، و حال آں کہ خدمتِ نبی کہ مذکور شد خدمتِ جلیلہ است، و علماء کہ برائے نبی نبوت من غیر تشریع گفتند از اجزاءِ ایں قسم و اخذ وے بمعنے ولایت مستغنی شدند، و ہمیں است مفہوم از عُرفِ کتبِ سماویہ، و از احوالِ انبیاءِ بنی اسرائیل کہ بر شریعتِ موسوی بودہ سیاستِ اُمّت و اخبار بوحی می کردند، فاحفظہ و اغتنمہ

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص ۳۲۰ [2] متفق علیہ من حدیث ابن عباس مشکوٰۃ ص ۴۵۲

وعلمِ وقتِ خود، بطورِ مسامحت و سہل انگاری، و اعتماد بر فہمِ مراد اطلاق می کند.
و بشترِ کلامِ ناتمام ہم می گوید، و استیفاءِ قیود و شرائط نکند و چون حاجتِ اظہارِ
مزیت داشتند محاورہ کردند، تا ایں مزیت را بدون ختمِ زمانی ہم ادا
کردہ باشند.

۸۳ ——— ونیز معقول است کہ گفتہ آید فلاں عالم بنسبت فلاں در عدا د
واعتداد نیست و معقول نیست۔ و مسلوک نیز نہ کہ فلاں نبی بہ نسبتِ فلاں
ہیچ اعتبار ندارد، چنانکہ در لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ تاویل نیست ———————
——— مدار در ہمچو امور بر جریانِ محاورہ است، نہ بر قیاس. واگرچہ
ثبوتِ جزئی علاقہ ضروری نیست، لیکن ثبوتِ نوعِ علاقہ ہم کافی نہ. مدار بر
ذوق واستقراء است. و لکل مقام مقال، ایں است تخریج ایں
محاورہ.

۸۴ ——— وتواں گفت کہ فلاں کس محدثی ختم کردہ رفت، مثلِ وے دگرے
نیاید، و نتواں گفت کہ فلاں کس نبوت ختم کردہ رفت، مثلِ وے دگر نبی
نیاید. زیرا کہ اول از فضائلِ کسبیہ است، و اشتراک در وے وافر، و در
عصرِ ممدوح ہم بسیارے از مشارکان، پس نظر بر مراتب دارند، و مماثل
را منافیِ خاتمیت انگارند، نہ مادون را. و تخمین در وے سخن گفتن روا دارند
بخلافِ بابِ نبوت کہ از کمالاتِ وہبیہ است، تخمین در وے سخن زنند،
وکفِ لسان کنند. ایں باب بابِ اخبار بالغیب است، کہ اندراں منتظرِ
توقیف باید بود، و بر خرصِ وحدس اقدام نباید کرد، و ایں محاورہ ہم در
بہ

عہدِ نزولِ وحی شائع نبوده، من بعد رائج شده، چناں کہ فاتح المحدثین
محاوره نکردند. تنزیل را بر محاوراتِ مُحْدَثہ فرو د نباید آورد.

۸۵ـــــ و گویند کہ فلاں کس جزو ختم کرده رفت، و نگویند کہ ولایت و کرامت
ختم کرده رفت، چہ رجم بالغیب است، پس ایں گونہ است قبیلِ ایں محاورات،
نہ مقاییس و تلبیسات. گویا در ہمچو حکم رتبۂ حاکم ملحوظ باشد، و مَبلغِ علم و فہم
وے.

۸۶ـــــ و معلوم باد کہ اہلِ عُرف. فاتح و خاتم ہر دو درانمی دانند، و نمی شناسند
الا بجُزَفہ و خرص، یا بعدِ وقوع. مانند آنکہ سلطانے را دیدند کہ نصبِ سلطنت
کرد، و اقتدارِ قوی و نفاذِ بالغ داشت، سپس جانشینانِ او آمدند، و قائم مقامی
کردند، اہلِ عُرف دیدند کہ ایں منصب سلطانِ اول فتح کرد، پس او را "فاتح"
خواندند، و ایں ادراکِ ایشاں را بعدِ وقوع شد. و کسے را خاتمِ کمالات
تخمین کردند، و خاتم گفتند، مشاہدۂ ختمیّتِ حقیقی ندارند، الّا نادراً. پس
اطلاقِ خاتم اکثر بطورِ مُجازفہ کنند. برخلافِ اطلاق فاتح کہ بسا مشاہده ہم دارند.
و نیز نظرِ ایشاں بر جزئیاتِ منتشره باشد، نہ بر نظامِ کلّی کہ در مجموع من
حیث المجموع ساری است، زیراکہ علمِ آں نظام ندارند، کہ باری تعالے در آں
مجموع داشتہ.

و دانستہ باشی کہ اہلِ معقول کثرت را چہار مرتبہ نہاده اند، کُلِّ واحد
واحد، و کثرتِ محضہ سوائے اعتبارِ ہیأتِ اجتماعی، و کثرت باعتبارِ آں ہیأت
عروضاً، یا دخولاً. و در کثیرِ منتظم کہ وحدتِ تالیفی دارد اہلِ عرف را اکثر نفاذِ

اِدراک نیست؛ الّا بعد تجربہ، و بیشتر مجاز قرار کنند۔ و در ہمچو کثیرِ منتظم خاتم در نہایت باشد، چنانکہ معمار در تعمیر کہ سلسلۂ وے ہم می داند رعایت کند، برخلاف دگر امور، کہ نظام آنہا ندانند، و ایں گونہ فاتح و خاتم در نظاماتِ الٰہیہ واقع شدہ، کہ خاتم خاتمِ کمال باشد، و علامتِ آں در خارج ختمِ زمان دارند۔ پس ایں ختمِ زمانی را کہ مبنی بر ختمِ کمالی است در کثیرِ منتظم کہ در امورِ الٰہیہ واقع شدہ، و اہلِ عُرف ازاں غافل اند، خوب باید سنجید، کہ فرقِ محاورۂ اہلِ عُرف و محاورۂ حضرتِ حق مبنی براں است، و مغالطۂ ملاحدہ در بابِ شاہنشاہی و شاہانِ ماتحت۔ و قیاس براں در بابِ بنیِ نبی سازؔ ہم از خورمی پاشد، و بر کُنہِ امر و مغزِ سخن عثور حاصل می شود، و اللہ الموفق۔

۸۷ ـــــــــ پس تحقیقِ وحی را کہ از حقیقت الامر سرمو انحراف نکند، بر فرضِ خراصین قیاس نباید کرد۔ و نہ طبقۂ وحی را بر تخئیلِ شعری۔ و از ہمیں وجہ است وَ مَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ [1] مراد از شعر خیال بندی است کہ نوعِ محاورۂ شاں جداگانہ است، و مفترق از طبقۂ متعارف الناس و متفاہمِ عُرف۔ و اعجازِ قرآن چنانکہ در ترکیب ظاہر است در اختیارِ مفردات ہم ظاہر میشود، کہ اوفیٰ بالحقیقۃ، و سیما اگر حقیقت از مشکلات باشد، بمثابۂ در طوقِ بشر نیست، پس حوارِ قرآن را بر محاوراتِ عامیانہ و سوقیانہ فرود آوردن غایتِ جہل و حُمق است، و بابِ عقائد را بر تخییلاتِ مدحی حمل کردن نہایتِ ضلال والحاد است۔

---

[1] سورۃ یٰس: ۶۹

۸۸ـــــــ و در نظمِ قرآن در مقامِ مدح هم تجاوز از حقیقت جائز نہ ، روشِ قرآن محاورات و مسامحاتِ عامیانہ نیست ، و نہ در مقامِ مدح مُجَازَفہ بے انداز و بے پیمانہ ، زیرا کہ بر کُنہِ امرِ حقیقتِ وے وحقِ تعبیر از وے مُطّلِع است ، بخلافِ بشر کہ از ہمہ قاصر است ، مجازفہ نکند دیگر چہ کند ؟ مقدورِ وے نیست کہ کم یا بیش نکند ، و تحقیق کند نہ تقریب و تخمین ۔

۸۹ـــــــ سپس در تعیینِ مراد اگر بر اہلِ اجماع ، کہ اہلِ حلّ وعقد اند ، اعتماد نکنند بسا کہ در کفر و اسلام تمیز بر خیزد ، وقد قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا[1] سبیل المومنین اجماع واتفاقِ ایشان است ۔ و در ضروریاتِ دین تاویل ہم مسموع نیست ، ورنہ امن از اسلام و ایمان می خیزد ، شیخ اکبر در فتوحات صـــ۲۵ــــ ج۲ می فرمائید ۔ " التاویل الفاسد کالکفر " من الباب التاسع والثمانین و مائتین ۔

۹۰ـــــــ و اوّل اجماعے کہ درین اُمّت مُنعقد شدہ اجماع بر قتلِ مسیلمہ کذّاب بودہ کہ بسبب دعوائ نُبوّت بود ، شنائعِ دگرِ وے صحابہؓ را بعد قتلِ وے معلوم شدہ ، چنانکہ ابن خلدون آوردہ[2] سپس اجماع بلا فصل قرناً بعد قرنٍ بر کفر و ارتداد و قتلِ مدّعیِ نبوت ماندہ ، و ہیچ تفصیلے از بحثِ نبوت تشریعیہ و غیر تشریعیہ نبودہ ، و شاید مسیلمہ مطلبِ خود از وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ[3] گرفتہ باشد ۔ مجردِ تصدیقِ مجملِ پیغمبر برحق ما در احادیث شریفہ از دجّال ہم آمدہ ، و

---

[1] النسآء : ۱۱۵ [2] تاریخ ابن خلدون صـــ۸۸ـــ ج۲ [3] طٰہٰ : ۳۲

لیکن دافعِ کفرِ وے نیست[1] وبسیارے از کفّار تصدیقِ مجمل نبیِّ کریمؐ و دینِ ما می کنند، ولیکن می گویند کہ دینِ ما ہم صادق است۔

۹۱ـــــــ بالجملہ تعبیر بخاتمیت از ختمِ کمالات عُرفِ قرآن اصلاً نیست. عُرفِ قرآن دریں باب یعنی درمفاضلہ مانند آیۃ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ[2]. ومانندِ ایں طریقِ مستقیم است، وہمیں است سخنِ فطرت وسادہ۔ وختمِ کمالات را بدون تقییدِ خاتم نام نہادن مخرج بسوئے تاویل وتخریج است، وعرفِ متحدِّثاست، کہ سوائے شیوعِ محاورہ مستحسن نبودے، چہ جائیکہ در قرآنِ مجید مراد بودے، زیراکہ موہمِ مغالطہ است، چنانکہ ہمہ اُمّت بسوئے ختمِ زمانی رفت، نہ بسوئے اِنفادِ کمالات فقط۔

۹۲ـــــــ ومعلوم باد کہ طریقۂ قرآنِ حکیم در اصطفاء واجتباء اسناد بسوئے ذاتِ خود است، پس بایستے کہ چنیں بودے وجعلناہ خاتم النّبیّین۔ لیکن مقصود آنست کہ بطورِ لقب بر اَلسِنۂ عباد رود۔

۹۳ـــــــ عرفِ متحدِّث ازیں رُو پیدا شد کہ دیدند کمالات یوماً فیوماً رُو در اِنحطاط اند، وایں اعتبار ونظر درحقِ باری تعالیٰ مفقود است، مناسبِ بارگاہِ وے نیست کہ گوید فلاں پیغمبر کمالات ختم کرد، دیگرے مانندِ وے نیاید وانیکہ بر فلاں پیغمبر کمالات را تمام کردیم، دیگرے مانندِ وے نیاریم، اگرچہ مناسبِ آن بارگاہ ہست، لیکن درنظمِ آیت نیست۔ وقولِ وے تعالیٰ فلاں پیغمبر آخرین است

---

[1] فتح الباری ج ۱۲ ص ۹، ۲۴۴ [2] البقرہ: ۲۵۳

سخنِ صاف و واضح است۔

۹۴ ـــــــ و تحقیق آنکہ اطلاقِ "خاتم المحدثین" باعتبارِ ختم کردنِ کمالاتِ مخصوصہ نیست، بلکہ ناقصاں را نازل بمنزلۂ معدوم اعتبار کردہ، کہ الناقص کالمعدوم، اطلاق می کنند۔ ایں است تخریجِ ایں ترکیب من حیث الدلالۃ، چنانکہ در لَا رَیْبَ فِیْهِ گفتہ اند، مصداق ہرچہ باشد بادا، زیرا کہ مُجازفۂ آدمی است، نہ تحقیقِ مَلِکِ علّام۔ پس ایں ترکیب موضوع برائے انتہاء است کہ مستلزمِ انقطاعِ چیزے است ولابد۔ خواہ بر طورِ مسامحت و اِرسالِ کلام از استیعابِ حقِ مقام باشد چنانکہ در محاورۂ اوساطِ ناس است، و یا بر سبیلِ تحقیق، چنانکہ در کلامِ علّام الغیوب۔ و ایں تنزیل در بابِ انبیاء مسلوک نیست۔ بلکہ شرعاً ممنوع، چنانکہ در بابِ مراتبِ سُوَرِ قرآن و اسماءِ حُسنیٰ و متعلقاتِ حضرتِ ربوبیت ایں صنیع ناروا است۔ طریقۂ قرآن حکیم در بیانِ فضیلت ہماں است کہ مثالِ آں گذشت، مختصر آنکہ بابِ علم و فضائلِ کسبیہ در حیطۂ اختیارِ بشر است، و در اِعتدادِ آں و در اِدّعاء و تنزیل اندراں مدخل وے است۔ بخلافِ متعلقاتِ نبوت، کہ احدے را دراں جز حضرتِ ربّ العزت اختیارِ اعتبارات نیست۔

۹۵ ـــــــ و حاجت بسوئے ہر دو نوعِ افادہ متعلق است، گاہ گویند کہ فلاں عہدہ و ولایت نماند، اکنوں کسے بریں عہدہ نخواہد آمد، و انقطاعِ محض مراد می دارند و گاہے گویند کہ فلاں کس کمالات را ختم کردہ رفت، و معنیِ آں باشد کہ مانندِ وے دگرے آمدن مشکل است، و یا در شمار و تعداد نیست، و ایں تقیید ذکر نمی کنند، و از موردِ استعمال معلوم است کہ گاہ کلام در اصلِ شئے است،

وگاه در مراتب۔ و در بابِ مُفاضَلَۂ عُلماء ہمیں اخیر مراد می باشد، نہ اول۔ زیرا

کہ حقِ حکم اندراں ندارند، و نہ صاحبِ اختیار۔

۹۷ ـــــــ ومخفی مباد کہ اہلِ عُرف خود ہم از تسامُحِ خود دریں مُحاوَرات مُطّلِع

ہستند، و تعاملِ اوشاں از اطلاعِ ایشاں خبر می دہد، کہ اگر در زمانے کسے را

بخاتم المحدثین یاد کردند، چوں من بعد دیگر کاملے خاست اُورا ہم ہمیں لقب می دہند،

پس معلوم شد کہ باعتبارِ ختمِ کمال ہم آخریتِ حقیقیہ مراد نداشتند، بلکہ باعتبارِ

زمانۂ خود۔ بلکہ در یک زمانہ ہم متعددے را خاتم می گویند۔ و نفیِ کمالِ اگر مراد ندارند

کلام در دائرۂ مخصوصِ ذہنِ خود و سانحِ وقتی دارند، نہ بلحاظِ استیعابِ

اَزمِنہ و اشخاص، کہ ایں امر در ذہنِ اوشاں مخطور ہم نباشد۔ عمومِ کلام باعتبارِ دائرۂ

عرفِ متکلّم و عرفِ عام باید گرفت، نہ عمومِ غیر مقصود، مانندِ آنکہ متعنتاں مُولّفذاتِ

لفظیہ و مُناقشاتِ غیر مخطورہ بکار برند۔ مع ہٰذا اطلاقِ اہلِ عُرف مُبْتَنِی محض از

لحاظِ آخریت نشدہ، ورنہ مُبالغہ کہ مقصودِ اوشاں است فوت خواہد شد،

مبالغہ دراں حال باقی ماند کہ آنکہ آخریتِ وے معلوم نیست۔ بلحاظِ کمال او را

آخر گویند۔ ایں است اطلاقِ اہلِ عرف باعتبارِ اَزمِنہ و اشخاص۔ واز دیگر جانب

صنیعِ حضرتِ حق را باید دید، کہ نہ در یک زمانہ و نہ در اَزمِنۂ متعددہ خاتم النبیین

لقب کسے سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہادہ، و نہ بر کسے دیگر

اطلاق کردہ، و نہ اجازت دادہ ـــ ایں شقیا، کدام معنیٔ مجازی و تسامحی را دیدہ

لفظ را برائے ہماں مجاز موضوع گردانند، گویا صالحِ استعمالِ حقیقی اکنوں نماند،

واز وے بکلّی منسلخ گردید، و وضعِ جدید پیدا شد۔ کہ استعمالِ وے در حقیقت

اکنوں جائز ہم نیست ۔ واین غایتِ جہل وشقاوت است کہ در عُرفِ قرآن و
عرفِ عامیانہ امتیاز نکنند ، واحتیاط نورزند ، وہرچہ پیش آید بے خطرہ
می تراشند ، وسے گذافند ۔ بحقیقت این تہوّر وتجاسرکارِ آنکس است
کہ در اصل ایمان بر قرآن ندارد ۔ بلکہ بر فہمِ سقیم وطبعِ منحرفِ خود ایمان آوردہ باشد۔

۹۷ــــ بارے این احقر سطور ذیل نوشتہ بود ۔ مخفی نماند کہ قیاسِ قولِ
باری تعالیٰ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّین بر قولِ اوساطِ ناس کہ فلاں
خاتم محققین است ، از غایتِ جہل وغباوت است ، زیرا کہ اوّل این قول
محاورۂ عامیہ است ، کہ تحقیقی نیست ۔ وبسیارے از محاورات در مقاماتِ
خطابیہ استعمال می شوند ومدارِ آنہا تحقیق نباشد ۔ بر خلافِ قولِ باری تعالیٰ
کہ سراسر تحقیق است ، واز حقیقتِ امر سرِ مُو متجاوز نیست ، بلکہ از وجوہِ
اعجاز این ہم است کہ بجائے یک کلمۂ وے دگر کلمہ از خلق ممکن نیست ،
زیرا کہ حقِ آں مقام وحقیقتِ غرض اکتفاء نتوانیم نمود ۔

۹۸ــــ دوم آنکہ قائلِ وے ارادۂ تحقیق خود نکردہ ، زیرا کہ او را علمِ غیب
وآنچہ در کتمِ مستقبل است ، حاصل نیست ، کہ کلام برعایتِ دوام گوید برخلافِ
باری تعالیٰ ۔

۹۹ــــ سوم آں کہ این قول ہر کس بر ظنِّ خود می گوید ، ودر یک عصر تحقّق
متعدد وسے می گویند ، واز یک دگر خبر ندارند ، بلکہ یک کس ہم باوجود اطلاعِ این
کہ درین عصر دگراں ہم ہستند ، این لفظ اطلاق می کند ، واعتماد بر قرینۂ قاطعہ می
کند کہ دگراں مشاہد ہستند ، وسامعینِ من در مغالطہ نیفتند دربارۂ آں چیزے

کہ بچشم می نگرند، و روز مرہ می شنوند۔

۱۰۰ــــــ چہارم آں کہ ہر کس باعتبارِ عصرِ خود مراد می دارد و بس و با مستقبل کارے ندارد۔

۱۰۱ــــــ پنجم آں کہ بر یکے از انبیاءِ آئندہ بزعمِ ایں دجّال والعیاذ باللہ۔ خاتم باعتبارے اطلاق تواں کرد، دریں حال مضمونِ آیت محصّلے ندارد۔

۱۰۲ــــــ ششم آنکہ بریں تقدیر کہ معنیٰ خاتم مہر کنندہ باشد، بر تقدیرِ تقدّمِ خاتم الانبیاء برجملہ انبیاء ہم چناں باشد، و ایں محض بے معنیٰ است، و ہمچو حال مقدام المحققین می گویند، نہ خاتم المحققین۔

۱۰۳ــــــ ہفتم آنکہ خاتم النّبیّین را بریں تقدیر اختصاصے زائد با اُمّت مرحومہ نماند، و سیاق آنست کہ در بدلِ ابوّت علاقۂ ختمِ نبوّت است۔ و شاید اولادِ ذکور برائے ہمیں نماندہ کہ طمعِ نبوّت بعد از اں بکلّی نماند۔ یعنی علاقۂ اُبوّت مطلبیہ، بلکہ علاقۂ نبوت، و آں ہم ختمِ آں۔ و بودنِ عدمِ بقاءِ اولادِ ذکور اشارہ بسوئے عدمِ بقاءِ سلسلۂ نبوت، چناں کہ از الفاظِ بعضِ صحابہ ابن ابی اوفیٰ رض و ابن عباس رض فہمیدہ می شود، راجع شرح المواہب من الثالث من ذکر ابراہیم؏ و در اِرثِ نبوّت اوائلِ مریم جامع البیان مع ہامش باید دید، و مواہب از خصائص۔ و شاید مراد نفیِ اُبوّت بذریعۂ تبنّی باشد، و اثباتِ علاقۂ رسالت و نبوّت، و تقیید برجال برائے آں کہ تا از صورتِ لفظ بدونِ مرادِ او فن نفیِ اُبوّتِ اولادِ صلبی نشود، یا مراد نفیِ مطلق اُبوّت است برائے رجال یعنی

---

؏ در فتوحات ہمچنیں فہمیدہ۔ منہ

بالغین، شرح مواہب ص۱۸۶/۲ — ودر روح المعانی کلام مشبع نمودہ۔ غرض آنکہ محاورۂ عامیہ کلام تحقیقی نیست، بلکہ مبنی بر تساہل و تسامح است، و نظائرِ آں در بابِ آفاتِ لسان از احیاء باید دید، و نیز کلامیکہ در القابِ فاخرہ، مانندِ ملک املاک کردہ اند، ملاحظہ باید کرد، و نہی از تزکیہ در وجوہِ ممدوحین معلوم است، پس ایں محاورات نہ تحقیقیہ ہستند، نہ شرعیہ، چہ جائیکہ شارع علیہ السّلام اسم بَرّہ را پسند نفرمودہ باشد۔

۱۰۴ ——— ہشتم اینکہ مدلولِ کلمۂ ختم این است کہ حکم و تعلقِ خاتم بر ماقبلِ وے جاری شود، و زیرِ سیادت و قیادتِ وے باشند، مانندِ بادشاہ کہ قائد موجودین باشد، نہ معدومین۔ و ظہورِ سیادت و آغازِ عملِ وے بعد اجتماع باشد، نہ قبل آں گویا انتظارِ قوے بعد اجتماع بسوئے کسے اظہارِ توقف بر وے است برخلاف عکس ایں کہ محض معنوی و ذہنی است، و لہٰذا عاقب و حاشر و مُقفّی ہم در اسمائے گرامی آمدہ اند، نہ بر لحاظِ مابعد و ارادۂ ما بالذات و ما بالعرض عرفِ فلسفہ است، نہ عرفِ قرآنِ حکیم و حوارِ عرب۔ و نہ نظم را ہیچ گونہ ایماء و دلالت بر آں، پس اضافۂ استفادۂ نبوت زیادت است بر قرآن بمحض اتباعِ ہوٰی۔ البتہ سنّت اللہ ہمیں واقع شدہ کہ ختامِ زمانی کدام منصب عالی ہماں کس نہادند کہ لابد مزیتے دارد، و سابقین را زیرِ سیادتِ وے دادند۔ و انبیاء را برائے آفریدنِ نبوت نفرستادہ اند، بلکہ برائے سیادت و قیادت و سیاست و ریاست۔ و بعد اجتماعِ قوم برائے صلوٰۃ طلب نصبِ امام رو دہد۔ و ہمیں است قول او تعالےٰ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ[1] در پیشینیان انبیاء تحت رُسُل برائے تکمیل کار می بودند کہ اشدّ دِ بِہٖ

[1] بنی اسرائیل: ۷۱

أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ؕ و نیز قال سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ

و در مقامِ خاتم الانبیاء کدام جزء از کمال فرو گذاشته اند سه

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری؛ آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۰۵ــــــــ وازیں طرف اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ

ثابت شده، کہ مراد از حیات اعالی حیات ہستند، نہ مجردِ بقاءِ روح، کہ در ہمہ مشترک است. و شاید تربیتِ روحانی اُمت از انبیاء، و تکمیلِ باطنی ایشاں باعتبارِ جزءِ ولایت، کہ مندرج در نبوت است، بود، و ولایت خود جاری است. پس یک جزء اختصاصی است، و دگر جزء اکتسابی. و درینجا بحثِ ولایتِ نبی را از کلماتِ عُرفاء باید دید. غرض آں کہ نبوت از مناصبِ ظاہرہ و باہرہ است کہ باستخلافِ الٰہی و اَخذِ میثاق و بیعت از اُمَم بوده، مانندِ خلافت در شرع کہ بعقدِ بیعت باشد، نہ بتوریث و سرایت. و نیز از فضائلِ لازمہ است، نہ از فواضلِ متعدیہ مانند ولایت، کہ بتوجہِ باطنی و ہمت متعدی می شود. و مانندِ فرقِ معجزہ و کرامت کہ اول بدون عقدِ ہمتِ نبی باشد، و در ثانی عقدِ ہمت ضروری است، ہمچنیں در ما نحن فیہ.

۱۰۶ــــــــ آنچہ از اجزائے نبوت قابلِ تعدیہ بود، و آں ولایت مندرجہ در نبوت است متعدی و ساری شد، و آنچہ قابلِ تعدیہ نیست لازم ماند، و آں نفسِ نبوت است کہ باستخلاف و تولیتِ الٰہی و اخذِ عہد و میثاق و نصب بر منصۂ شہود اتمام می باید، و تکمیلِ ظاہرِ امت منوط بوے است. و مرادم

۱۰۵ نہ طٰہٰ : ۳۱-۳۲ ۔ ۲ القصص : ۳۵ ۳ رواه البیہقی و صححہ و ابو یعلیٰ و البزار (فتح : ۶ ص ۳۵۲)

از تکمیلِ ظاہر تکمیلِ سطحی نیست، بل تکمیلِ غیر مستور و علی سبیل الاشتہار۔ پس حصۂ نبوت برائے تکمیلِ کلِ اُمت علی سبیل الاعلان است، و حصۂ ولایت ازاں برائے تکمیلِ خواص۔ و آں باطن است، نہ ظاہر۔ و ساری است۔ پس جزء اخیرِ نبوت، مانندِ جزءِ اخیر علتِ تامہ، ہمیں استخلاف و تولیت است، کہ فعلِ الٰہی است، لاغیر۔ اکنوں اگر ایں نکتہ را فہمیدی و سنجیدی از ہمہ سوا سُی راحتِ ابد خواہی یافت۔ واللہ الموفق۔

واگر در خارج مثال می خواہی پس در تحصیلِ کمالاتِ امارت نظر کن کہ مکسوب اند۔ ولیکن کسے والی نشود تا آنکہ سلطان اور انصب نکند، و گماں نبری کہ کمالات ہمگی پیشتر مانند، پس ایں استخلاف و تولیتِ الٰہی سخنے بالائی است، و چنداں گرامی نہ۔ زیرا کہ نفسِ ایں استخلافِ الٰہی مرتبۂ است کہ از ہمہ مزایا و فضائل دو بالا است۔ وَاللّٰهُ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

۱۰۷ـــــــ و معلوم باد کہ در نبوّت و رسالت باعتبارِ مفہوم تغایُر است و اجتماع، نہ نسبتِ کُل و جزء، و باعتبارِ صدق عموم خصوص، بشاہدِ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ پس در اصل دو وصف ہستند متغایر، کہ در یک محل جمع توانند شد، و یا استلزام است۔ پس نتواں گفت کہ خاتم النبیین ہستند نہ خاتم الرسل، و نہ در آیت خاص مقابلِ عام آمدہ، بلکہ بسبب نکتۂ کہ گذشت از خصوص بسوئے عموم تحویلِ نظم فرمودہ و بس، کہ ایں گونہ نظم یا برائے

استیفاءِ عمومِ اشخاص آید، و یا برائے استیفاءِ کدام جزءِ حقیقت۔ و نتوان
گفت کہ خاتمِ نبیین ہستند کہ از خدا خبر می یافتند، نہ خاتم اوشان کہ فرستادہ شدند۔
زیرا کہ فرستادہ نشود بدون خبر دادن۔ در عُرفِ عام ایں وقت نبی مقابل
رسول شائع شدہ، چنانکہ در وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ
وَّلَا مُحَدَّثٍ آمدہ، بزیادت وَلا محدث در قرأتِ شاذہ۔ واز صدرِ کلام
وَمَآ اَرْسَلْنَا ایں ہم لازم نیست کہ بر معطوف مُرسَل اطلاق شود زیرا کہ
در توابع چیزہا مُغتفَر است۔
محصّل آنکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم رسول اللہ دائم و باعتبارِ مستقبل رسول
علی الاطلاق ہستند، و باعتبارِ ماضیان خاتم و آخر، و ایں وصف غیر منقطع است۔
۱۰۸ـــــ ایں شقی اِدّعاءِ وحیِ مساویِ قرآن در رُتبہ، اگرچہ اِدّعاءِ نبوّت
نکردہ بودے، واِدّعاءِ نبوّت، و اہانتِ انبیاء، و تکفیرِ اُمّتِ حاضرہ کردہ است۔
و ردِّ بسیارے از ضروریاتِ دین، و دعویِ شریعت، و اِدعاءِ خصائصِ انبیاء
و مُحاکاتِ ایشان، و تحریفِ دینِ متواتر، و تمسخر بعض شریعتِ متواتر نمودہ، کہ
ہمگی وجوہِ کفر و الحاد و زندقہ باتفاقِ ملّت اند۔
۱۰۹ـــــ گاہے انعکاس را مغایرِ نبوّتِ غیر تشریعیہ ہم می گفت
چنانکہ در کاویہ صـ۱۰ از بدرِ ۱۹۰۳ء آوردہ۔ سپس اِدعاءِ شریعت بتصریح
و تحدّی نمودہ، واگرچہ جدیدہ نہ گفتہ، لیکن آں ہم لازمِ افعال و اقوالِ وے است۔
و گذشت کہ در صاحبِ شریعت قسمے سوم افزودہ، و بآن قسم خود را صاحب
شریعت، چنانکہ در اربعین ۴ صـ۶ از متن و حاشیہ تحدی کردہ، و اُمّت

نهاده، و نجات در اتباعِ وے بایں قسم ہم حصر کرده، و منکرِ خود را کافر اعلان کرده عه

۱۱ـــــــ بُروز از مصطلحاتِ تناسخیان است، چنانکه مزدک ولامان ادّعا کرده بودند، در ادیانِ سماویه و شریعتِ مطہره و تحقیقاتِ علماءِ اسلام اصلِ آن نیست۔ و نه ظلّیت در محاورهٔ دینِ اسلامی آمده۔ و تاآنکه محاورهٔ جاری نشود تحریفِ نصوص زندقه و الحاد است۔ و نه قیاس در محاوره مسموع است، چنانکه کسے بر قیاسِ محاورهٔ فارسیانؔ اکل الحلفت" و "یا اقتل السراج" می گوید، و نه پیغمبرِ اسلام ایں حقیقت را تسلیم کرده، چنانکه فرمودند اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی، اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[1] و حدیثِ ثلثین دجّال[2] و نه از عمارتِ نبوت کدام لَبِنَهْ فروگذاشته۔ در حدیثِ دجّالین مدارِ حکم دعوٰیٔ نبوت است و بس، نه احصارِ عددِ خاص۔

---

عه عقائد مرزا ص ، مرقع کادیانی ص ۵۲ عجائبات مرزا ص ، (پس میں وہی مظہر ہوں پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو) از حقیقة الوحی ص۱۲۳ و عشرہ کاملہ ص۵۵ از خط قادیانی و ترک مرزائیت ص۵۱ (جو مجھے نہیں مانتا خواہ وہ زبان سے میرے حق میں کوئی بُرا الفاظ نہ کہتا ہو کافر ہے) تحقیق لاثانی (جبکہ خدا تعالٰے نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے) کادیانی کا خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خان (علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا) حقیقة الوحی ص۱۶۳ و عبارت وے از عشرہ کاملہ ص۱۲! باید دید کہ از جانبِ خود بحسبِ تحقیقِ خود نسبتِ زنا بسوئے مریم صدیقہ نموده۔ والعیاذ باللّٰه العلی العظیم۔ منه۔

---

[1] متفق علیه من حدیث سعد بن ابی وقاص رض۔ مشکوٰة ص ۵۶۳ [2] ابوداؤد، ترمذی من حدیث ثوبان مشکوٰة ص۴۶۵

۱۱۱ـــــــــــ در آیت هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اِلٰخ[1]
وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ[1] مساسِ تعدّدِ بعثتِ آنحضرتؐ ہم نیست،
کہ این ملحدِ ممسوخ الفطرت الحادکردہ۔ تعدّد در محلِ فعلِ بعث و متعلقِ وے
است نہ در نفسِ فعل۔ وآیت مانند المبعوث الی الاسود والاحمر و
المبعوث الی العرب والعجم است، ودرینجا حاجت آں ہم نیست کہ
نُحاۃ گفتہ اند کہ در ثوانی مغتفر است آنچہ کہ در اوائل نیست۔ شاید حاجت
در مانندِ آیتِ احقاف باشد واذکر اخا عادٍ اذ انذر قومہ بالاحقافِ
وقد خلتِ النُّذُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ[2] وفقہاء در تعدّدِ یمین و
وحدتِ آن موشگافی ہا کردہ اند۔ و ملحد در آیت هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ
وَفِیْ هٰذَا[3] چہ خواہد گفت؟ در عجائبات مرزا دیدم کہ در وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ
تقدیرِ عبارت رسولًا منهم فہمیدہ، و دو بعثت آفریدہ، واین مسخِ فطرت
است، کہ ہر کسے را کہ ادنیٰ مساس ہم با عربیت باشد پیش نیاید، کہ در
آیت آخرین را از اُمّیّین فرمودہ کہ فارس صاحبِ کتاب نبودند، نہ رسول را
از آخرین۔ پس با وجود این اغلاطِ فاحشہ در فہمِ عبارات از وے چہ توقع داری؟
بست از دین و فہمِ وے یک سر بردار، ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰه
العلی العظیم۔

۱۱۲ـــــــــــ و بسیار زندیقان ہمچنین کردہ اند کہ بعد کدام مشہور شخصے، کہ
حیثیتِ وے نافذ بود، یا دعوائے حلول و بروز کردہ اند، مانندِ باب۔ ویا دعوائے

---

[1] الجمعہ ۲-۳  [2] الاحقاف : ۲۱  [3] الحج : ۷۸

استقلال و نسخ، چنانکہ بہاء۔ و ایں طریقے انفاذ غرض خواست کہ شیطان وقتاً فوقتاً مخذولان را تلقین کردہ آمدہ۔

۱۱۳ــــ البتہ ظل اللہ محاورہ است، باعتبار تشبیہ بظل شجر کہ زیر آں مردم استراحت کنند و پناہ می گیرند یا اضافت باعتبار تشریف باشد، چنانکہ در بیت اللہ و نحو آں۔

۱۱۴ــــ و در ظلیت اگر نبوت حقیقۃً حاصل شدہ خاتم نبوت مکسور شد، چہ مقصود آں عدم حصول نبوت بود، نہ صورت عدم کسر۔ و اگر نبوت حاصل نیست تکفیر منکراں خود کفر است۔ و خیال است کہ اگر کسے را گفتہ شود کہ ایں صندوق مقفل کشا نی، و او آں صندوق را بدون کشودن ہم بدزدد، و یا ایں صندوق را دزد او صندوق را گذاشتہ مال از درون دزدید، مانند قصۂ قبائے کدام خان صاحب، و ایں تحقیقت تمسخر است باقرآن و شریعت و تحقیق قائل۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم ایں چنیں تاویلات و تسویلات مردم بے ایمان ہمراہ کردہ آمدہ اند۔

۱۱۵ــــ و اگر کسے خواہد در الوہیت بر وز ظلیت ادعا کردہ طرح نو کفر نہد، و شاید ایں لعین دعوی بروز الوہیت ہم کردہ، کہ الہام انت منی بمنزلۃ بروزی[1] می سراید، و او مع ازیں (میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے اور خدا اوس وقت وہ نشان دکھاتے گا جو اس نے کبھی نہیں دکھلائے گویا خدا زمین پر خود اتر آئے گا۔ جیساکہ وہ خود فرماتا ہے۔ یوم یأتی ربک فی ظلل من الغمام یعنی اوس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا، یعنی انسانی مظہر

---

[1] تذکرہ ص ۵۹۶ طبع دوم

کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھائے گا۔) حقیقۃ الوحی ص۱۵۴ از
علم کلام مرزا ص۴۵ مع آنکہ آیت محرّف نقل کردہ، و مع آنکہ برائے قبضہ کردن
اسمِ احمد خود را برنگ جمال می نماید، درینجا شیطانش فراموش کراند، و
دعوئ جلال کرد، وازین ہم اوضح درکادیہ ص ۳۰

۱۱۶ـــــــــ ادارہ بر الفاظ و یا اغراض، و تمیزِ مقام ہر دو، کارِ علم و ایمان است
نہ کارِ الحاد و زندقہ۔ و ایں اُسوۂ کاذبِ نبوّتِ خود حقیقۃ می گوید، محمدیت را ظلی
می سراید، و مانندِ زندیقاں جز تلبیس و تمویہ بر عوام وظیفہ ندارد، و ہموارہ
درجہاں چنیں افتادہ۔

۱۱۷ـــــــــ دگرے آنکہ مجرّدِ ایمان را بجز فناء فی الرسول درحصولِ ایں
منصب کافی داند، زیرا کہ فنا واجب نیست، بلکہ از مصطلحات محدثہ است،
و خلافِ ظاہر است بر خلافِ ایمان کہ واجب و مامور بہ از آں طرف است۔

۱۱۸ـــــــــ و معلوم باد کہ اذنابِ ایں مخذول استدراک بروے کردہ تحریفات
نو می تراشند، تحریفِ وے ایں است کہ اکنوں گذشت، و یا تجزِ نبوّت
تشریعیہ نہ غیر آں، و یا تجزِ شریعتِ جدیدہ نہ مطلق شریعت۔ از ناب وے تحریف
دگر می کنند کہ قیاس بر محاورۂ عامیہ است، و ہمچنیں اینکہ خاتم النبیین مُہرِ اعتبار بر
نبوتِ دگراں ہستند ـــــــ وایں ہم تمسخر است، مُہرِ اعتبار اگر زَنَد حق تعالےٰ
می زَنَد، و نیز خاتم دریں جا بدونِ تقدیر علیٰ نہ بمعنی مُہر می سزد، چہ مضاف الیہ
در معنی مفعول بہ است، و نیز دریں حال اتساق درمیانِ ما قبلِ لکن وما بعد آں،
کہ در عربیت شرط است، فوت شد۔ چہ درمیان ابوا حدے از رجال بودن و

درمیانِ مُهرِ اعتبارِ نُبوّت بودن هیچ گونه نسبتِ تباوُل نیست، بلکه باهم جمع توانند شد، واین امر مُفوّتِ اتّساق است، که شرط بود. شرطِ اتساق را در کُتبِ اصول وقصرِ قلب را در کُتبِ معانی باید دید. ودر مُغنی ابن هشام تصریح کرده که کلمۂ لٰکن بعد نفی بمنزلۂ کلمۂ "بل" هست سوائے بسوائے.

۱۱۹ ــــــــ ودر نفی مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ متوهم بود که معلوم نه که چه چیز نفی شود، بفرمودند وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی این ثبت است، پس شرطِ استدراک مُوفَّر شد، ودر اُبوّت که متضمنِ توریث است، وختمِ نبوّت که متضمنِ عدمِ توریث است، تدافُع است، پس شرطِ قصرِ قلب مُوفّر گردید.

۱۲۰ ــــــــ البتہ آں کس که تدافُع شرط کرده در صورتِ عدمِ اعتقادِ مخاطب چیزے را قصرِ تعیین اضافہ کرده. چنانکه خطیب. وسکاکی چوں از تدافُع سکوت کرد از قصرِ تعیین ہم سکوت ورزید. ونزدِ احقر در تدافُع ہمیں قدر کافی است که در تردید بکلمۂ اِمّا بکر، که برائے اَحد الامرین است، می باشد.

یعنی تدافُع که بحسبِ مقام در مُحاوَرۂ متکلّم ومُخاطَب منعقد شده، نه تدافُعِ کُلّی۔ معهذا قولِ سکاکی اثباتِ شیٔ دون شیٔ یا اثباتِ شیٔ مکان شیٔ باعتبارِ غرضِ متکلّم ومسوق له، عبارت صادق ومطّرد است، درخارج ہرچه گونه که حال باشد.

۱۲۱ ــــــــ ودر ما نحن فیه سخنے دگر ہم است، که اُبوّت نفسِ وے متضمن ومستلزمِ توریث است، پس مقابله درمیانِ وے وتوریث نهادن هیچ گونه

صحیح نیست، وہمچنیں نفس قتل در وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ
مستلزمِ رفعِ درجات است، و مقابلہ صحیح نیست، و نہ طباقِ نزول در حدیث
باوے مستقیم۔ لہ برخلافِ ما زید بشاعر ولکنہ کاتب، کہ مقابلہ بحسب خصوصِ مقام

لہ (فائدہ زائدہ) حق تعالیٰ در آلِ عمران دو لفظ جمع کردہ 'توفّی' یعنی وصول کردن چیزِ خود، و 'رفع'
و در نساء وما ئدہ تقسیم ایں دو کلمہ فرمود، کہ در مقابلہ قتل رفع آمدہ، و در مقابلہ مَا دُمْتُ فِيْهِمْ
توفّی آوردہ۔ بایں تقسیم و مقابلہ مفہوم ایں دو کلمہ بوضوح پیوست، کہ توفّی در آلِ عمران بمعنی وصول کردن
چیزِ خود، مقابل دوام در میانِ ایشاں ماندن در ایشاں است، و رفع امرے وچیزے مقابل
قتل است، نہ اینکہ توفّی و رفع باتغائر مفہوم واحد بمصداق اند، کہ موت طبعی است۔ زیراکہ در مقابلہ
قتل لفظے باید کہ خصوصیت بر موتِ طبعی وارد، نہ کدام لفظے عام و مبہم وکنایہ۔ و معلوم است
کہ برائے رفعِ جسمانی ہمیں یک لفظ رفع است، و برائے مردن کہ دگر الفاظ صریح اند۔ چہ اگر رفع
را مراد برداشتن از میان وغائب کردن از ایشاں داریم تاہم دولت بر خصوصِ موتِ طبعی نکردہ و نزول
در حدیث کہ بر طباق آمدہ مطابق نماند، و سیاق آنکہ وجہ اشتباہ بر ایشاں بیان می کنند، کہ قتل
نہ شد، بلکہ او رفع بود، و موتِ طبعی موجبِ اشتباہ نیست، اگر باشد فقد متقدم بر
موت باشد، و آں مذکور نیست، و ترکِ مقصودِ اصل و عدم اخذ آں را استار است، و اخذ
ایں و آں بلاغت نیست، بلکہ عجو و کج است، و مقابلہ قتل بالفظِ موت ہم دائم نیست، یحییٰ قتل
شدہ اند و در قرآن تعبیر بہ وَيَوْمَ يَمُوْتُ[لہ] آمدہ۔ پس وجہ اشتباہ ذکر کردند، و لہٰذا کلمہ یقیناً
افزودند، کہ آں رفع است۔ نہ کہ بیان سوانحِ عمری حضرت عیسیٰ مقصود است۔ موتِ طبعی آں وقت
نبود، و موت ما بعد را چہ دخل در اشتباہ، در عالم ہمگناں را باشد، چہ وجہ اشتباہ است،

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

لہ النساء: ۱۵۸   لہ سورۃ مریم: ۱۵

است . فی الجملہ ترکیبِ بحسبِ دلالتِ وضع و افادۂ عبارت از جانبِ متکلم لا محالہ برائے مقابلہ است .

۱۲۲ ——— پس مُہرِ کسے استعمال کردن خیانت است ، خود صاحبِ مُہر استعمال می کند ، و کنندۂ وے دیگرے را جائز نہ ، لہٰذا نہی از نقش وے آمدہ[1] دریں تقدیر کہ مُہر خود آنحضرتؐ باشند صاحبِ مُہر حضرتِ حق است . و خاتمِ نبوت محسوس ہم بود ، کہ بر ظہرِ نبی کریمؐ ثبت بود[2] ، و از روایتِ ابو داؤد طیالسی[3] مستفاد می شود کہ علامتِ ختمِ نبوت برایشاں بود ، نہ برائے مابعدِ ایشاں . زیراکہ بر ذاتِ ایشاں زدہ بودند .

۱۲۳ ——— و خاتم بمعنی مہر برائے حفظِ مختوم و منعِ خلیدنِ شئے دگراست ، کہ از لوازمِ وے تعارف است ، و واحد بالعدد بودن ، اگر زود گرے برآمد خائن است و دزد . زیراکہ خاتمِ کسے قائم مقامِ شخصیت و اسمیتِ وے است ، و در اصل بمعنی طابع است ، مانندِ گلِ مختوم . عام از مُہر . و در زمانِ قدیم بر پشت و بیرونِ ملفوف می زدند ، نہ در اندرون . پس رواج تبدیل شد . و برائے مجموعِ حفظ و سربمہر کردن و تعارف بود . و ازیں مجموعۂ اعتبارِ ملفوف لازم می آمد ، نہ آنکہ موضوع برائے اعتبار بود . و بمعنی انگشتری ہم اصل نیست ، بلکہ فرع است کہ مناسبِ مقام نیست .

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) دخیل در اشتباہ آں دفع است کہ آں وقت بعد باشد . فافہم . و چوں در وُکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْداً . مراد بنی اسرائیل شام ہستند و ملک دگر ، مراد فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ متعین شد کہ بمعنی موت نیست ، بلکہ بمعنی مذکورہ زیراکہ موت نزد ایں ملحد بملک دگر بعد مدتِ دیرِ بازاست . منہ

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ مشکوٰۃ ص ۳۷۰ [2] ترمذی عن علیؓ . مشکوٰۃ ص ۵۱۸ [3] ص ۳۵۲

۱۲۴ـــــــو خاتم در قرآن مجید باعتبارِ ماضی بود ، ایں مخذول باعتبار مستقبل نہاد و بحقیقت جنس شد ، نہ جزئی - زیرا کہ باتّباعِ انبیاء سابقین نزدِ وے نبی ہم شدہ اند و محدَّث ہم ، پس خصوصیتِ خاتم الانبیاؑ نماند - در ہذیانِ خود خاتم را گاہ برائے اجراء نہد ، وگاہ برائے انقطاع - سود اہمرزا ص۳۲ و رسالۂ ترک ص۸ و ص۳۸ و حقیقۃ الوحی ص۲۸

۱۲۵ـــــــحاصل آں کہ تحریفِ انعکاس - با آنکہ در خارج مصداقے ندارد و لفظے است بے معنیٰ ، بناءِ تکفیرِ منکرانِ ایں ملحد بروے موجبِ کفر خود وے بعدوِ منکراں کہ کل اُمّتِ حاضرہ است خواہد شد - و تحریفِ حجر نبوتِ تشریعیہ نہ غیر تشریعیہ خلافِ نصِّ قرآن است ، کہ در ذکرِ ختم از کلمۂ رسول بسوئے کلمۂ نبیین تحویلِ نظم فرمودہ ، و محطِّ فائدہ ہمیں مزیّت را ارادہ نمودہ ، چنانکہ تقریرِ آں بوضوح پیوست ، و تحریفِ مُہر اعتبارِ نبوت مفتوتِ اتّساقِ نظم با وجود محذوراتِ باطلۂ مذکورۃ الصدر است -

وظلیت و بُروز و مانندِ آں اگر انعکاس است پس حال وے گذشت ، کہ سَراب از راہ بردۂ تہافت و ملاحدہ است ، و اگر چیزے دگر است تعلقہ محض لسانی است ، کہ ملحد ان مریدانِ خود را بامثالِ ایں دعاوی بسیط و جہلِ مرکب راہ می زنند - پس ہمہ تحریفاتِ ایں شقی ہمراہِ وے در گورِ وے کہ ہاویہ است دفن شدند ، وقالوا الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ -

---

ص۱ رسالۂ ترک ص۱۲ دیگر ظلی نبوت جس کے معنی ہیں کہ فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی ہے) حقیقۃ الوحی ص۲۸-۲۹-۱۰۰

۹۰

۱۲۶ـــــــ پس باید دانست کہ عالم قدیم بالنوع نیست، چنانکہ ایں دناخلف دسے می سرایند، بلکہ باعتقادِ ادیانِ سماویہ از ہر دو طرفِ ماضی و مستقبل محدود است، چہ مستقبل ہمگی از قوت بفعل بر آمدہ، و مسألۂ تجددِ امثال، کہ معرفتِ عرفا است، ہم مسألۂ درست است، باقی ماند ماضی! پس اگرچہ بداہتِ وہم حکم می کند کہ غیر متناہی بالفعل است، و تعطیلِ فیض نامعقول. لیکن حقیقت چنیں نیست، و عالم از ہر دو جانب غیر متناہی بمعنیٰ لا یقف عند حد ہست لا غیر، چہ وسعتِ قدم را بہ بسطِ حوادثِ غیر متناھیہ بروے پُر کردن، چنانکہ مذہب فلاسفہ است، نامعقول است، چہ وجودِ حادثِ زمانی در ازل و تقویمِ قدیم بالحوادث ناممکن است و خلافِ مقدمۂ حقہ کہ ما ثبت قدمہ امتنع عدمہ نیز. حقیقت الامر ایں است کہ چوں از باری تعالیٰ زمانہ رفع کنیم کہ متفق علیہ درمیانِ عرفا و عقلا است، حوادث در عالمِ خود، کہ موطنِ حدوث است، از جانبے می آیند، و بجانبِ دگر می روند.

ع   ازیں در درآئے و ازیں در خرام

ما جانبِ ایاب را مستقبل نام نہادہ ایم، و جانبِ ذہاب را ماضی و بس. پس ہر دو ماضی و مستقبل کدام حقیقتے واقعیہ ندارند، بلکہ محض اعتباری و اضافی بنسبتِ ما کہ حوادثِ سنتیم ہستند، و زمانہ ہم حقیقتے واقعیہ ندارد، بلکہ امرے انتزاعی از تجدد و تقضی حوادث است لا غیر. سبحان الذی یغیر ولا یتغیر. دریں حال اگر ارادۂ ازلیہ ہم با حدثِ حادث متعلق شود آں حادث بحسب مقتضی حقیقت خود در مغاک عالم حدوث خواہد افتاد،

تا انقلابِ حقائق لازم نیاید، مانندِ آں کہ واجب تعالیٰ اگر کدام مخلوق را پیدا کند لامحالہ وے ممکن باشد، نہ واجب. و ایں ہم ممکن نیست کہ ہر فردِ حادث باشد و مجموع من حیث المجموع قدیم، بلکہ اینجا حکمِ کل افرادی و کلِ مجموعی متفاوت نیست.

۱۲۷ ــــــ وچوں حکیم تصریح کردہ است کہ ہر چیزے را کہ بدایت است نہایت لازم است، و از دوام مستقبل جواب دادیم کہ تجددِ امثال ست لاغیر. پس حسبِ حدیثِ نبوی عمارتِ نُبوّت ہم آغاز و انجام داشت کہ از آدم شروع کردہ بر خاتم الانبیاءؐ کہ آخرین لَبِنَہ ازاں عمارت ہستند، اختتام فرمودند. و اکنوں صدوِ آنست کہ بر عالم طبلِ رحیل زنند، گویا نظامِ عالم مانندِ جلسہ بود کہ مجلسِ استقبالی منعقد شد، و از قدومِ صدرِ جلسہ خبر داد کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ[1] و صدرِ کبیر قدومِ میمنت لزوم ارزانی داشت، و خطبہ خواند، و جلسہ را پدرود کردند[3]

---

[a] مستحق اِسْمُهٗ اَحْمَدُ آں ذاتِ گرامی است کہ علم ایں اسم مبارک و تسمیہ بوے از وے آموخت، و ایں اسم مبارک و سے بشایۂ لقب است، و محمد بشایۂ اسم محض. و درآیت براے ہمیں یعنی اعلام بایں لقبِ گرامی اسمہ اضافہ کردند. و ہمچنیں است يَا زَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا[2] ایں اسمِ گرامی ہم بمنزلۂ لقب است، ورنہ مشہور درمیان ایشاں 'یوحنا' بود. و ہم بریں منوال است اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ الآیۃ[3] مسیح لقب

(حاشیہ)

---

[1] الصف: ۶ [2] مریم: ۷ [3] آلِ عمران: ۴۵

۱۲۸ ـــــــ احقر هیچمدان در نعتی گوید۔

ای آنکه به رحمت مهداةٍ قدیری ۱ باران صفت و بحر سمت ابر مطیری
معراجِ تو کرسی شدهٔ و سبعِ سماوات ۲ فرشِ قدمت عرشِ بریں سدره سریری
بر فرقِ جهان پایهٔ پائے تو شده ثبت ۳ هم صدر کبیری و هم بدرِ منیری
ختمِ رُسُل نجمِ شبِ سُبُل منبعِ هدایت ۴ حقا که بشیری تو و الحق نذیری
آدم بصفت محشر و ذرّیتِ آدم ۵ در خلقِ ولایت که امامی و امیری
یکتا که بود مرکزِ هر دائره حکمت ۶ تا مرکزِ عالم تو ای بے مثل و نظیری
کس نیست ازیں امتِ تو آنکه چو احقر ۷ با روئے سیاه آمدهٔ و موئے زریری

---

۱۲۹ ـــــــ

گفتم حرفِ راستی و درست ۱ آں که در رهبری نمانی سست
نگذاری مرا به دردم فرد ۲ زانکه این دینِ واحدِ من و تست
اهلِ حق را همیشه فتح قریب ۳ همتِ مرد کار باید جست
من و تو درمیاں بهانه شدیم ۴ هر او هست و اپسین و نخست
نمک که اندر خرابهٔ دنیا ۵ خار و گل در چمن بیک جا رُست
در شبِ تار مشک تاتاری ۶ گم بکرد آنکه بوئے خوش را جست

---

(حاشیه صفحهٔ گذشته) گرامی است غرض ازیں آیات اطلاع دادن بایں اسماء نقبی است، [۳] تا ایں نام مبارک نیز قوم را معلوم شوند، واگر مسأله اسم عین مسمی بودن و یا غیرآن فهمیده باشی پس دریں آیات غیرست و در محمد رسول الله والذین معه[۱] مین. فافهم. منه

[۱] الفتح: ۲۹

دوش در گوشِ من سروش دمید ۷ کہ نگہدار ایں دو حرفِ درست

رایتِ حق بلند می باشد ۸ در یدِ مستمند می باشد

ہر کہ ادراکِ مقصدِ خود خواست ۹ گر رسید آں رسید از رہِ راست

یارب ایں بندۂ ملامت را ۱۰ نبری راہ و چپ قیامت را

بطفیلِ محمّدِ عربی ۱۱ خاتم الانبیاء رسول و نبی

بہرِ عالم امام نیز ختام ۱۲ باد از حق برو صلوٰۃ وسلام

رحمتِ عالمیں ہمہ رحمت ۱۳ اوّلِ خلق و آخرِ بعثت

سیّدِ جملہ خلق در محشر ۱۴ سرورِ کائنات و خیرِ بشر

صاحبِ حمد و خطبہ روزِ جزاء ۱۵ ہم ز حمدش عیاں مقامِ ولاء

آنکہ زیرِ لواء وے ہمہ خلق ۱۶ آدم و من سوا بُوَد بے فرق

فاتح و خاتمِ نبوّت اوست ۱۷ اول و آخرینِ رفعت اوست

اختصاصے کہ بود بہر مہام ۱۸ منتظرِ صدرِ جلسہ بود و ختام

اہلِ عُرف ایں ختام نشناسند ۱۹ زانکہ ز اوّل نظام نشناسند

بود فاتح چو در مراتب جود ۲۰ موطنے نیز بود آں ز وجود

از شرف خاتم کمال بود ۲۱ ہست الحاد کاں زوال بود

سابقین جملہ در قیادتِ شے ۲۲ ہست کافی سپے سیادتِ وے

منتہا بود در کمالاتش ۲۳ در ظہور ایں بود علاماتش

آنکہ پیشینیاں برکبِ وے ۲۴ نبود لاحقے بمنصبِ وے

چوں کسے کار را تمام کند ۲۵ ہست وارد کہ ایں نقیصہ بود؟

پیشتر ہرچہ بود بُد تمہید ۲۶ آخر آں غایتِ کمال رسید

ہست فی نفسہ بدونِ سوال ۲۷ بالبداہت کمال ختمِ کمال

ایں کمال از معارضِ دگر است ۲۸ نزدِ حق جز نہ عیب، بل ہنر است

منصبے ہست از عنایتِ حق ۲۹ نے بتولیدِ کاو فتاد و قلق

تولیت از حق است شرطِ مقام ۳۰ ہمچو کز بیعت است نصبِ امام

ایں بود معنی وَلَمْ یَعْرِفْ۱؎ ۳۱ اے امامِ زماں و مانندِ خرف

مُرد و نش جاہلی است بے بیعت ۳۲ چو حل او فتادہ در ظلمت

بنظر سوئے جاہلیت راند ۳۳ ہمچو عنواں کہ ہمچو ایشاں ماند

ہم امامت کہ بعد وے موصوف ۳۴ جُستہ آید نہ نزدِ شاں معروف

بعد تنفیذِ سلطنت از تہم ۳۵ می نماید ترا بعید از فہم

باسلطے نیست غیر ایں مقصود ۳۶ ہست امام آں خلیفۂ معہود

از نبی بُد بلحاظِ استحقاق ۳۷ پس ز اشکالِ آمدہ اطلاق

متعدد فتند مدّعیاں ۳۸ حق شناسی ترا رسد زمیاں

باز ہرکس بذوقِ خود نزد و ۳۹ حل و عقد زمانہ ندرو

سیرتِ انبیاء است بر فطرت ۴۰ نے تفلسف تکلّف و شہرت

واند آں کس کہ فرقِ چیز کند ۴۱ عمل و علم شاں تمیز کند

پس ز قرآں کہ در خطابِ جُوب ۴۲ تُرکِ طریقِ شاں دریاب

نے بجمعِ حطامِ دُنیا فکر ۴۳ نے ناقض بقولِ واللّٰہ مو کلہ

ہرچہ باشد برائے دیں باشد ۴۴ صبر و اخلاص و مریقے باشد

---

۱؎ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاہلیۃ [illegible]

فضلِ او مسئلهٔ سرایت نیست ۴۵ ہم نبوت بجز عنایت نیست
ہست فضلِ جنابِ رحمانی ۴۶ چوں لقب یا خطابِ سلطانی
و آں لقب نفسِ وے چو والابد ۴۷ از کمالات خود دو بالا شد
ہست ابداع نیز در قدرت ۴۸ نے ہمیشہ بمادۂ وصورت
پس ہمیں تولیت وجود ہموں ۴۹ ہمچو ارشادِ وے کہ کن فیکون
ویں نہ فہمی کہ محض تلقیب است ۵۰ آنچہ گفتم ہمہ بتقریب است
در کمال و نبوت از تحقیق ۵۱ اختلافے است نوعی از تفریق
فاتح و خاتم آں سیکے را کرد ۵۲ ہست ایماں کہ با خدا است نبرد
فتح و ختم ایں دو از مشیّتِ اوست ۵۳ چیست در وے سوال ایماں دوست
نسبتِ وے بجملہ یکساں است ۵۴ پس چہ در وے سوالِ از ماں است
سابقین جملہ اند زیرِ لوا ۵۵ پس چہ بحث است ازیں زیادہ ترا
ہست مکسوب یا کہ موہوب است ۵۶ زیں فضولی ترا چہ مطلوب است
بر سیادت برو تو ایماں دار ۵۷ کارِ حق را بسوئے حق بسپار
در خصائص چہ شرکت و انباز ۵۸ از فواضل کجا فضائل باز
آنکہ گفتہ نبی نبی ساز است ۵۹ در مشیت شریک و انباز است
گر نبی در زمانۂ اوّل خاست ۶۰ بودے ایں حرف نے در آغاز است
تولیت چونکہ ہست جزءِ اخیر ۶۱ بر ترش اختیارِ شاہی گیر
گر نہ فہمیدی ایں مقام دگر ۶۲ قصۂ آدم و رجیم نگر
ہاں ولایت کہ در نبوّت ہست ۶۳ مثل جز و آں نصیبِ اُمّت ہست

و آں خطاب و لقبِ حضرتِ حق ۶۴ نیست در وے مساہمت مطلق
مستفاد از بود کمال متناسب ۶۵ کز خطابات نیست نے ز القاب
قطبِ جیلی باین اشارت کرد ۶۶ گفت او ختم الاقب آں فرد
در فتوحات این چنیں آورد ۶۷ در یواقیت لفظ افزوں کرد
و آنچہ بعدش بگفت لم تزتزا ۶۸ یعنی آں حصۂ کآں بماند فرد
آنچہ وا ماند وقتِ قسمِ شما ۶۹ پس عنایت ہماں نور بما
خواہم از حق کہ برحقم دارد ۷۰ وز نبی کامتی امم بشمارد
شوکتِ دینِ وے فراواں باد ۷۱ بندہ از بندِ غم شود آزاد

۱۳۔۔۔۔۔۔ ودریں جا رسیدہ سیرتِ شریفۂ انبیاء از قرآنِ حکیم کہ در خطاب و جوابِ اوشاں می آید واز کتبِ خصائص وسیر مطالعہ باید کرد، کہ چگونہ بناء امرِ شاں بر توکل و یقین، و صبر و استقامت، و اولوالعزمی و شہامت، و وقار و کرامت، و انابت و اخلاص، و فضل و اختصاص، و بردِ یقین و ثلجِ صدر، و اعتماد و انشراح مانندِ تباشیرِ فجر، و امانت و صدق و رأفت و رحمتِ خلق، و طہارتِ ذیل و نظافتِ جیب، و اخبات الی اللہ و وسائلِ نجیب، و زہادت در حظوظِ دنیا بہمہ حال، و انقطاع و تبتل بسوئے ایزدِ متعال، و بے التفاتی در زخارفِ دنیا، و بے میلی در اموال، و توریثِ علم و عمل و عدمِ توریثِ مال و منال، کہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ[2] و ترکِ فضول و صونِ لسان ازاں، و متابعت و مطاوعتِ حق در ہمہ شاں، و موافقتِ ظاہر و باطن بدون ہیچ انخرام و انثلام، و بدوں تراشیدنِ اعذار

---

[1] الیواقیت والجواہر للشعرانی ص ۳۹ [2] متفق علیہ من حدیث ابی بکرؓ۔ مشکوٰۃ ص ۵۵۰

باطلہ و تاویلاتِ فاسدہ و تعلّل و تمحّل در اتمامِ مرام، کما اَضْمَرَ اَحَدٌ فِیْ نَفْسِہٖ شَیْئًا اِلَّا اَظْهَرَهُ اللّٰہُ عَلٰی صَفَحَاتِ خَدِّہٖ وَ فَلَتَاتِ لِسَانِہٖ و بدون تطرقِ تہافت و تساقط و تعارض و تناقض در کدام امرے از امورِ بل وضوحِ حق از پردۂ غیب و کمین تقضاء و قدر بروفقِ انشراحِ صدور، و بدون کدام رجوع و بداء خیال در تحقیقِ اطلاعاتِ الٰہیہ و مواعیدِ قادرِ ذوالجلال و صفاءِ سِرّ و سریرہ، و اطراد و اتحادِ طریق بدون کدام تمحّل و تعلّل در تعارض و توفیق، و ایثارِ جانبِ خدا بر جانبِ اغراض، و از وصلات و علائق تسلّل و اعراض، و استدامتِ حمد و شکر و یادِ حق و ذکر در ہمہ حوادث و اعراض، و تربیتِ ایشاں بحسبِ فطرتِ سلیمہ، و علمِ لدنّی زیرِ عنایتِ ربّ العالمین بدون کدام تفلسفِ مزاجی و اختراعِ مخترعین و تکلّفِ متکلّفین، و تسلیم و تفویض، و عبدیتِ کاملہ، و طمانیتِ زائدہ، و استقامتِ شاملہ، و ظہورِ دینِ ایشاں بر اَدیان و نشرِ ایمان و خصائلِ ایمان در اکوان بودہ۔ و ہیچ گاہ راہِ لاتھ و چاپلوسی نہ پیمودہ، و نہ ہیچ گونہ در مقابلۂ کفّار و جابرہ از کلمۂ خود تنزّل فرمودہ، و یا بتخویف و تہدید و ہجومِ ایشاں از جادۂ خود انحراف نمودہ، و یا لوثے از طمع و جمع از حطامِ دنیا بدامنِ ایشاں رسیدہ، و یا حرص و ہوا و حبِّ ما سوا بسوئے خود کشیدہ، و نہ باہم اختلافے در علم و یا در عمل و ردّ و قدحے بریک دگر آوردہ، و یا ہجو و تہوینِ شان کردہ۔ و نہ گاہے اِدلال و عُجب بر کمالاتِ خود و یا بتزکیۂ نفس و تفخیمِ دیگر رجالات۔ بالجملہ ہرچہ بودہ از مواہبِ ربّانیہ بودہ۔ نہ از دائرۂ ریاضت و مکاسبِ انسانیہ، اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ[1] فرموده وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ[2]
در آیتِ اُولٰی حواله بر امرے ایجابی فرموده، که علم الٰہی است، و در آیتِ
ثانیه بر امرے غیر ایجابی، که مشیّت است۔ و بیشتر دیده شده که در باب
تخصیص و اصطفاء و اِجتباء از جانبِ خود حواله بر اُمورِ الٰہیه کرده آید، که
از مکاسب نیستند۔

۱۳۱ ـــــــــ مخفی مباد که آں چه از مُجمل سیرتِ انبیاء نگاشته شد، و یا کسے
دگر دگر چیزے انگارد، نه اینکه حقیقتِ نبوّت ہمیں قدر است، و نه آنکه علماء
نوشته اند کفایت کرده، و نه آنکه ایں مخذول تکرار و اصرار کند، و فی الحقیقت
از علماء آموخته آسیا گردانند، که نبوت عبارت از کثرتِ مکالمهٔ الٰہیه است،
بلکه ایں ہمه از رسومِ ناقصه است که نشانے از راه دہد و سراغے وانماید، و
حقیقت الامر را جز انبیاء که موصوف به نبوت اند، کسے دگر نمی داند، و
نه در مجالِ وَے که ایں گونه امورِ الٰہیه را اِکتناه کند و بایں معاملاتِ
الٰہیه و مقاماتِ ربّانیه در رسد۔ و ایں معنیٰ را در فتوحات در بابِ ثالث و
ثلثمائته به تفصیل آورده، و فرموده "فالنبی ذو عین مفتوحة لمشاهدة
النبوة والولی ذو عین مفتوحة لمشاهدة الولاية ذو عين
عمياء عن مشاهدة النبوة" اه ؎

کس نه دانست که منزل گهِ آں دوست کجا ست
ایں قدر ہست که بانگِ جرسے می آید

مانند صلصلة الجرس۔

---

[1] الانعام: ۱۲۴ [2] آل عمران: ۱۷۹

۱۳۲ــــــ از احادیثِ نبّویہ معلوم می شود کہ حقیقتے ذی اجزاء کثیرہ است کہ تفصیلِ آں اجزاء نفرمودہ اند، و بر بعضے ازاں اجزاء حکمِ انقطاع فرمودہ، و چیزے از مبشرات باقی است، و ایں حکم باعتبار جزوِ اخیرِ علّتِ تامّہ است، والّا کمالاتِ ممہّدہ کہ نبوّت بر کرسیِّ آنہا نشیند، و یا مانندِ صورت بر مادہ، یا نقش بر لوحِ سادہ، و یا مانندِ مشروط و موقوف بر شرط و موقوف علیہ، آں کمالات جاری و ساری ہستند، و صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ[1] مع کریمۂ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ مانند وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ[3] باید فہمید و معیت مانند حدیث اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ[4] و اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[5] و خود در آیت فرمودند وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا[2] و ایں آیت نساء را در موضعِ خوب فہمانیدہ، کہ کہتراں را با مہتراں نہند، مانندِ آں کہ خدم را با امراء. زیراکہ در صدر لطاعت مذکور است کہ اوّل مرحلہ است۔ و سرایتِ ہمیں کمالات است کہ ایں جہول مخذول از راہ بردہ، و تعدیۂ نبوّت شمردہ۔

۱۳۳ــــــ و اگر کسے تفلسف سرنہادہ می گوید کہ ہماں حقیقت است کہ در غیر انبیاء متنزّل بسوئے ولایت گردید، و ہمچنیں وحی و الہام، و عصمت و محفوظیت، معجزہ و کرامت. مانندِ ضیاءِ شمس کہ در کاسۂ قمر نور شود، و یا مانندِ اشیاء کہ در خارج اعیان ہستند، و در ذہن صور، و در مرایا اشباح۔ و یا مانندِ تفاوتِ وجوداتِ اشخاص کہ تمنّیِ رفعِ آں جہل است" ایں تفلسف ہم قابلِ وقر و اعتماد

---

[1] الفاتحہ ۷ [2] النساء: ۶۹ [3] الاحزاب: ۳۷ [4] مشکوٰۃ ص ۴۲۶ [5] الانفال: ۴۶

چنداں نیست ، چہ ہمہ اشیاء مذکورہ از مرتبۂ قطعیت منحط شدہ
در مرتبۂ ظنیت آمدند، کہ تواں گفت کہ از وجوب بسوئے امکان رسیدند،
پس ایں اختلاف ، اختلافِ عوارض است و یا اختلافِ حقیقت، مانندِ
تفاوتِ اشخاصِ نوع است باوجود اتحادِ حقیقت و یا چہ و ایں امرے است
کہ جز علام الغیوب کنہِ آں را کسے نداند، ندانی کہ در زیادت و نقصانِ ایمان
کہ آیا در عوارض است و یا در نفسِ حقیقت ؟ تا حال انفصال نشدہ۔

۱۳۴ ــــــ و چوں متاخرینِ اہلِ معقول در حصولِ اشیاء باشباحہا مقرر
کردند، ما نا کہ در حصولِ صفات نفسیۂ غیر جزیں راہ نیست ، الا آنکہ حصول
باستحقاقِ خود باشد، نہ بطورِ استفادہ ، پس استفادہ کہ ایں مخذول
سرائیدہ راجع بسوئے ذاتِ خود گردید ، و در واسطہ فی الثبوت کہ واسطہ
و ذوالواسطہ ہر دو موصوف باشند عقلاء را دراں ہم معرکہ است ، بعضے
ازیشاں فہمیدہ اند کہ فعل از فاعل صدور یافتہ دگر سرِ وسے بر مفعول برمی
رسد، کہ آنرا بمفعول مطلق نام کردند، حقیقتے جداگانہ نیست ، البتہ اثرِ فعل
چیزے جداگانہ است ، پس دریں اغلوطات افتادن و ضروریاتِ دینِ
متواترات را برہم شکستن کارِ الحاد و زندقہ است۔

۱۳۵ ــــــ و معلوم باد کہ در اجرائے نبوت دریں امت ہیچ مزیتِ ایں
امت و یا مزیتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر نمی شود کہ در پیشینیاں نظیرِ
وے موجود است ، و فرقِ استفادہ و عدمِ استفادہ ، چنانکہ گذشت ، لغو
است ، تمیزے و اثرے در خارج ندارد ، صرف اختراعے ذہنی است کہ

زائد از طفلِ تسلی نیست عہ۔ پس بچہ معنیٰ خاتم النبیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم را فرمودہ اند ؟ اگر گفتہ آید کہ خاتمِ کمالاتِ نبوّت ہستند کہ مسافتِ کمالات واجزاءِ نبوّت را باختتام رسانیدند وسپری کردند، اگرچہ دورہ وزمانِ نبوت ہنوز باقی است۔ پس در نظمِ قرآن بچہ است کہ خاتمِ کمالات نطق فرمودہ باشند ؟ وکدام کس را حق است کہ از حقِ کلمۂ وسے بدر رود ؟ کہ خاتمۂ اشخاصِ انبیاء فرمودہ اند، وایں امر فرعِ ختمِ کمالات ہم است۔ وعلامتِ آں کہ بختمِ زمانی ختمِ کمال نمودند، وایں گونہ ختمیت در عالمِ تقدیر مقرر ومرعی است ومسلوک وما تی، کہ ختمِ صوری را علامتِ ختمِ معنوی می گردانند، وایں امر درشاہد یا بفتح است ویا بختم، درآنحضرت ہر دو جمع فرمودند، خسرو فرمایدؔ

شاہِ رُسُل وشفیعِ مُرسَل

خورشیدِ پسین و نورِ اوّل

ونظیرآں در سابق نیست، پس مزیّت این است یا بر منوالِ سابق بودن ؟

۱۳۶ ـــــــ واگر صاحبِ اختیار ومالکِ امر گوید کہ من فلانی منصب را از آنجا آغاز کردہ بر فلاں اکمل اختتام کنم، آیا ایں امر نزد اہلِ عرف بداہتہً کمال نیست! کہ ایں ملاحدہ در بدیہی تشکیک انداختہ اند، وگذشت کہ قولِ کسے خاتم المحدثین بمعنی خاتمِ کمالات من بین المحدثین نیست، بلکہ خاتمِ اشخاص۔ ومبنی بر مسامحت

عہ مفتی محمد عبد اللہ صاحب لدھیانوی در صـ۱۱ فتح بعض عبارات ایں ملحد دریں معنی نقل کردہ۔

و مجازند، کہ کلامِ ملکِ علّام ازاں پاک است۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم۔

۱۳۷ــــــ بالآخر مختصلِ آیتِ کریمہ بازاعادہ کردن مناسب است، کہ فہمِ مزایا و اعتباراتِ مناسبہ و لطائف و نکاتِ کلامِ معجز نظامِ ملکِ علّام براہلِ زماں خیلے دشوار افتادہ، بلکہ از طوقِ طاقت بشر دور۔ الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

۱۳۸ــــــ پس بداں کہ آیت کریمۂ ہذہ خطاب باہلِ جاہلیّت نیست، زیراکہ مدینہ است، و نہ بر موردِیِ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَالْاَبْتَرُ[1] کہ مکیّہ است و در ردّ اہلِ جاہلیّت آمدہ، البتّہ دراصلاحِ رسمے ــــــ از رسومِ عُرفیہ آمدہ کہ تبنّی را مفیدِ توریث می فہمیدند، و ایں عُرف دریں زمانہ ہم چیزے ہست، و نہ بوقتِ نزول کدام فرزند موجود بود، حضرتِ ابراہیمؑ ہنوز مولود نشدہ بودند۔ و دیگراں پیشتر گذشتہ بودند، پس از ابطالِ تبنّی کہ بایں لفظ بودے، کہ تبنّی ہیچ نیست و حکمے براں مرتب نہ، بسوئے اعم رفتند، کہ محمدؐ پدرِ کسے از مردانِ شما نیستند، و نہ برائے اجراء سلسلۂ ذرّیت پسری، و ابقاء ایں خاندان و اولاد ابنی، البتہ رسولِ خدا ہستند، و خاتمۂ انبیاؑ۔

۱۳۹ــــــ و در سلسلۂ کلام بسا افتد کہ از چیزے بسوئے چیزے دگر مناسبِ مُقام و یا از اخص بسوئے اعم روند، پس ایں آیت در خصوص

---

[1] الکوثر : ۳

تبنّی نماند، و در سلسلۂ توریث خاندانی رسیده، خصوص مسألۂ قصۂ نزولِ شانِ آں در وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَ کُمْ اَبْنَاءَ کُمْ[1] و در یکی لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْ اَزْوَاجِ اَدْعِیَاءِ هِمْ[2] تمام شد، سپس کلام بسوئے توریث کشید، چنانکہ از ابن عباسؓ از معالم التنزیل گذشت۔ البتہ دو جزء مراد داشت یکے علاقۂ پدری و پسری، بدل آں رسالت نہادند۔ دوم توریث، بدلِ آں ختم نہادند، پس این است وجہ دوکلمہ۔

۱۴۰۔ـــــــ و معلوم است کہ در بقاء خاندانِ پسری و ابقاءِ سلسلۂ نبوت در ایشاں کدام تلازم شرعی و یا عقلی نیست، لیکن اہلِ عُرف و مُحبّانِ صادق می خواہند کہ در خاندان سلسلۂ توریث باقی ماند و دریں حال مخطور بود کہ شاید کدام سلسلہ از نبوت و یا خلافت و ولایت عہد و یا توریثِ مال و مانند آں در خاندان ماند اگرچہ لزوم ہیچ گونہ نبود، لیکن تناسب داشت، و بسا کہ متمنّیٔ مُحبّان مخطورِ اذہان می باشد۔ چنانکہ در علم ہم توریثِ خاندانی لازم نیست، ولیکن اگر در خاندان باقی ماند آنرا علم خاندانی می گویند و مناسب دارند۔ دریں منوال است: یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ[3] و عنوانِ آلِ ابراہیم و آلِ یعقوب و آلِ عمران و آلِ یاسین و آلِ داوٗد بر ہمیں ملاحظہ آمدہ۔ در موضع از سورۂ اعراف چیزے از منصبِ خلافت و امامت و بودنِ امامت در خاندانِ ہارون ؑ ذکر کردہ۔ و ہمچنیں وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ[4] و در معالم آوردہ وروی عن عطاء ان اللہ لما حکم ان لا نبی

---

[1] الاحزاب: ۴ [2] الاحزاب: ۳۷ [3] مریم: ۶ [4] النمل: ۱۶

۴۲

بعده لم يعط ولدا ذكرا يصير رجلا۔

۱۴۱۔۔۔۔۔ پس فرمودند کہ محمد کہ دراذہانِ خطور تواند بود کہ برائے اجرا خاندانِ پسری ہستند و ابقاء توریث کدام گونہ، ایں گونہ نخواہد بود۔ در تقدیر ما برائے ختمِ سلسلۂ نبوت اند۔ پس سلسلۂ ولایتِ عہد در خاندانِ پسری نخواہد ماند، و بالاولیٰ سلسلۂ نبوت ہم نخواہد ماند۔ و گذشت کہ سلسلۂ توریثِ نبوت بالاستفادہ ازیں نظم بالاَولیٰ منفی خواہد شد۔ بہ نسبت نبوتِ بلاواسطہ، زیرا کہ الوت در صورتِ اَولیٰ اَدخل است۔

۱۴۲۔۔۔۔۔ حاصل آں کہ محمد برائے اجراً نیست، بلکہ برائے ختم۔ و مبنیٰ نظمِ آیت بر لزوم نیست، بلکہ بر تناسب و وقوع۔ آں ہم بقدر محظور بودنِ اذہان اگرچہ از مسلمین باشد، ونہ در محطِ کلام ضروری است کہ در مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ از اوّلِ امر اجراءِ سلسلۂ نبوت را محط گردانیم، بلکہ بطریقِ اَولیٰ بنفی دگر سلسلہائے مُناسِب منفی شد، و ختمِ کلام کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ است متضمنِ اشارۂ خصوصی بسوئے ارادۂ آں در صدرِ کلام شد۔

كما قال التفتازاني فان قلت اذا تحقق تنافي الوصفين في قصر القلب فاثبات احدهما يكون مشعراً بانتفاء الغير فما فائدة نفي الغير واثبات المذكور بطريق الحصر؟ قلت الفائدة فيه التنبيه على ردّ الخطاء، اذ المخاطب اعتقد العكس، فان قولنا زيد قائم وان دل على نفي القعود، لكنه خالٍ عن الدلالة ع

علیٰ ان المخاطب اعتقد انہ قاعد اھ[1]

و بہمیں سبب در اجتماعِ نفی باسائر طرق قصر تفصیل پیدا شدہ۔

۱۴۳ــــــــ و اگر گفتہ آید کہ 'لاکن' برائے تلافی مافات بصورتے دگری باشد، آں ہم دریںجا مُوَفّر است، کہ در بدلِ علاقہ ادنیٰ علاقۂ اعلیٰ نہادہ و انتقال از نوع بسوئے جنس و یا جنس الاجناس مفوض بسوئے مقام است، چنانکہ در استثناءِ مفرّغ تقریر کردہ اند، بالجملہ جمع ایں دو جملہ۔ مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ برائے اداءِ ہمیں مرام است کہ گذشت، ورنہ اداءِ ایں مسائل جداگانہ ہم می تواں شد۔

ایں است خلاصۂ مرادِ آیتِ کریمہ کہ عمرہا می گذرد و تجلی ندہد سے

زحمت ہر کسے ہر دم حدیثے دیگر آغازد

زحمت گر جلوہ سازد نماند ایں حکایتہا

# خاتمہ

۱۴۴ــــــــ باید دانست کہ طریقۂ حق طلبی و حق پسندی و حق نیوشی ایں است کہ قیودِ کلامِ معجز نظام را ہم از کلامِ ملکِ علّام باید گرفت، بلکہ در کلامِ ہر یک متکلّمِ حاضر حواس ہمیں طریقہ است، و از جانبِ خود تقیید باو تقییہا باتباعِ ہوٰی و اغراضِ نفس پیدا کردن، سپس تمزیق و تفریقِ کلامِ معجز براں بناءِ الحاد و زندقہ است، پس چوں حق تعالےٰ یکبار نفی

---

[1] مختصر المعانی، ص ۱۹۰ بحث تعریف بالحصر

فرمود کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، پس شیوۂ ایمان این است کہ ہمگی تعلّل وتمحل را گذاشتہ آں حضرتؐ را خاتم ہمہ نبیّین یقین کنیم، وبایں ایمان آوریم کہ درہمیں عقیدہ ایں آیت آمدہ، وچوں حضرتِ حق در ہیچ جا تعمیم و تقیید نفرمودہ مارا حق نیست کہ بہ شبہاتِ زیغ والحاد از عموم واطلاقِ آیت بدر رویم، کہ مقابلۂ نصّ با قیاس اوّلاً ابلیس کردہ، سپس اجماع بلا فصل بریں عقیدہ منعقد شد، واز عصرِ نبوّت تا ایں وقت ہمیں استمرار واستقرار ماند، پس ایں عقیدہ قطعی الثبوت، وایں آیت در اثباتِ آں قطعی الدلالت ماند۔

۱۴۵ــــــــ وآنچہ ایں ملحد واذنابِ وے در خلاف می کوشند ہمگی مغالطہ ہائے فضیحت ہستند، وبار ہا در مناظرہ ہا مفحم وذلیل ورسوا شدہ ہدایت نگرفتند، ومشاہرہ ہا از انجمنِ خود گرفتہ در بدلِ ایمان کفر خریدہ ماندند۔ طریقۂ ایشاں این است کہ محکمات را بہ شبہات ومتشابہات مکدر می کنند و در فتہ رفتہ از ایمان بدر آرند۔ ہیچ دلیلے سمعی یا عقلی مسکۂ ایشان نیست، الا شبہاتِ الحاد۔ چنانکہ بعضے از آنہا دیدی وشنیدی کہ زیادہ از زندقہ نیستند، وبر ہمہ آں شبہات ایں نصّ حاکم وحاوی شدہ۔

۱۴۶ــــــــ مانندِ آنکہ تعلّل در آیۂ اعراف يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ الاٰیۃ[1] می کنند کہ استقبال باعتبارِ نزول است، نبوت جاری است۔ حال آں کہ دریں آیت کرام قیدِ اتباعِ خاتم الانبیاء نیست، کہ

---

[1] الاعراف ۳۵،

"

در نصِ ختم ایجاد کرده بودند۔ معہٰذا ایں شبہہ از غایتِ غباوت و الحاد ناشی است۔ حق تعالیٰ قصۂ آدم بیان فرمودہ و درمیان کدام جملۂ قُل دربارۂ آن امور، کہ درما بعد ہم بوقوع آیند، خاتم الانبیاء را خطاب فرمودہ، و بر کدام فائدۂ ضمنی ارشاد و تنبیہ کردہ، کہ باز حاجتِ استینافِ کلام و از سر گرفتن پیش نیاید، و دست بدست انجاز شود، و چہار بار بعنوان یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ ارشاد کردہ، کہ ہمگی ازاں عہد است۔ و استیناف باعادۂ خطاب اوّل۔ و استقبال ہم باعتبار آں عہد است۔ سپس قصۂ نوحؑ و ہودؑ و صالحؑ سرد فرمودہ، و ما بعد خاتم الانبیاءؐ آیتِ رُسل را نہادن مُعارَضہ با حضرت حق است، کہ یک بار مرادِ خود بنصِ ختم آموختہ بود۔ و در ابتداء بقرہ ہم قریب بایں نظم ارشاد شدہ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى الآیۃ[1] و نیز در طٰہٰ[2] بحق آدمؑ و ابتداءِ آفرینش استقبال مناسب بود، ہمچنیں آوردند۔ بحقِ خاتم الانبیاءؐ اتصال بقیامت ذکر فرمودہ و درمیان کدام دگر استثنے نہادہ، ہمیں واقع بود، و ہمیں گرنہ نظم آیات۔

باز حق تعالےٰ را ایں ہم می رسد کہ در لاحق خطاب از سابق گیرد، چوں حکم مناسب ایں صنیع باشد، ذہن ہیچ کس از امت دریں آیات بسوئے کدام توہم نرفتہ، و نہ دریں ہا کدام رائحہ ازاں۔ ایں ملحد را دعوئ نبوت بتعلیم شیطان جداگانہ کردنی بود، بعد ازاں ایں الحاد ہا سگالیدہ، و

[1] البقرہ: ۳۸ [2] طٰہٰ: ۱۲۳

اَذناب وے از علم و فہم و عمل و نیّت ہمگی عاری اند، الّا از کفر و عناد، و عداوتِ حق و اہلِ حق، و شر و فساد۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ۔

۱۴۷ــــــ و مانندِ آنکہ در وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[۱] الحاد کنند، حال آں کہ مراد واضح است، کہ کدام جزء نعمت نگذاشتم کہ شمار اعنایت نکردم، و ایں منافیِ ماندنِ کدام جزء جدید است کہ ہنوز نداده باشند، نہ بقاءِ آں نعمت راکہ داده اند۔ برخلافِ خاتم النبیین کہ خاتمِ اشخاص فرموده اند، و ایں منافیِ آمدنِ کدام شخصِ دگر است، ہماں خاتم الانبیاءُ ہستند، کہ دوره شاں باقی است، و چنانکہ در حیاتِ او شاں نبیئے دگر نبود در ما بعد ہم نیست، و چنانکہ گفتہ آید کہ بر فلاں کس اجزاءِ سلطنت اتمام کردیم، ایں مضمونے است مکشوف المراد۔ و اگر گوئیم کہ فلاں کس را خاتمِ سلاطین گردانیدیم ایں مضمونے دگر است کہ بجائے خود مکشوف المعنی است۔

اجزائے شئے چیزے است، و عمرِ شئے چیزے دگر۔ با تمامِ اجزاء عمرِ وے تمام نگردید، بلکہ ناقص نماند، و بختمِ اشخاص عمر ختم شد و سلسلہ باقی نماند، و آں کار گذاشت۔ و چوں کسے کار گذارد با وے چہ معارضہ ؟ و تحریفِ مرادِ وے چگونہ ؟

۱۴۸ــــــ غرض آنکہ ختمِ نبوت یک بار آموختہ عقیدهٔ مستمره باید فہمید، و مفروغ عنہ۔ سپس ہر چیزے کہ از ذخیرهٔ سمع و نقل پیش آید موافقِ وے شرح و تفسیر باید کرد، زیرا کہ از ضروریاتِ دین است۔ یعنی از آں امور کہ بہ

---

[۱] المائدہ: ۳

تبلیغِ پیغمبرِ اسلام خاص و عام را رسیدہ ، و ایں گونہ امور در دین حقیقتِ متقررہ دارند ، کہ باظنّ کسے و تاویل دائر نیستند ، برخلافِ ظنّیات ۔ و اگر ہر چیز در دین دائر دارند پس دین را کدام حقیقتِ محصّلہ نیست ، و ایں ضرورت بتواترِ نقل و اشتہار و استفاضہ می باشد ۔ حکم ہرچہ باشد ، خواہ افتراض ، و خواہ استحباب و اباحت ۔ وگاہ قطعیت بقیامِ دلیلِ عقلی کہ مساعد نقل باشد ہم می خیزد ، لیکن لازمی نیست ، بلکہ چوں عقیدۂ در اُمّت طبقۂ بعد طبقۂ متواتر ماند ، و خلافے در اہلِ حل و عقد ظاہر نشد و متفق علیہ ماند ، پس آں قطعی است ۔ و تواتر گاہ باسناد ، گاہ بطبقہ و توارث ، وگاہ بقدرِ مشترک می باشد ۔ و ایں ہمہ تواتر است ، وہمیں است سبیل المؤمنین کہ قرآن فرمودہ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا [1]

۱۴۹ ــــــــ و من بعد مخفی مباد کہ اگر کسے گوید فلاں عمارت را ختم کردم ، ایں سخن از مشاہدۂ حال و ارادۂ خود ، کہ مالک وے است ، گفتہ است ۔ پس ایں مکشوف المراد است ، تحریفِ مرادِ وے کارِ صادقانِ راستان نیست ۔ برخلافِ آنکہ گفت کہ فلاں کس خاتم المحدثین است ، چہ چیزِ مشاہدہ کردہ گفت ؟ زیرا کہ علمِ غیب ندارد ، و نہ بر احوال احاطہ ۔ لا بد ایں سخن تخمین است و مجازفہ و مسامحہ ، برخلافِ علام الغیوب و مالک الملک ، پس ہمچو

---

[1] النسآء : ۱۱۵

تفاوتہا و تغایرِ احوالِ سخن از کجا تا کجا رود۔ و بسا کہ تعینِ مرادِ لفظ از انحصارِ آں لفظ درآں معنیٰ نباشد، بلکہ از احوال و اغراض و آثار و تکرار بدونِ خلاف۔ و مانند ایں در محاورات، و در محاوراتِ روز مرہ چرا ایں تباہی نیفتاد کہ فقط در نصوص رُو داد؟ در حالِ شمولِ توفیقِ ایزدی درکار است، و اگر در ہمچو امورِ واضحہ کسے فہم رسانداردو و باوجود ہمہ دانی در کفر و ایمان فرق نکند دست از وے بردار، کہ زمانہ زمانۂ تحریفِ غالین و انتحالِ مبطلین است چنانکہ در حدیث آمدہ[1]۔

۱۵۰ـــــــ از حالِ ایں مخذولاں چناں معلوم می شود کہ اگر حق تعالیٰ سوگند ہم می خورد کہ مرادِ من ایں است کہ من بعد ہیچ گونہ کدام نبی نخواہم فرستاد، گفتندے کہ ہاں ہاں لفظِ تو ہمیں است کہ گفتی، لیکن مرادِ تو ایں است کہ ایں سلسلہ را جاری داری بفلاں طریق۔ و اگر فرمودے کہ آں ہم نہ، گفتندے کہ ظاہر چنیں است و در باطن تو چناں۔ و ھلم جرّا۔ و ہمانند ایں تلقی المخاطب بالا یترقب حق تعالیٰ از اداءِ کدام حقیقت مجبور خواہد ماند، و راہِ اداءِ کدام مطلب مسدود۔ و اگر کسے قرآن مجید را گوید کہ ایں آخریں کتاب الٰہی است، و مرادِ وے ہمیں باشد کہ آخریت حقیقی است، لیکن در دست وے ذریعۂ اداءِ ایں مراد ہیچ گونہ نیست۔ واللّٰہ ولی التوفیق

۱۵۱ـــــــ و اکنوں حکمتِ ختمِ نبوت و سربمہر کردنِ آں می باید فہمید، معلوم باد کہ ایں حقیقتے را مالکِ الملک و صاحبِ اختیار از عہدِ آدمؑ شروع کردہ،

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۶ اخرجہ البیہقی فی کتاب المدخل مرسلاً عن ابراہیم بن عبد الرحمٰن العذری

کہ آغاز بنی آدم است ، برخاتم الانبیاء محمد رسول اللہؐ - کہ برخاتمۂ دنیا ہستند تمام فرمودہ ، و اعلانِ اکمالِ دین وختمِ نبوت نمودہ ، و مقصودِ ایں ختم ، چنانکہ ابن کثیرؒ باین معنی رسیدہ ، ہمیں است کہ من بعد کسے ملحد و زندیق و دجال و کذاب درمیان نخلد ، و یا از مختوم چیزسے نہ بر آرد ، و تا آں کہ امت بریں عقیدہ ماند مشمول رحمت ماند ، و چوں انحراف کند موجبِ تفریق و تمزیق گردد ، و ہیچ فرق در تشریع و غیر تشریع نیست ، زیرا کہ چوں اضافہ در ایمانیات ممکن بودے در اعمال چہ دشوار است ؟ پس اگر دگر پیغمبران آیند و تکفیرِ منکران کنند ایں اختلافِ رحمت نیست ، بلکہ اندراں استیصالِ بیضۂ امتِ مرحومہ و ابطالِ خیر و برکتِ او شاں ، و اعدامِ اصلاح و فلاح و نجاحِ ایماں ، و فتحِ بابِ تکفیرِ یک دگر ، و سدِ بابِ اتفاق و ایتلاف است ؛ و معارضہ و مناقضۂ مقصدِ الٰہی است ، کہ بعد ازیں کدام دجالے درمیاں نخلد ؎

ارِوحُ وقد ختمت علی فؤادی
بحبّک ان یحلّ بہ سواکا

و بہمیں سبب اعلانِ ختم فرمودہ کہ عرقِ دجل و زندقہ قطع کند ، و امت تمزیق و تقطیعِ ایمان نکند ، و در ہرج و مرج و حرب و ضرب و سفک و فتک و شقاق و نفاق نیفتند ، و موجبِ فساد فی الارض و فتنۂ طول و عرض نگردد ۔

۱۵۱ ـــــــ پس ایں حکمتِ باہرہ را با وسوسۂ ایں شقی کہ نبوت نبی ساز باید بود بسنج ، و انصاف دہ کہ تحقیقت رحمت بحقِ امتِ مرحومہ ایں اعلانِ

بود، کہ از الحاد وعبادت آں را نفہمید، کہ تکفیرِ منکراں باوجود ایمانِ کامل برخاتم الانبیا
اِعدامِ رحمت بحقِ اوشاں می کند، پس عددِ آں اشقیاء کہ اوشاں را انبیاءؑ
آفرید، وعدد مجاہیر را بسنج کہ چہ موازنہ است ؛ رحمتے کہ بحقِ اُمّت نزاں
گفت ایں است کہ بیک دین وایمان، ویک کتاب ونبی، وہدایتِ
متحدہ وملّتِ واحدہ، ویک سبیل المؤمنین، ویک راہ روند کہ در سابقین
مقدّر نبودہ۔ ابن کثیرؒ ہمیں معنی را فہمیدہ می گوید و ھٰذا من شرفہ
صلّی اللہ علیہ وسلّم انہ خاتم النبیین و انہ مبعوث
الی الخلق کافۃ ۔ وختمِ نبوت را بر ذاتِ گرامی شرف قرار دادہ،
وگذشت کہ ایں بدیہی است، وتشکیکِ ایں مخذولان تشکیک در بدیہیات
است، وطبرانی از ابومالک اشعری روایت کردہ اِنَّ اللّٰہَ بَدَأَ ھٰذَا
الْاَمْرَ نُبُوَّۃً وَّ رَحْمَۃً وَّکَائِنًا خِلَافَۃً وَّ رَحْمَۃً۔
وفی الحقیقت در رحمت خیرِ عام مقصود می باشد کہ در جنبِ وے تکمیلِ
چند کس معدود وزنے ندارد، وچوں سخن بر موازنۂ رحمت رسید ایں نکتہ
را باید سنجید۔

۱۵۴ ——— باقی ماند معاملۂ نزولِ عیسیٰؑ، پس از ایمانیاتِ سابقہ است،
نہ امرے مزید۔ ومقصود بالذّات ہدایتِ عامّہ وتربیتِ کافّہ است،
وبعثتِ ارسالِ رُسل مقصود بالعرض، ومعلوم است کہ بوقتِ تجاذبِ جوانب
وتعارُضِ مصالح رعایتِ الارفق فالارفق وخیرِ نسبی از میانِ امور می کنند،
(واللہ الموفق)

۵۴۔۔۔۔۔۔۔ و بناء آیاتِ قرآنِ حکیم و مطمحِ نظرِ کلماتِ تنزیل و محطِ فائدۂ آنہا و مُسقطِ اشارۂ ہمگی ہمیں است کہ بعد قرآن کتابے و وحیے و خطابے کہ با و ایمان باقی و واجب باشد موجود نیست، آں وحی راکہ مخصوص با نبیا است در ما بعد ننہادہ، و بطورِ مفہوم، کہ از انواع دلالت است، نفی فرمودہ، چنانکہ فرمودہ، وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔[1] لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[2]۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ[3] وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ[4] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ[5] كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[6]

و ایں نوعِ استدلال در فتوحات آوردہ، کہ ایں ملحداں بقاءِ نبوت برایشاں افتراء کردہ اند، و شیخ در وصل من الباب الثالث والسبعین السؤال التاسع عشر تصریح فرمودکہ مرادِ شان از نبوت معنیٔ لغوی است، نہ اصطلاح شرعی۔

---

[1] البقرہ: ۴ [2] النساء: ۱۶۲ [3] النساء: ۱۳۶ [4] الزمر: ۶۵ [5] النساء: ۶۰ [6] الشوریٰ: ۳

۱۵۵۔۔۔۔ پس معلوم باد کہ ایں نبوّت من غیر تشریع، کہ عبارت از فیوض و کمالات و ولایت و مبشرات است، نزدِ شیخ از اجزاءِ نبوت است، نہ از اقسام نبوت ۔۔۔ و ہمچنیں نبوتِ تشریع از اجزاءِ آں کُل تا آنکہ ہمہ اجزاء متحقق نباشد صادق نیست، نہ مانند مَقسم کلی کہ بر اقسام صادق باشد کہ ایں ملحداں فہمیدہ اند، و شیخ تصریحات بایں معنی فرمودہ فی الجملہ نزدِ اوشاں جزء باقی است، کہ مصداق کُل نباشد، نہ کدام جزئی، و یا کدام قسمِ نبوّت۔

۱۵۶۔۔۔۔ و نوعے دگر از آیات کہ دراں وحدتِ ایں امّت تا آخر فرمودہ، اند کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ[1] وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا[2] فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا[3]

۱۵۷۔۔۔۔ و نوعے دگر در نحوِ آیات وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ[4] وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ الآیۃ[5] وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ الآیۃ[6] آمدہ۔ و بطور طرد و عکس اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ[7]

۱۵۸۔۔۔۔ و معلوم است کہ اگر من بعد کدام قسمِ نبوّت مقدّر بودے

---

[1] آل عمران: ۱۱۰ [2] البقرہ: ۱۴۳ [3] النساء: ۴۱

[4] الانبیاء: ۲۵ [5] الحج: ۵۲ [6] الفرقان: ۲۰ [7] الاعراف: ۳

و بانکارِ اوشاں تکفیر رفتے ہر آئینہ وصیت بودے کہ من بعد انبیا خواہند آمد مباداکہ آں وقت ہلاک شوید از ذکرِ سابقین ذکرِ لاحقین اہم بود، کہ بر سابقین ایمانِ اجمالی کافی است، ہرچہ کہ تعداد باشد، بر خلافِ لاحقین کہ باوشاں معاملۂ ایمان در پیش است، وازیں ہم چہ کم کہ قیدِ من قبلِ را فرو گذاشتندے، کہ بے موقع و موجب مغالطہ است، و عدوِ ایں نوع آیات بسیار از بسیار است، اجمالاً از مفتاح کنوز القرآن باید دید کہ یکے ازیں آیت ہا در مقابلۂ ایہام فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم[1] الآیۃ، کہ تراشیدہ اند، کافی است، و عددِ زائد برائے اہلِ حق و اہلِ ایمان فاضل ماند، واللہ المستعان۔

۱۵۹ ـــــ پس ایں قدر آیاتِ بیّنات کہ مبنی بر ختام و مُنبیٔ ازیں مرام ہستند، کہ ناظرین عدو آنہا تا یک صدر سانیدہ اند، نازل کردن، و ایماءے و التفاتے بسوئے ما بعد نکردن از مطلعِ نظرِ الٰہی خبر می دہد، کہ من بعد نبوت بہیچ قسم باقی نیست، و نبوت و وحیِ مختص بآں من بعد در قرآن گم وناپید است، ورنہ ایں طریقِ ہدایت و ارشادِ عباد نیست ؎

ولم ارفی عیوب الناس طرّاً
کنقص القادرین علی التمام

۱۶۰ ـــــ وہمچنیں در ذخیرۂ احادیث، کہ زائد از دو صد در ختم نبوت آمدہ اند، وعلیٰ رؤس المنائر و المنابر و علی اعین الناس در رؤس

---

[1] النساء: ۶۹

الاشهاد شنوانیده شده. ایماتے واشاراتے نہ. و بعض آنہا در انقطاعِ نبوّت علی الاطلاق، و بعض در انقطاعِ خصوصِ غیر تشریعی، مانندِ حدیث بخاری ومسلم واحمد وغیرہم، از ابی ہریرہؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنوا اسرائیل تسوسھم الانبیاء، کلما ھلک نبیٌّ خلفہ نبیٌّ، وانہ لا نبیّ بعدی، وسیکون خلفاً فیکثرون، قالوا فما تأمرنا؟ قال فوابیعۃ الاول فالاول، اعطوھم حقھم، فان اللہ سائلھم عما استرعاھم[1]

واین انبیاء که سیاستِ بنی اسرائیل می کردند بر شریعتِ توراۃ بودند، شریعتے دگر نداشتند، و دریں حدیث بعد تصریحِ انقطاعِ نبوّت آں امر را ہم ذکر فرمود که بدلِ نبوت باقی ماند، وآں خلافت است، نہ کدام قسمے از نبوت.

۱۶۱ ـــــــــ وگذشت که نبوّت استخلاف است، ولہٰذا در نشأ نبوہ، نہ برائے تکمیلِ ذواتِ انبیاء، که آں جزٔ ایست مندرج تحت نبوت و ساری و متعدی. پس کمالات که بطورِ تسبیب متعدی نہادہ اند، اکنوں ہم متعدی اند، و سابقہ نیز. برخلافِ استخلاف و اختصاصات و تشریف که مقتصر بر موہبت ہستند، و نفی ایں حقیقت اعتقادِ ایجاب بالذات و بالطبع است، که از سر مخالفِ دینِ سماوی است.

۱۶۲ ـــــــــ پس اثارۂ شبہات، مانند اینکه درمیانِ مسیح ابن مریم وایں دین بیگانگی و اجنبیت نہادن، و تفریقِ مسیح ناصری و مسیح محمدی پیدا کردن،

[1] مشکوٰۃ ص ۳۲۰

وا اینکہ طولِ حیاتِ وے و رفعِ وے موجبِ فضیلتِ وے بر خاتم الانبیاءؐ است ، و غیرتِ ما ایں را قبول نکند ، ہمہ از تعلیمِ شیطان است ، کہ در سینۂ مخذولان مربّع نشستہ القاء می کند ، و ایشاں بہ ایچو شبہات البہاں را ایمان بدر آرند ، و نہ ایں امور نہ موجبِ فضیلت اند ، و نہ باخدا منازعت در اختیار ست

تبارک من اجری الامور بحکمۃ کما شاء لا ظلماً اراد و لا ھضما
فما لک شئ غیر ما اللہ شاءہ فان شئت طب نفسا وان شئت مت کظما

۱۶۳ ـــــــ پس باید فہمید کہ آخریت و خاتمیتِ کسے اگرچہ بوجوہ تواند بود ، مانند آنکہ مردم در قصرے پس و پیش جمع شوند ، پس آنکہ در آخر ہمہ رسید باعتبارِ آمدن از ہمہ آیندگان آخر است اگرچہ باعتبار بر آمدن اول ماند چناں کہ در نحن الآخرون السابقون[1] اشارت رفتہ ، و آں مہر کہ بر ملفوف زنند ہم چنیں است کہ در وضع مؤخر است ، و در فتح مقدم ۔ و بسوئے ہمیں حضرت عیسیٰؑ در حدیثِ مسندِ طیالسی[2] بحق خاتم الانبیاءؐ اشارت فرمودہ اند ، کہ بابِ شفاعت را از ایشاں فتح کنید ۔

۱۶۴ ـــــــ و از حدیثِ شفاعت و احالۂ انبیاءؑ بر خاتم الانبیاءؐ معلوم شد کہ منتہیٰ کمال باعتبارِ زماں ہم مؤخر بودن علامتے است در سنتِ الٰہیہ بر منتہیٰ بودنِ وے ، و ہمیں امر مرعی است در خاتم الانبیاءؐ کہ در ضمنِ واقعاتِ شدہ شدہ تو قف بر ذاتِ گرامی او شاں پدید آمد ، و ختمِ زمانی صورت و پیرایۂ ادا کنندۂ حقیقت

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ رضؓ ۔ مشکوٰۃ ص ۱۱۹ [2] ص ۳۵۲

دگر شد، کہ آن منتہیٰ بودن درکمال است، و ہمچنیں درصلوٰۃ لیلۃ الاسراء و امامتِ حضرتِ ایشانؐ۔

۱۶۵ــــــ پس نبوت نہ صیغۂ تولید است، چناں کہ ایں ملحدی سرایند بلکہ استخلاف وولایتِ عہد از ربّ العزت است، و در عقدِ خلافت و اخذِ بیعت اتمامِ مقصد است بر خاتم الخلفاء، و در تولید استخلاف معطل می ماند کہ منصبِ اعظم بود و اختصاصِ افخم۔ و در استخلاف اِحضارِ اہلِ حل و عقدِ سابق باشد، کہ تولید باعتبارِ متاخر باشد، و حق استخلاف آنکہ می گویند استخلفت فلانا علیھم، و ہمیں امر در کریمۂ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ[1] الآیۃ ظاہر شدہ، کہ بوقتِ تحویلِ سلسلۂ بنی اسرائیل بسوئے بنی اسمٰعیل بکار آمد۔

۱۶۶ــــــ و آں مُصدِق از بیرون آمد نہ از میانِ ایشاں، و ہمین است حرف زارۃ نابی متقرنخ میتخ کامونخ یاقیم لخ الوہخ الاو تشماعون۔ اے نبی من قریبك من اخیك كمثلك یقیم لك الھك الیہ تسمعون۔

واسکندرانی، کہ از اخبارِ یہود بود سپس مشرف باسلام شد، در بشارات بہ لفظ جلی یشماعل آوردہ کہ تصریحِ اسمٰعیل علیہ السّلام است۔ و اگرچہ عیسیٰؑ ہم سے فرمایند مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ[2] لیکن در ما نحن فیہ ہمہ نبیین را یک طرف نہادہ آں رسول آئندہ را می زند و مصدق ہمہ ما معھم می دارند، نہ کدام کتاب مخصوص۔ و ایں بر خاتم الانبیاء

---

[1] آلِ عمران : ۸۱
[2] الصف : ۶

صادق است۔ چنانکہ در بقرہ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ[1] وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ[2] و این عنوان اَدْعٰی است بسوئے ایمان بنسبت فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ[3] کہ حال کتاب است و امتّ باوشاں نیست۔ و ہم چنیں از انعام[4] ومعہذا بلفظِ عموم است، واز بقرہ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ[5] ـــــ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ[6] ـــــــــــــ واز نساء اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ[7] بعنوان ما مع۔ و از مائدہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ[8] بارادۂ عموم۔ و در حق عیسٰیؑ از مائدہ و صف آل عمران تقیید من التوراۃ، نہ من الکتاب۔ پس در عنوان ما مع و ما بین یدیہ من الکتاب ہم فرق است کہ مرعی بودہ۔

۱۶۷ ـــــ وہر گاہ در مثالِ مذکور، کہ اجتماع در قصر است، کسے از نشینندگان بیرون آمد و بازگشت، پس اگر باعتبارِ حرکاتِ ایاب می شمریم، گوئیم کہ آخرین ایاب این کس است، و چوں این ایاب در مقاصد معتدبہ نیست در احتفالِ مجالس، ہموں ایابِ اوّل را می شمارند، گویند کہ آخر آئندگان فلان است نہ این، و چوں گویند فلان خاتم النبیین است پس این باعتبارِ پیدائش و بعدیتِ اشخاص است، کہ چنانکہ مجلے در سابق ذکر کردہ شد، و کشکیک دریں امر

---

[1] البقرہ: ۸۹ [2] البقرہ: ۱۰۱ [3] البقرہ: ۹۷ [4] آیت ۹۲

[5] البقرہ: ۴۱ [6] البقرہ: ۹۱ [7] النساء: ۴۷ [8] المائدہ: ۴۸

تشکیک در بدیہیات است کہ قابلِ التفات نیست، وچوں سخن بر اشخاص رسید و تعددِ اوشاں بتمایزِ وجوہ واشکال است، نہ باعتبارے ذہنی ومنوی از استقلال و اتباع کہ در تمایزِ وجوہ لغو است، لاجرم آمدنِ شخصے زمانی آیت خاتم النبیین است، کہ شخصے دگر است، وکالبد وچہرۂ دگر دارد، وبہمیں اعتبار آیتِ ختم آمدہ، وتحریفِ ایں مراد زندقہ والحاد است، البتہ اعادہ کسے از سابقان کہ حضرت مسیح بن مریم اند، اعادہ است، کہ ہموں شخص است کہ بود، واعادۂ وے علامتِ ایں است کہ کسے دگر بعد خاتم در سلسلہ نماندہ، حاجتِ تکرار افتاد، ونہ خاتمیتِ خاتم مقتضی فناء سابقین است، چنانکہ لفظ آخر المہاجرین وآخر الاولاد مستلزم فناء سابقین نیست.

۱۶۸ـــــ پس تشکیک دریں امور تشکیک در امور بدیہیہ است، کہ باطل اینہا دیو رجیم بر ریشِ ابلہاں وبے ایماناں ریشخند می زند، قال فی الاصابۃ[1] "فوجب حمل النفی علیٰ انشاء النبوۃ لکل احد من الناس لا علیٰ وجود نبی قد نبیٔ قبل ذلک، واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔"

۱۶۹ـــــ بعد ازیں معلوم باد کہ علماء کلام را در تفسیرِ فضیلت بحث است، اکثرے بمعنی کثرتِ ثواب گرفتہ اند، وشاید ابن حزمؒ چیزے دگر فہمیدہ، کہ بودنِ ازواجِ مطہراتؓ را با آنحضرتؐ در یک منزل از جنت نقل کردہ تفریعے بروکردہ کہ جمہور علماء تسلیم نکنند، اشتراک در منزل چیزے است، واشتراک در منزلہ ومکانت چیزے دگر، وچوں ایں حقیقت فی نفسہا موجود ومقصودہ است الغاءِ وے واخلاء لفظ وے از نوعیتِ خود ہر آئینہ تحریف است، وہمچنیں

[1] الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ: ج ۱ ص ۲۵۰م ترجمۂ خضر علیہ السلام

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] حقیقتے برائے سہا است کہ حصولِ نبوت را نخواہد، و افرادِ وے از موضوعِ خود اعدام حقیقتے موجودہ و ثابتہ است، کہ بلا دلیل نوعے اتحاد است، و ہمچنیں رفع و نزول کہ بطباق مکشوف المراد اند، اخلاءِ آنہا از موضوع و نوعیتِ خود اتحاد است۔

۱۷۔ــــــ اگر سلطان را مدعو کنند خدم و حشم در منزل و مکان ہمراہ خواہند ماند، نہ در عزت و وجاہت و منزلہ و مکانت۔ پس اشتراک در منزل و ضیافت ہم حقیقت است کہ ساری و متعدی است، نہ وجاہت و منزلہ۔ و معیت را مراتبِ متنوعہ پیدا شدند، در کریمہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الاٰیۃ[2] ہمیں معیتِ متعدیہ ارادہ کردہ اند، و آں ہم مراتبِ کثیرہ داشتہ باشد، نہ وجاہتِ مختصہ۔ و کسے را با کسے داشتن و در علاقۂ وے شمردن عرض عریض دارد، و ایں معیت با اختصاصاتِ خاصہ ہم جمع تواں شد، پس چنانکہ امتیازِ سلطان در مثالِ مذکور با وجود معیتِ خدم و حشم محفوظ است، ہمچنیں حالِ فیوضِ نبوت کہ متعدی ہستند، و اصل نبوت کہ متعدی نیست، باید فہمید۔ تولیدِ نبوت در سابقین ہم نبودہ، بلکہ از جانبِ حضرتِ حق بعثت متعددین یا منقسم بر ازمان، و یا منقسم بر اقوام، و یا بحسبِ تقسیمِ وظائف و اعمال بودہ۔ و بعد خاتم الانبیاءؐ ایں امر مقدر نبود، و ہمہ کمالات و مکارمِ اخلاق و محاسنِ افعال در یک ذاتِ گرامی جمع کردہ اتمام کار کردند، پس آں چیزے کہ در پیشینیاں متعدی بود، اکنوں ہم متعدی است۔ و نبوت نہ آں وقت متعدی بود و نہ ایں وقت۔

---

[1] الفاتحۃ: ۶ [2] النساء: ۶۹

۱۷۱ ـــــــ وَ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الآیۃ[1]، و اتمامِ نعمت بوجودِ مسعود حضرت رسالت پناہی بسوئے اُمّت مجموع من حیث المجموع منسوب تواں بود، نہ بلحاظِ کلِ واحد واحد۔ ایں نکتہ را ہم یادداشتہ باشں، و از ہمیں کریمہ فاروقِ اعظمؓ اقتباس فرمودہ، رضیت باللہ ربّاً و بالاسلام دیناً و بالقرآن اماماً و بمحمدٍ رسولاً ؎

پیش از تو آمدند بسے انبیا مُوتو
گر آخر آمدی ہمہ را پیشوا توئی

---

[1] المائدہ: ۳

# سوالات در تفتیشِ مذہب و دینِ ایشاں و تضمینِ مکائد دعوت و عقائدِ ملّتِ ایں بدکیشاں

۱،۲ —

① دینِ شما چیست ؟ ② و طریقِ وصول آں بسوئے شما چہ ؟ تواتر و یا کدام دگر طریق ؟ ③ تعریفِ ایمان و کفر چیست ؟ ④ و دفعاتِ آں بطور معیار ؟ ⑤ زیادتیِ وحیِ کادیانی بقدر بست جز چہ حکم دارد ؟ ⑥ باوجود تصدیق دے وید را چہ احسان بر قرآن و چہ اختصاص باں ؟ ⑦ و باوجود محمدی بودن برزِ زرکشن وغیرہ بودن چگونہ ؟ ⑧ و بروز را در حاشیۂ تریاق القلوب "جنم" تعبیر کردہ، فرق در دے و در تناسخِ ہنود چیست ؟ بروز یعنی اوتار در عشرۂ کاملہ ص ۹۴ و کادیہ ص ۹۳ نیز گفتہ وانت منی بمنزلۃ بروزی در عشرہ ص ۸۴

۱،۳ — ⑨ حکمِ تواتر و منکرِ آں نزدِ شما چیست ؟ ⑩ و تواترِ قرآن چگونہ ؟ ⑪ و قطعیتِ مراد را نزدِ شما چہ ضابطہ ؟ ⑫ و کدام شے از دینِ محمدی دیا

---

ل سوواہ مرزا ص ۲ کان فی الہند نبیاً اسود اللون اسمہ کاھنا" تتمہ چشمہ معرفت ص ۱۰ ، فتح کادیان ص ۱۳ ، و حقیقۃ الوحی ص ۲۹ واقرب ازاں در ضرورۃ الامام ص ۲۱ "ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے ملنے ہیں۔ خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسانوں کا افترا نہیں۔ ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں" پیغام صلح تصنیف خود کادیانی ص ۲۳ قریب ہلاک دے از علم کلام مرزا ص ۹۸ و تاریخ مرزا ص ۳ ۔ منہ

از نصوص قطعی من حیث الثبوت والدلالت ہست یا نے ؟

۱۷۴ ——— (۱۳) مرزا دروغ ہم می گفت یا نہ ؟ واقرار مراقی بودن ہم کردہ است یا نے ؟ (۱۴) وکلام فحش ہم می کردیا نہ ؟ (۱۵) وقرآن حفظ داشت یا نہ ؟ (۱۶) وحج ہم کردیا نہ ؟ (۱۷) والہام واللہ یعصمک من الناس ہم شائع کردہ یا نے ؟

۱۷۵ ——— (۱۸) والہام انی مع الرسول اجیب اخطئ واصیب تاویل آں از اشد العذاب[1] کرحق وے است ، واصل ماخذ آں از قبیل باب سادس اظہار الحق۔ (۱۹) والہام نبوت خدا شائع کردہ است یا نہ ؟ مع ادعاء آنکہ دعاوی وے ہم حقیقت است شاعری نیست۔

۱۷۶ ——— (۲۰) دعوائی نبوت کردہ است یا نہ ؟ (۲۱) وہمچنیں دعوئی شریعت ؟ (۲۲) وتکفیر امت حاضرہ کردہ است یا نہ ؟ (۲۳) وہم چنیں توہین انبیاء ؟ (۲۴) وشفاء غیظ خود وتشفی صدر بر عیسیٰؑ بطور توہین تحقیقی و تعریضی کہ بر زبان دگراں نفث صدر خود کند۔

اخبار بدر مورخہ ۹ رمئی ۱۹۰۸ء از کادیانی نقل کند فرمایا ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ دنیا میں مشرک ہوگئے دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہش مند ہیں)

---

[1] صفحہ ۶۸۔

[2] (کوئی انسان نرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعوی کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرتؐ کی نبوت کو مانا) عجائبات مرزا صفحہ ۱۷۔ منہ

مرقع کادیانی ص۱۲ ۔ و ایں کلام بعد آں کہ اعتراض بر خدا است ، دلالت دارد بداں کہ نبوت نزد وے ہمیں مصلح قوم و مدبر بودن است لاغیر ، و ایں بحق دگران است ، در حق خود تعلّی بالا فدکہ ابلیس ہم شرمسار ماندہ باشد۔

اخبار بدر مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء ص۱ (یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھی۔ مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی۔) واز انجیل ہم قرار دادہ ، مع ہذا حضرت مسیح را مرتکب آں می گوید ، مرزائیت کی تردید ص ۹۵ و در ص ۱۰۳ "یسوع ؑ در حقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہوگیا تھا" ست بچن ص۱۷۱ کا حاشیہ۔

۶۷ ——— (۲۵) در زبانِ وحی تقدر بسط جزو ، در فہرست احادیث ، الامر اتی دی وسے ، و احادیث تفسیر بر وحی خود اسلام را کدام حقیقتِ مفصّل دار دیا استیصال کند ؟

۶۸ ——— (۲۶) وچہ فرق است درمیانِ آنکہ انکارِ الفاظ کند و یا انکارِ مدلولاتِ قطعیہ ؟ در نتیجہ چہ تفاوت است ؟ و درمیانِ شما و اہلِ قرآن چہ فرق است ! و درمیانِ اسماعیلیہ و دگر ملاحدہ دراصل اصول کدام تفاوت ؟ کہ ہمگی باطنی و حلولی بودہ اند (۲۷) و با وجود زبانِ وحی وسے درفہرست احادیث و تکفیر اُمت کدام چیز با اہلِ اسلام مشترک است ؟

۶۹ ——— (۲۸) مرزا سے بے ایمانی عرفی ہم می کرد یا نے ؟ مانند آنکہ پیشین گوئی محمدی بیگم تقدیرِ مبرم گفت ، وچوں ہمگی دروغ شد چہ بے ایمانی تراشید ؟ وہمچنیں در پیشین گوئی آتھم ، و تر قیتِ جوابِ قصیدۂ اعجازیہ خود بمقابلۂ

مولوی ثناء اللہ صاحب، وجواب تفسیر بمقابلۂ پیر صاحب گولڑہ، وحوادث معمولی را بر مخالفانِ خود معجزاتِ خویش گفت، ومانندِ خبرِ زلزلہ وطاعون بحق مسیح اخبار لغو گفت۔ وبحق خود معہود، ودرتو احادیث آں وقت کہ کلام تحریف حاضر نشد، وچوں تحریف مہیا گردید استدلال بہماں احادیث، و قاعدہا برائے رد دگراں تراشیدن وتخصیص خود از آنہا، ونقیض وضد آنہا، واستثناء شخصِ خود برائے نفس خود، چنانکہ در آخر حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ گویا ہمہ قوانین عقل ونقل وآدمیت واخلاق برائے دگراں ہستند، ومے اقتیار سلطانی دارد، وسائبہ وحام است۔ وبرائے دگراں فلسفہ وتعلیل، وبرائے خود اختصاص واصطفاء، وچوں فتح باب تسلیم مے کراند ہزار مثیل مسیح جائز بود، وچوں کار برمے کار رسید یک شخص مخصوص دیہے برآمد وہمگی یک گرہ از انبان سر برآورد۔

۱۸۰ـــــــ در مغالطۂ شہنشاہی وشاہی با آنکہ مغالطۂ فاحش است، زیرا کہ اگر بعد شہنشاہ است پس از اں سبب است کہ خود موجود نماند، وکار جاری داشتنی است، نہ ختم کردن۔ واگر در عہدِ شہنشاہ است پس اگر استمداد در اعمال است بسبب دستِ نارسا است۔ واگر کسے تقسیم سلطنت گوید تاہم از دستِ نارسا۔ ومع الفارق قیاسے رکیک با ما نحن فیہ۔ گاہے ملحد ہم می گفت (اگر آپؐ کے بعد بھی اُمت کے خلیفوں اور صلحاء پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا۔ جیسا کہ موسیٰ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا تو اس میں آپ کی ختم نبوت کی ہتک تھی) اخبار الحکم قادیان ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء صہ۹ کالم

از فتح مبین مفتی عبداللہ صاحب لدھیانوی صلا مع نقول دگرہم دریں معنی۔
پس نقیض ایں ایجاد کرد، معہذا در مدت دورۂ امت محمدی تا حال
جز نفس کا ذخود را در منصب نبوت جا ندہد۔

۱۸۱ ——— و واضح دیتین است کہ در سلسلۂ شہنشاہی و شاہی ہم شہنشاہ
امتیازات و خصائص و اختصاصات بارگاہِ خود بدگرے تجویز نکند، بلکہ
در محاکات دے سزا دہد۔ و درینجا نفس نبوت از اختصاصات است، پس
کلام دریں است، و در عدم تعدی آں اختصاصات و لزوم آنہا چہ وجہ لست!
زیرکہ لابد بعض اختصاصات و امتیازات موجود ہستند، واگر آنہا متعین شدند
ویا متعین نشدند ولیکن اعتقاد کردہ باشد، باز کلام تعدیۂ آنہا آید، وھلم جرا۔
پس آں اختصاصات چوں عقلاً و شرعاً موجود ہستند، چنانکہ در مقدمہ زادالمعاد
سطرے از انہا نگاشتہ، و اضافت رسول اللہ و نبی اللہ مانندِ اضافت بیت اللہ
است، پس آنہا را از نصوص و سمع جستن باشد یا ازا ہوائے آراء و از
جانب خود رجم بالغیب و رمی باللیل قابلِ اعتماد است ویا افادۂ مالک الملک و
صاحب اختیار۔ ؟

۱۸۲ ——— عبارت ملا علی قاری در آخر موضوعات و رذایل لَوْ عَاشَ إِبْرَاهِيْمُ
لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔ کہ مراد انقطاع نبوت تشریع است۔ معلوم باد کہ صوفیہ
نبوت را تشریعیہ نہادہ اند، گویا مراد از نبوت تشریعیہ نبوت شرعیہ، و نبوت
غیر تشریعیہ نبوت غیر شرعی است، و ایں اقرب بسوئے فہم عوام است۔
وحافظ ابن تیمیہ نسخ وصف نہ نسخ اصل مانندِ تقییدِ مطلق، و تخصیص

---

۱؎ اخرجہ: ابن ماجۃ ص ۱۰۸۔ من حدیث ابن عباس رض

عام، و بیانِ مجمل، و تشریعِ جزئی وظیفۂ انبیاء سابقین قرار دادہ، اگر علی قاری ازیں اصطلاح تقریرِ خود گرفتہ باشد امرے است کہ خلافِ اصطلاح مشہور است کہ نبوت غیر تشریعیہ اعنی انباء و مدار احکام نیست بل تعریفِ معارف واسرار و اطلاع برآں دادن۔

۱۸۳ ـــــ و ہمیں است محطِ قولِ شیخ جیلیؒ معاشر الانبیاء اوتیم الاسم واوتینا اللقب یعنی اسم بدونِ لحاظِ وصفِ خاص باشد، و منسلخ از تقیید، برخلافِ لقب کہ علَم عارض و طاری بلحاظ کدام وصف بود، گویا علاوہ از لحاظِ اطلاق و تقییدِ آں القاب زائل ہم می شدند، چنانکہ القابِ خلفاء عباسیہ بعد از عزل کہ کسے امیر المومنین نگفت، پس انبیاء اسم لازم و وہبی دادہ شدند، و مطلق۔ و اولیاء عارضی و مقید و مکسوب، کہ زائل ہم تواں شد۔ و اوتینا مالم تؤتوا۔ ای بقیۃ کہ از منصبِ انبیاء فرو بودہ نہ ارفع، دیا محض مغائر۔ وہمچنیں قولِ ایشاں خضنا بحرا لم یقف علی ساحلہ الانبیاء۔

۱۸۴ ـــــ صوفیہ نبوت بمعنی انباء را منقسم نہادہ شعبۂ انباء ولایت نیز تحت وے درج کردہ اند، و بسببِ وے شاید مانندِ حدیثِ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات[1] بر تقدیر استثناء غیر منقطع، و مانند جزء من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ[2] ویا چنانکہ در یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا[3] تقریر کردہ اند کہ مراد بارگاہ رحمانیت است۔[4]

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [2] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [3] مریم : ۸۵

[4] تصریحِ نبوتِ لغویہ بمعنی خبر دادن در فتوحات از وصل من الباب الثالث والسبعین السؤال التاسع عشر فرمودہ، ونیز فصلِ عزیری را از فصوص باید دید۔ منہ

۱۸۵ــــــ و مقتبا در آں کہ ملا علی قاریؒ ارادہ آں کردہ باشند کہ لازم ختمِ زمانی را دو جز ہستند۔ یکے آنکہ اِحداثِ نبوّتے نشود، و دگر آں کہ اگر از انبیاء سابقین کدام کس بالفرض باز آمدے مانندِ سفرِ کدام نبی در بلادِ غیر بودے، و متبع ایں شریعت بودے، چنانکہ در لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اِتِّبَاعِیْ ارشاد شدہ، کہ موجبِ اتباعِ وے امرے دگر نیست بل ہمیں کہ ایں دورہ دورۂ محمدی است، و ایں ہم مفروض و مقدّر است، نہ محقق و واقع۔ چنانکہ در مرقاۃ از فضائلِ علیؓ تقریر تام کردہ، پس یک جز مراد در موضوعات ذکر کردہ، و جزءِ دگر در مرقاۃ و شرحِ شفاء و شرحِ فقہ اکبر۔

۱۸۶ــــــ کلامِ وے در موضوعات در تصویرِ فرض است، کہ اگر حضرتِ ابراہیمؑ بالفرض زندہ ماندندے چگونہ نبی بودندے، و مانعِ زندگی اوشان ذکر نکرد، و آں در حقِ ایشاں نفسِ انقطاعِ نبوّت است، کہ آیۂ کریمہ اشارہ فرمودہ کہ بجائے ابوت نبوّت است، گویا مشیتِ الٰہیہ دربارۂ خاتم الانبیاءؐ بجائے ابوت نبوّت دائم نہاد، و چوں نبوّت من بعد مقدر نیست ابوت ہم نماند، و ہمیں فہمیدہ اند ابن ابی اوفیؓ در کتاب الادب صحیح بخاری[۲]

۱۸۷ــــــ گویا ملا علیؒ در صددِ ایں تقریر ہستند کہ اگر بالفرض حضرت ابراہیمؑ زندہ ماندہ نبی بودندے چگونہ بودندے، نہ اینکہ احداثِ نبوّتِ غیر تشریعیہ

---

[۱] مشکوٰۃ صـ۳۰ [۲] ص ۹۱۴ ج ۲

۱۰۰

تجویز کردند، باین دلیل انقطاعِ نُبوت تشریعیہ ذکر کردند، و بدلائلِ دگر انقطاعِ نُبوّتِ غیر تشریعیہ و اِحداثِ آں۔

۱۸۸ــــــ و مخفی نیست کہ حدیث دریں فرض ماضی را ذکر کردہ، نہ مستقبل را۔ و حال آنکہ نفیِ مستقبل پُر ضرور بود، وجش ہماں کہ در نظرِ شریعت بقاءِ وے در مستقبل نیست۔ پس لازم ختمِ نُبوت آں کہ اگر کسے ماضی آید تشریع ندارد، و در مستقبل محض آمدن ہم نہ، بقاءِ نُبوّت من غیر تشریع بحقِ ماضی است، و بحقِ مستقبل محض مفروض۔

۱۸۹ــــــ و صاحب مجمع البحار[1] گفتہ کہ دریں عنوان ملمح نظر و نقطۂ نگاہ صرف عیسیٰ علیہ السلام ہستند، و در روح المعانی[2] در اسناد ابو شیبہ واسطی ذکر کردہ کہ متفق علیہ ضعیف است، چنانکہ در فتح القدیر از آوردہ، باجملہ حدیث نیست۔ و بخیال می آید کہ شاید کدام صحابی رض از آیۃ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا[3] اقتباس کردہ و بس۔ پس آں کس کہ تصحیح ایں کردہ غلط کردہ۔

۱۹۰ــــــ حاصل کلام قاری[4] آنکہ انقطاعِ نبوتِ تشریع مراد است، و نُبوتِ غیر تشریعیہ بحقِ عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول حالتِ بقاء است نہ احداث، و بحقِ موسیٰ مقتدٰ و مفروض، و بحقِ حضرت ابراہیم رض ہم مفروض، لیکن در مانع بحق ہر دو فرق است، نہ اینکہ نبوتِ غیر تشریعی علی الاطلاق باقی است۔ بلکہ ایں عہدہ و ولایت منقطع شدہ، نہ اینکہ عہدہ باقی است، سرفراز کسے نشود،

---

[1] لعلہ اشارۃ الی ما فی تذکرۃ الموضوعات ص۸۸ [2] ص ۳۱ ج ۲ [3] مریم: ۴۱

مانند انقطاعِ اجتہاد۔ فی الجملہ او بجائے استثناء اشخاص باعیانہم عنوان
نہادہ، تا محض استثناء غیر مُوَجّہ نباشد، وآں عنوان در نیتِ وے
درسہ شخص منحصر است ۔ یکے محقق، و دو مفروض۔ وباز باہم در وجوہِ امتناع
متغائر، سپس نبوتِ تشریع را زیرِ عنوانِ انقطاع نہادہ، و نبوتِ غیر تشریعیہ
را زیرِ عنوانِ فرض کشیدہ، تا تصویرِ استلزام کردہ باشد۔ گویا در انقطاع
دو مرتبہ پیدا کردہ۔ و نباید گفت کہ ورا امکانِ عقلی مراتب نہادہ، زیرا کہ لفظ
منضبط نیست، وموہم است، بلکہ بر قسمے انقطاع اطلاق کردہ، و بر قسمے
فرض۔ زیرا کہ ایں فرض نزدِ وے روایت کردہ شدہ است، پس
وے خواست کہ دو مرتبۂ انقطاع را زیرِ یک عنوان فراگیرد، وچنانکہ ضبطِ
وہبی بودن نبوت و مصاحبِ ریاضت و کسب بودن عسیر است ۔ و
فی الواقع وہبی است، ولیکن سببے استحقاق نیست، و نہ ارادہ جزائی
ہم چنیں ضبطِ مراتبِ امکانِ عقلی عسیر است۔ واگر بر اصطلاحِ صوفیہ رفتہ
باشد ممکن است، چنانکہ در مرقاۃ از التحیات تحقیقِ ایشاں سر دادہ، و
اکثرے ایں عنوان از ایشاں سرزدہ تا علماءِ ظاہر رسیدہ، وچوں ایں روایت
فی الواقع ثابت نیست صواب آنکہ تفسیر بانقطاعِ نبوت علی الاطلاق کردہ
شود، کہ من بعد احداث نشود۔

۱۵۱———— ومعلوم باد کہ دریں جا دو مضمون ہستند، یکے آں کہ ایں عہدہ
منقطع شد، دوم آنکہ نبیِ امّیؐ خاتمِ اشخاصِ انبیاء ہستند، ایں ہر دو مضمون
در نصوص وارد شدہ، انقطاعِ عہدہ در نحو حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَ بَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ در جامع ترمذیؒ وغیرہ ، و این منافی آمدنِ کسے بر عُہدۂ نبوت است ، خواہ از سابقین باشد و یا لاحقین و حضرتِ عیسیٰؑ بروقتِ نزول اختیارات نبوّت ندارد. واما ختم اشخاص پس منافی آمدنِ کدام سابق نیست و این متبادر از خاتم النبیین است ، و برین است قول عائشہ صدیقہؓ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبیّ بعدہ[۱] یعنے تاکدام ملحد بر نفیِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام استدلال نکند۔

۱۹۲ــــــــ آمدنِ حضرتِ عیسیٰؑ نہ تجدید نبوت است ، ہماں ذات است کہ بود ، وہماں صفت کہ داشت ، البتہ حرکتِ ہبوط و نزول نو است ، مانند تردّدِ نبی در اشتغال و آمد و رفت در عرضِ عمرِ خود. آمدنِ وے علامتِ این است کہ سلسلۂ انبیاءؑ ختم شدہ است ، بوقتِ قتلِ دجال کہ منصبِ مسیح گرفتہ بود مسیح ہُدیٰ را آوروند کہ تکرار و اعادۂ شئے بعینہٖ است ، نہ ابتداء۔ این ملحد از نزولِ عیسیٰ از قسم افعال و خروج یاجوج و ماجوج از منتخب کنز العمال صہ۲/۵۶ لفظ اریت ابن مریم ، اه در کدام کتاب از حاشیہ نقل کردہ ، و بر ردّ یا فرو آوردہ ، وحدیث از نواس بن سمعانؓ است کہ مسلم برآوردہ[۲] در وے ہیچ مغالطہ نیست ، و سردِ قصہ تمام بصیغۂ استقبال منافی رؤیا است ، بلکہ اخبار بالغیب است۔

۱۹۳ــــــــ و نیز قول ملّا علی قاری فلا یناقض قولہ خاتم النبیین اذ المعنی انہ لا یأتی بعدہ نبی ینسخ ملّتہ ولم یکن من امّتہ اغلب

---

[۱] ص ۵۱ ج ۲۔ [۲] درِ منثور ص ۲۰۴ ج ۵ [۳] ص ۴۰۰ ج ۲۔

آنکہ قول وے اذ المعنی اہ معنیٔ حدیث می گوید، نہ معنیٔ آیت۔ زیرا کہ کلام دما قبل درحدیث کردہ، و ایں معنی از وے بر آوردہ، آیت بر چہاں معنیٔ است کہ اُمت فہمیدہ، البتہ معنے حدیث خفی بود کہ ذکر کرد۔ آیت کریمہ بسوئے فرض وغیرہ ایماء نکردہ، البتہ حدیث ازیں فرض آگاہ نید، پس محتاج بیانِ معنیٔ اوّلاً ہموں است، یا مرادِ مقام۔ و ایں عنوان ہم ناظر بسوئے عیسیٰ علیہ السلام است نہ عام۔ واللہ اعلم و علمہٗ احکم

۱۹۴ ——— (۲۹) وچوں بروزِ کرشن اوتار بود، و دید کلام حق دانست ہندو گفتنش سزا ہست یا نہ؟ وچرا محمدی باید گفتن نہ ہندو؟ و بحسبِ الہام وے چرا او رلیجے سنگہ ردر گوپال نگوئیم، و برہمن اوتار؟ کادیہ ص ۳۲۹ حقیقۃ الوحی ص ۸۵

۱۹۵ ——— (۳۰) واگر پنجاہ کرور قومے تکفیرِ طائفۃ کنند، و اوشاں باوجود اقلِّ قلیل بودن تکفیرِ ایں ہمہ جماہیر، آیا اوشاں ہر دو یک قوم ہستند؟ (بقول مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری تعداد ایشاں از اخبار ایشاں بہر دو طائفہ ۵۵ ہزار است)

۱۹۶ ——— (۳۱) آیا نبی در زمانۂ امتدادِ نبوّت و وحی مشرک ہم تواند بود؟ واگر در فہم معنیٔ وحیِ خود تا وقتِ موت در مغالطہ ماند در ادّعاء وحی چگونہ یقینِ اصابت است؟

۱۹۷ ——— (۳۲) مدتِ ادّعاءِ نبوّتِ مرزا خود وے چہ گفتہ، وآنکہ بحق وے الہام فخر رسل آوردہ یعنی ناخلف وے چہ گوید؟

۱۹۸ ——— (۴۳) معیارِ نبوّتِ مرزا او چہ نہادہ، واذنابِ وے چہ؟ دیا ہمیں کہ مشارکتِ انبیاء در ایرادات کافی است، یعنی دلیلِ نبوتِ وے ہمیں است کہ ایراداتے کہ بروے وارد اند بر دیگراں نیز وارد اند۔

۱۹۹ ——— (۴۴) بابی و بہائی کہ در دعواتے مہدویّت و نبوّت با مرزا شریک و در اکثر تعلیم شریک اند، بلکہ تعلیمِ مرزا مسروق از وشان است، چہ وجہ است کہ شما تصدیقِ اوشاں نمی کنید؟ با آنکہ تعلیماتِ اوشاں و تحریفات مماثل تعلیم و تحریف شما است۔

۲۰۰ ——— (۴۵) مرزا کہ در بعضِ کتبِ خود مانند براہین وغیرہ بعض عقائد موافق مسلمین گفتہ، و دراں کتب دعوٰی الہام وافر کردہ، سپس نقیضِ وے آوردہ، و کفر و شرک قرار دادہ، معیار فصل در حق و باطل از کدام وقت است؟ و مریدینِ وے را تمیز از کجا؟

۲۰۱ ——— (۴۶) مرزا می گوید فقیر در رنگِ جمالی آمدہ است، نہ در رنگ جلالی، ممکن است کہ باز مسیح در رنگ جلالی آید، و تمناے مولویاں تمام گردد۔ و اینکہ بہ تسلیم من مسیح کدام تفاوتِ عظیم افتادہ، ہماں دین است کہ بود۔ پس آں علوم و معارف چیستند کہ آوردہ است، کہ محققان ندانستہ اند، فہرستِ آں علوم باید داد، کہ نمودہ آید کہ اگر سخنے صحیح گفتہ محققان پیشتر گفتہ اند، و ایں دون ہمت سرقہ کردہ، والّا باطل ولغو است و کالای بد بریشِ خاوند۔

۲۰۲ ——— (۴۷) خیالاتِ وے در بروز اگر گاہے نا فہمیدہ دبآں نرسیدہ

چیزے گفتہ باشد، بالآخر راجع بسوئے تناسخ اند، کہ اصول بنیادی ہنود است، کما فی کتاب الہند للبیرونی[1] پس وے را ہندو چرا نگوئیم؟ تغییر پروز کادیہ ص ۱۰۹ از براہین۔

۲۰۳ ——— (۳۸) شمارا با جمہور اہلِ اسلام در کدام عقیدۂ اصولی اختلاف است؟ و حکم زکوٰۃ و حج چیست؟

۲۰۴ ——— (۳۹) الہاماتِ وے کہ الہام وعید ہستند، و مقول لہ مذکور نیست، بحقِ نفسِ وے چرا نگوئیم؟ چوں الہاماتِ وعد را بدیں صیغۂ خطاب ہم بحق خود دارد، بالخصوص چوں آں وعید بلفظِ خطاب باشد، و می گوید کہ فاسقان ہم موردِ اخبارِ غیب ہستند، و الہام مانند "پیٹ پھٹ گیا" از رسالۂ ترک ص ۸۸ (و خود مُردود ہیضہ) و عشرۂ کاملہ ص ۴۳، وسودا مرزا ص ۲۰ "کترین کا بیڑہ غرق ہوگیا"۔ "دشمن کا خواب وار نکلا"۔

۲۰۵ ——— (۴۰) خیالاتِ وے کہ آنہا را علوم و معارف نام نہادہ اکثر از جذباتِ یورپ و استبداداتِ عقلی و فلسفۂ مزاجی ذاتی و طبعی است، نہ مشابہ علومِ انبیاء، کہ اخبار بغیب بدوں تخمینِ عقل و قیاس می کنند۔ و ہر چہ در کشوفِ کونیات گفتہ اکثر غلط و دروغ برآمدہ، و اکثر الہاماتِ وے در تعلّی و مفاخرِ خود، پس او را فلسفی منش و کاہن و حزّاء چرا نگوئیم؟ چہ کہانت خلقی و جبلّی ہم باشد، چنانکہ ابن خلدون نوشتہ[1] و دیا مراتی کہ خود معترف است، و یا ملحد و زندیق کہ تدریج در مکنوناتِ ضمیرِ خود کرد، عشرہ ص ۲۵

---

[1] و من علوم الکہانۃ کہ یکون من الشیاطین یکون من نفوسہم ایضاً۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۸۸

ومنتظرِ وقت ماند، چنانکہ اوّلاً تفضیلِ خود بر بعض انبیاء، رسالہ ترک ص۱۵ "مسیح ابن مریم کے نام سے خاص طور پہ مجھے مخصوص کر کے وہ میرے پر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر نہیں کی گئی"۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۲، پس بر خاتم الانبیاءؐ تریاق القلوب ص ۱۰۳، مطبوع ۱۹۲۲ء و مشکلاتِ دعوت وے از رسالۂ ترک ص ۳۶۔

۲۰۶ ـــــ وگاہے خیالاتِ خود را براغراض مدسوسہ نمی نہد، بلکہ بطورِ سوانحِ وقت وبداء، چنانکہ در کادیہ ص ۱۰۷ از بدر ۱۹۰۳ء بعد زمانِ دعوائے خود کہ بقول ناخلف وے ۱۹۰۱ء است، بعد ترکِ قولِ شیخ اکبر انعکاسِ نبوت جاری داشتہ، نہ نبوت غیر تشریعیہ۔

۲۰۷ ـــــ معلوم باد کہ مدتے شریعت را ہماں فہمیدہ کہ جدیدہ باشد، چنانکہ علماء ہم می فہمند، و ایں معقول المعنٰی است، و دراں مدت تلقّفِ آیات و کلماتِ قرآن را شریعت ندانستہ، نفیِ شریعت از خود بدون قیدِ جدیدہ می کند۔ سپس شیطانش تعلیم کرد کہ نفسِ ایں تلقّف را شریعت گوید، و خود را صاحبِ شریعت نہد، چنانکہ چنیں کردہ ماند۔ و بعد القاءِ ایں وسوسہ محتاج بسوئے تقیید شد۔ واکنوں ایں ہم کافی نیست کہ نبوت غیر تشریعیہ باقی است، بلکہ تشریعیہ ہم باقی است لیکن نہ جدیدہ۔

۲۰۸ ـــــ پس مثلِ امثالِ ایں اند علوم و معارفِ وے کہ محض بداءِ وقتی است بدوں فہمیدنِ آغاز و انجام، مانندِ ہواجس و خواطر، کہ بناءِ تحدی و دعاوی بر آں داشتہ، و خلفِ ناخلف وے در "حقیقۃ النبوۃ" بعض عبارات

ایں ملحد نقل کردہ کہ در بہر نبوت بعض احکامِ نو بودن ضروری است (اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے) از اخبار الحکم قادیان جلد ۳ نمبر ۲۹۔ ۱۸۹۹ء۔ و دراں وقت منی نبوّت برائے خود دگرانجا می کرد، و ازیں ہم شگفت تر کہ خود انجامِ کلامِ خود نمی فہمد، بارے در عذر اطلاقِ نبی بر خودی گفت (اگر خدا تعالٰے سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کہ کس نام سے اسے پکارا جاتے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی لغت کی کسی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں) اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔

گویا عذر این است کہ جز نبی لفظے مناسب ایں معنٰی و دعوٰی وے نیست، ولفظ محدث ہم مطابق نیست۔ و بسابق بریں دعوٰئ محدّثیت بحکم خدا شائع کرد (نبوّت کا نہیں بلکہ محدّثیت کا دعوٰی ہے جو خدا تعالٰے کے حکم سے کیا گیا ہے) از عشرہ کاملہ بحوالہ ازالۃ الاوہام وغیرہ ص ۳۱، پس نفہمید کہ چوں دعوائے محدّثیت بحکم خدا گفتہ آمدم غیر مطابق چگونہ باشد؟ و تا حال در اطلاقِ نبی عذر و معاذیر وانمود، سپس ادعاءِ نبوت کاملہ حقیقیہ و تکفیر منکراں کرد۔

پس مقالاتِ عمر وے چناں نیست کہ کلامِ کدام مصنف ضابط است کہ توفیق جستہ آید، نہ ہمہ آں بر تدریج، چنانکہ ناخلفِ وے سراید، بلکہ بسبب کمیِ علم و سوانح وقت و بدایۂ امر خیال متہافت۔

۲۰۹ ـــــ و علی کل حال ادعاءِ نبوّت تامّہ کردہ و توبہ نمودہ، پس مرتد و

کا فراست ، و ہم چنیں ہر دو جماعتِ وے کہ یکے تقسیم بر تبدیلِ وارداتِ غیبیہ و تدریج می کند، و دگر وجہِ توفیق در تناقض و متعارض می جوید. ووے بتحقیقت مثلِ اعمیٰ سینہ زوراست ، کہ بوقتِ دویدن وقتی ہیچ نہ بیند، خواہ در مغاک افتد، ویا شکوخ خورد ، ویا صدمہ خوردہ سر شکند . وبرشوخِ تحریف نواز زبناء نہد وہیچ حقیقتے متعقلہ در ذہنِ وے نیست . ہرچہ پیش آید تا زمانے آں را می سراید و آسیا می گرداند ، وچوں چیزے دگر تراشید واژگونہ آسیا گردانید، و بسوئے تفاوت و تہافتِ سابق ولاحق بسا اینکہ ذہنش زود و نرسد ، و فروقِ عباراتِ خورد وکلاں بسا اینکہ نفہمد ونسنجد ، وگاہ در زمانِ لاحق ہم سخنِ سابق درمیان آرد ، گویا کہ تناقض وتہافت نیست۔

۲۱۰ـــــــــ اُذناب وے تا حال در اصلاحِ خبط وخلط وتہافت وتساقط وتعارض وتناقض وجہلِ بسیط ومرکبِ وے جانہا وایمانہا باختند، وفرقہا شدند، بل بتکفیر یکدگر کردہ ماندند، تاہم چیزے نتانستند، وتعلیم وذخیرۂ مصداق سہ

سگ بدریائے ہفتگانہ بشوے
چوں کہ ترشد پلید تر باشد

اُفتادہ (واللّٰہ غالب علی امرہ)

۲۱۱ـــــــــ وفی الحقیقت وے خود مرادِ سابقین نمی فہمد، و نہ مردی حقائقِ خود. واذناب در ہوۃ ہادیہ افتادہ اند. ووے در نقول وحوالہ جات مخالط

خوردہ و دادہ ، چنانکہ در حیاتِ عیسیٰؑ بسوئے امام مالکؒ ، و امام بخاریؒ، وحافظ ابن حزم وحافظ ابن تیمیہ نسبتِ اعتقادِ موت کردہ، و ہمگی خلاف واقع است ۔ وچوں بعراحِ نقول از کتبِ ایشاں اعتقادِ حیات نمودہ شد اذناب وے در مجالس مختفی می شوند، و میدان خالی دیدہ باز از الحاد و مغالطہ باز نیایند۔

۲۱۲ــــــــــ وے از مناسبتِ قرآن چنداں محروم بودہ کہ بغایتِ کثرت آیات را محرّف وغلط نقل می کند ، و مضمونہا بسوئے قرآن نسبت کند کہ را ئحۂ آنہا قرآن موجود نیست ، و بر مثلِ کتاب صحیح بخاری افتراء ھــذا خلیفۃ اللّٰہ المھدی نمودہ کہ موجبِ فضیحت است ، و بر معاصرینِ خود دانستہ افتراء ہا بستہ، و ہمہ ایں امور را ناظرین ثابت کردہ شائع کردند ۔ لیکن از نابِ وے راہیچگونہ ہدایت دست نداد ۔ ومن لَّمْ یجعل اللّٰہ لہ نورا فماله من نور۔

۲۱۳ــــــــــ آیاتِ کثیرہ را از قرآن در موتِ عیسیٰؑ می نہد ، کہ مساس ہم بموت حضرتِ ایشاں ندارند ، و از جہلِ تام و طامّ ندانستہ کہ احادیثِ نزول کہ در متنی خود بحال داشتہ از ہموں قرآن مستفاد اند و از کدام اجتہاد و یا اسرائیلیات پس ضرور است کہ در قرآن چیزے ازیں فرمودہ باشد ، و آں ملائمِ تعبیر نزول باشد ، نہ منافر ۔ پس موت ذکر نکردہ است ، زیرا کہ منافرتِ اسلوب لفظی ہم درمیانِ قرآن وحدیث نقیصۂ است عظیم ، و مغالطۂ فخیم حدیث و قرآن را نسبت شرح و متن باید بود ، و ایں از محالے ۔ و نہ اینکہ قرآن موت اعلان کند ، وحدیث رجوع ، کہ بدونِ بیانِ مراد مناقض صنیعِ قرآن شدے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمْ

الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ[1]

۲۱۴ــــــــ حدیث را لازم است کہ اتباعِ اسلوبِ قرآن کند، و اگر مغایرت کند اطلاع دہد۔ و بناءِ کلام بر اغراضِ مکنونہ کہ مخاطب ثمرہ ازاں نشنیدہ و عہد نداشتہ ہدایت نیست، بل و اللہ اضلال است، و نہ دعا لم از کدام سلیم الفطرت بوقوع آمدہ، و یا در احادیث نظیر آں واقع شدہ، آیا ہمیں یک موضع است فقط کہ اُمت تباہ شد؟ و ہمیں جا کہ جائے الحاد ایں ملحد و اتباعِ ہویٰ و خواہشِ نفسِ وے است کوتاہی رفت؟ و برائے ایں ملحد گذاشتند؟

پیغمبرِ اسلام در احادیثِ متکاثرہ، کہ بتواتر رسیدہ اند، و علی رؤس الاشہاد و علی اعین الناس رسانیدہ اند، یک بار ہم بسمتِ مراد اشارہ نہ فرمود؟ و اُمت را ہمگی بر باطل گذاشت؟ و ایں امر فظیع روا داشت؟ کارے کہ بیک لفظ کے براید و نہ برا روا نمند وے کدام کس باطل پسند نیست۔ و حال آنکہ در رفع و نزول در قرآن و حدیث طباق است، و نزول متقابلِ مصداقِ رفع۔ بالفرض اگر ذکرِ نزول بعد ذکرِ موت بودے آنگاہ محل وے دریافت کردہ شدے، و آنکہ کہ ذکرش بعد از ذکرِ رفع است و شریطے از یک سلسلہ است۔

۲۱۵ــــــــ غرض اینکہ ایں اسودِ کاذب مجمع و معجونِ عیب و نقائص است، و شاید کم کسے چنیں ساقط از حواس و دماغ باشد۔ و معہذا دعوٰیِ افضل الرسل

---

[1] النحل: ۶۴

بردن وارد ، واللہ عزیز ذوانتقام ــــ و قطع وتینِ وے بقہرِ مرض ہیضہ و قے واسہال وپُر خواری کرد کہ بقولِ ناخلفِ وے بعد از دعویٰ نبوت در حدود ہفت سال بودہ

۲۱۶ ـــــــ مخفی مباد کہ ملحدانِ ایں زمانہ الحاد وے وسوسۂ شیطانی از خود آفریدہ آنرا حقیقتِ متقررۂ علیہ مے سازند، بعد ازاں از اہلِ حق مطالبہ کنند کہ ردِّ صریحِ وے از قرآن برآرید، وچوں ایں امر ہر جا میسّر نیست کہ قرآن با ہر وسوسہ کہ آفرینند دور کند، در جماعت خود ریشخندہ ہا می زنند، گویا نفسِ ایجاد کرام الحاد کافی است، اثرے واشارۂ از علم دارد، و یا ندارد۔ دگاہ دیدیم کہ مطالبہ کنند ردّ ایں از علماء سابقین پیش کنید، وچوں پیش کردہ شد گویند کہ در حدیث نیامدہ، وچوں از حدیث پیش کردہ شد گویند کہ در قرآن نیامدہ، وچوں از قرآن پیش کردہ شود گویند کہ یک بار آمدہ است، مزید تاکید نفرمودہ۔ وہمچنیں از مرحلہ بمرحلہ فرار کنند، چنانکہ با احقر در لفظِ نزول من السماء باضافۂ ایں قید واقع شدہ، کہ از کتاب الاسماء والصفات للبیہقی پیش کردہ بودم پس یاد باید داشت کہ عدم تیسّر ردِ امرے از قرآن برائے صواب بودنِ وے کافی نیست، و نہ اہلِ حق را اضطراب باید، بلکہ گاہے نفسِ ایجادِ وے الحاد است و گاہے عنوانے از جانبِ خود اختراع کردہ مطالبہ می کنند کہ بایں لفظ وعنوانِ خاص از قرآن وغیرہ پیش کنید، ورنہ خیال ما ثابت است۔ و فی الحقیقت برائے بطلانِ کدام الحاد عدمِ وجودِ آں در ذخیرۂ دین کافی است نہ اینکہ ردِّ آں ہر جا در قرآن باشد، وہماں لفظ باشد کہ خواہند، و نہ اینکہ

ع "ان السفیه اذا لعرینه ماھو"

۲۱۷ـــــــ وبسببِ قلتِ علم وکثرتِ جہل وکبر و تعلی جبلی و تنگ ظرفی و تنگ ظرفی و دون فطرتی و کم حوصلگی امورِ معمولی را، کہ پیش پا افتادہ باشند، مواہب غیبیہ ورمنن سماویہ می دارد، و پندارد کہ ہیچ حقیقت از حقائق غیبیہ از مَبلغِ علم و ادراکِ وے بیرون نیست وازیں پندار درالہیات ونبوّات درآویزد، وکلامِ سوقیانہ ودریدہ دہناں می کند ۔

خواجہ پندارد کہ اورا حاصلے است ـــــ حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

خیالاتِ نادانِ خلوت نشیں ہم بر کُند بیخِ دنیا و دیں

۲۱۸ـــــــ بروز شاید درکلام کدام یکے بمعنی فیض روحانی و تربیت باطنی بودہ، و اتحاد درکلامِ عُشّاق بمعنی تشابہ و فناء محبانہ ۔ ایں جاہل بسا اطلاق می کند، وخیال، و سے اینکہ برمرادِ صوفیہ نشان زدم، و فی الحقیقت درذہن و سے ہیچ مصداق نباشد، الا لقلقہ لسانی، وتلقفِ کلمات دگراں، ومحاکات ایشاں ۔ رفتہ رفتہ در مغاکِ مریج تناسخ افتادہ، وبہ جنم واوتار تفسیر کردہ کہ اصلِ بنیادی ہنود است ۔

۲۱۹ـــــــ آیا اثبات نبوّت کسے بہ تخفیفِ امر اصلِ نبوّت وتھوین شان وے و ایرادات بر انبیاء می باشد؟ ویا بتقریر کدام اصلِ ثابت علی حدہ و آیات بیّنات؟

۲۲۰ـــــــ می گوید کہ اگر در انباءِ غیب کلام نقصان ماند بآں جزء کہ بروئے کار آمد منتفع باید شد، پیشنیان ہم بہمیں شبہہ محروم ماندند کہ انباءِ سابقہ بتدعیان

نبوت بحسبِ تصویرِ خود راست ندیدند، و محروم ماندند۔ کسے را می رسد کہ گوید

در حالِ التباس یقین نفع نیست، و چناں اگر ہست چنیں ہم است، پس ایں

مشورہ مشورۂ نصح و اخلاص نیست، بلکہ برائے غرض خود تلبیس و دغا است

اے بسا ابلیس کآدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

۲۲۱ ——— آیا الہام ہمچو ملکۂ انشا پردازی است و سلیقہ و آمدِ طبیعت است؟

اکثر دیدہ شدہ کہ در کتبِ سابقہ کدام چیز دیدہ و آموختہ مانندِ وے الہام می تراشد

مانندِ اخطئ و اصیب و مانندِ الہامِ عمانوئیل کہ دو رخ ہم برآمد۔ و گاہے

چیزے می تراشد کہ کدام حقیقتِ محصّلہ ندارد، سپس موافقِ وے الہام

نیز می زاید، مانندِ انت منی بمنزلۃ بروزی و حقیقتِ وے در کتبِ

سماویہ ہیچ نیست۔

۲۲۲ ——— آیا بامورِ موہومہ و مشکوکہ، کہ یا ثبوت آنہا معلوم نبود، و یا

گماں باشد کہ کدام پیوند و شرط از سلسلہ فرو ماندہ، و راوی فروگذاشتہ،

بر قطعیات اعتراض کردن و ہدم آنہا کار ایماندار یست کہ ایں فرقہ در بابِ

عصمتِ انبیاء ہمچنیں کردہ، و بامورِ مجہول الحال قطعیات و متواترات برہم

زدہ، و حال آنکہ در استراق و تلقفِ خود، کہ آنرا وحی نام نہادہ، تعلق بتواتر

وے می کند، و چوں غرضِ ایں ملحد برہم زدن دین بود، و می دانست کہ در

پیشیں گوئیہا ذلیل و رسواء خواہم شد، اوّلاً تدبیر کرد کہ انبیاء و انبیاء را ملزم باید

کرد، تا بوقتِ حاجت بکار آید، و مقدمۂ ممہدہ ماند۔

۲۲۳ ——— توہینِ انبیاء اوّلاً ابلیس کردہ، و وے با حضرتِ حق مناظرہ کردہ

کہ وجہِ تو دو تشریف کسے بدون کمالاتِ کسبیہ حق نیست۔ حق فرمود کہ مرا

اختیارِ فضل و تشریف وداد از خواست، ابلیس ایں اختیار جائز نداشت و فاضل از بنیۂ کدام و اجزاء وے انعام کردن معقول نگفت، گویا مزام تقیدۂ سلطانی بود۔ سپس ایں شقی بر قدمِ ابلیس بلکہ بدرجہا زائد از وے آمدہ، و مزید اظہارِ کفر کمندنِ خود در توہینِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بکار بردہ، و غرضِ وے آنست کہ عظمتِ اوشاں از قلوبِ مسلمین آرد، و جائے اوشاں گیرد۔ ع کجا عیسیٰ کجا دجّالِ ناپاک

ولہٰذا با پیشوایانِ ہنود ایں معاملہ نکردہ و تحقیر و استخفاف اوشاں نمودہ؛

۲۴ــــــ واستدلال بہ متشابہات کہ ذہن بسوئے آنہا نرود، و ترکِ محکمات درباب آیا الحاد نیست؟ کہ ایں ملحد امورے راکہ در کتب از وساوس و شبہاتِ بے ایماناں آوردہ اند، التقاط کردہ دینِ خود ساخت، و چوں دفعِ کسے خواہد اثارۂ شبہات شیطانیہ کند، و چوں جلب خواہد ایجادِ مناسبات مزورہ نماید، و تحمل بر استعارۃ و مجاز تاویل کہ موضوع ذخیرۂ خود ساختہ از اکثر عقائدِ اسلامیہ و بعض احکامِ شرعیہ، مانندِ زکوٰۃ و حج و جہاد فراغ یافتہ است، و اذنابِ وے عن قریب از دیگر احکام ہم بیباق خواہند شد، و صرف گردانِ الفاظ کفایت خواہد کرد، و ذخیرۂ آخرت و ہدیۂ آں بارگاہ تاویلے چند خواہند ماند۔ زیراکہ دیدیم اوخود افعال را ہم استعارہ می گوید چنانکہ در کشتی نوح ص ۴۷ می سراید (مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا، اور آخر کئی مہینے کے بعد، جو دس مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے

عیسٰی بنایا گیا) این استعارۂ فعلی را شنیدہ باشی کہ از علوم مختصہ وے است کہ بوے در خارج حامل قرآن شد۔

۲۲۵ــــــــ در تحصیلِ حطامِ دُنیا ہیچ دقیقۂ از حِیَل فروگذاشتہ، مانندِ فروختنِ تصویرِ خود، و جلبِ زکوٰۃ درا ہواو خویش، والغاءِ معارفِ شرعیہٗ وے، وایجابِ وے مُبَلّغ بر مریدان، واخراجِ اوشان از بیعت اگر بروقت نرسد۔ و در تذلیلِ مخالفان تصویر ہائے اوشان بوقتِ موت اشاعت کردہ خبر از تخمیرِ ضمیرِ خود دادہ، کہ مانندِ قبرِ ظالم تنگ و تاریک است، و در القاءِ تاثیر بر مخاطَبان محاکاتِ انبیاء و تعبیر و خطاب ایشان و کتبِ سماویہ نمودہ، از تکثیرِ حلقہا، و اظہارِ ہمدردیِ بنی نوعِ انسان، و در ردِّ مخالفان جانبِ دعوتِ اوشان، و اظہارِ نفعِ اوشان، و دلسوزی بحالِ ایشان؛ و ابرازِ مظلومیِ خود از مخالفان، وتکرار و اصرارِ وے ہمراہ داشتہ۔ وچیز ہائے مخالفِ خویش را بہ تشبیہات و تشویہاتِ قبیحہ، و بہر گونہ کہ امکان تنفیر بود تقبیح کردہ، ابلہ فریبی نمودہ، اقتصار بر دائرۂ علم و دلیل ندارد، چنانکہ در متعلقاتِ عیسٰی علیہ السلام و در احادیثِ قتلِ خنزیر و مثلِ آں تمسخر بادریشخند ہا کردہ، کہ از اربابِ اخلاقِ فاضلہ متوقع نیست، و دوں طبیعتانِ کمیں ہمتان، کہ مسقطِ نظرِ اوشان مجردِ مطلب برآریٔ خود باشد، کار ِادشان است کہ در حدِ اخلاقِ فاضلہ متقید نمانند۔ و اصحابِ وے کہ ما دیدیم ہمگی از اوصافِ دیانت و ایمانداری وحیاء و اخلاص خالی و عاری دیدیم، و خود وے مطالعۂ احوالِ متنبئینِ سابقہ کردہ، و طریقۂ نفاذِ دعوتِ اوشان نگاہ

داشتہ، و در تعبیر کوشش ہرچہ تواند در القاء اثر صرف کردہ، از محاکاتِ کتبِ سماویہ و تشبُّہ بانبیاء، و تلقّف از متنبّین۔ و لیکن ایں ہمہ صورتِ تعبیر است، و ترقیق کلام۔ تحتِ آں صورت ہیچ مادہ از دلیل و سخنِ حق موجود نیست، بل اثارۂ شبہات و تدریج در استدلال و استنزال۔ چنانکہ در تحفۂ اثنا عشریہ از مراتبِ دعوتِ باطنیۃ آوردہ۔ دیگاں غالب آنکہ علاوہ کتبِ بلب و بہاء کتبِ شیعۂ متصوفہ، کہ فلسفہ را تصوف ساختہ اند دیدہ و دزدیدہ کہ وافر اند و کثیر سے در زبانِ فارسی۔ زیرا کہ تا علومِ فتوحاتِ رسائی وے نیافتم، و از فنِ حقائقِ صوفیہ ہیچ چیز را صحیح نفہمیدہ، و در الٰہیات چناں تشبیہاتِ سوقیانہ و تعبیراتِ جاہلانہ دادہ و کردہ کہ فرزشت بر بدن افتد، اختراعِ حقائقِ باطلہ از جانبِ خود، مانندِ بعثتِ ثانیہ خاتم الانبیاء، سپس تحریفِ نصوصِ دین بر وفقِ آں اہواء، کہ از تابِ وے ایمان براں باختہ اند و علوم و معارف باور کردہ۔

۲۲۶ ——— و چوں از کسے مایوس شود کہ در دامِ نیفتاد، و صید نشد بغض کلامی تمام و مغلظات با وے در آویزد، و وقیقۃ از اذلال فرو نگذارد، و در ہر امرے کہ کند آسیا می گرداند۔

۲۲۷ ——— دعوئ شوکت و نصرت در الہاماتِ خود، و امتلاء قلب انشراحِ صدر، و لذت و برد یقین، در مثل مزورۃ الامام و حقیقۃ الوحی و ازالۃ الاوہام وغیرہ۔ و بعد ایں شورا شوری در حمامۃ البشری ص ۳۰ کمال بے نمکی در الہامِ موتِ عیسیٰ و در نبوتِ خود۔ از عشرۂ کاملہ۔ و شنیدہ شد کہ گوید بخوفِ مسلمانان نہاں داشتم، و در نہ حیاتِ عیسیٰ از اول عقیدۂ من نبود، اگرچہ در براہین، کہ آں ہم

بالہام است ، بخوف نوشتہ ماندم ، چیزے از عشرہ ص ۲۵ بحوالہٗ حمامتہ البشریٰ ص ۷ ، باید دید۔

۲۲۸ ـــــ استبعاداتِ سوقیانہ در متعلقاتِ عیسیٰؑ ، وادعاء اشتداز آں وازید در متعلقاتِ خود۔ مانندِ حجاب بر داشتنِ حضرتِ حق از چہرۂ خود ، وتسخر باد وے۔ از عزورۃ الالہام۔ وگا ہے آں الہامات کہ از دائرۂ حیاء وآدمیت خارج اند ، مانندِ اظہارِ خدا فعلِ رجولیت بر وے۔ عشرہ کاملہ ص ۲۲

۲۲۹ ـــــ تکذیبِ اُنباءِ انبیاء علیہم السلام ، وایراداتِ بر بعض اجزاء آنہا وانیکہ بتمام اجزاء تمام نشدہ اند ، وبامورِ موہومہ وشبہات ہم تکذیبِ قطعیات ، واشارۂ شبہات اندراں ، تابوقتِ ناراست شدنِ پیشین گوئیہائے وے سامانِ جواب باشد۔ پس تا وقتیکہ مساہمتِ بانبیاء جوید در اعتراضات اوشاں را شریکِ غالب گوید۔ یعنی بنسبتِ وے بریشاں اعتراضات زیادہ اند ، وچوں نوبتِ اختصاصِ وے رسید۔ آں راغیب مطلق می گوید۔

۲۳۰ ـــــ تخفیفِ شانِ معجزات ، وانکار کبارِ آنہا ، مانندِ حملِ معجزۂ شق القمر بر کسوف ، وحملِ معراج بر کشف ، وانکارِ احیاءِ موتیٰ ، وحمل بر مسمریزم وارتقاء صغار تا امورِ محقرۂ خود را در معجزات قرآں آورد ، مانندِ حصولِ چندۂ وشیوعِ بیعت ، کہ ہر یکے را معجزۂ مستقلہ شمردہ ، عددِ معجزاتِ خود تا دہ لک نوشتہ ، وعددِ معجزاتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سہ ہزار قرار دادہ۔

حق تعالیٰ بر اُمتِ مرحومہ رحم کناد۔ واز
الحاد وارتداد ایں لعین نجات دہاد۔

# خاتم النبیین

محمد یوسف لدھیانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱ـــــ بے حد حمد و شکر اس ربّ معبود کے لیے جو کون و مکان اور زمین و زماں کا خالق ہے اور بے شمار درود و سلام سرورِ کائنات فخرِ موجودات پر، جو اللہ تعالےٰ کے رسول، نبیوں کے ختم کرنے والے اور مقصودِ تخلیق عالم ہیں۔ اور آپؐ کی آل و اصحاب پر، اور تمام اُمّت مرحومہ اور اس کے برگزیدہ حضرات پر۔

۲ـــــ(۱) جو خدا کہ روزِ جزا کا حاکم ہے، وہ بذاتِ خود موجود ہے (اسی لیے) اس کا نام خدا ہے۔

(۲) یہ بلندی و پستی سب اسی کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز نے اسی سے جامۂ ہستی مستعار لیا۔

(۳) اگر غور سے دیکھو تو (موجودِ حقیقی) وہی ایک پاک ذات ہے، باقی یہ سب کچھ اس کی نشانیوں کا دفتر ہے۔

(۴) اس بارگاہ میں جو کاروانِ رفتہ کی صدا ہے، اس امر کا اعلان ہے کہ اب سرِ دو جہاں کا دور ہے۔

(۵) محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جو پیامِ الٰہی کے فاتح اور خاتم ہیں، آپ پر بے شمار درود و سلام۔

(۶) آپ کا وجودِ پاک، جو بجائے خود صداقت کا نشان ہے، وہی تخلیقِ عالم کی اصل غرض و غایت ہے، باقی سب تمہید تھی۔

۳ـــــ بعد از حمد و صلوٰۃ، بندۂ ہیچ میرز محمد انور شاہ کشمیری، عفا اللہ عنہ، تمام اہلِ اسلام خواص و عوام کی خدمتِ عالی میں عرض پرداز ہے کہ یہ ایک مقالہ ہے

ختم نبوت اور آیت کریمہ خاتم النبیین کی تفسیر میں، جو مرزا قادیانی ـــ علیہ ما علیہ ـــ کے الحاد و زندقہ اور کفر و ارتداد کے رد میں تحریر کیا گیا۔

اور اگرچہ یہ شخص علم و عمل سے کوئی حصہ نہیں رکھتا اور علم و فہم اور تقویٰ و طہارت کے فضائل سے یکسر عاری اور محض کورا تھا اور اس نے عارفین کے حقائق میں سے ایک بات کو بھی صحیح نہیں سمجھا، اور اس کا خمیر خبط و خلط، جہلِ مرکب اور ذلت و خواری سے تیار ہوا تھا، لیکن اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کر کے اُمتِ مرحومہ میں تہلکہ مچا دیا۔

۴ ـــ جو حضرات، قرآن حکیم کی بلیغ عبارت اور عرب عُرباء کے محاورہ سے کچھ بھی ذوق رکھتے ہیں وہ یقیناً اس مقالہ سے محظوظ و مستفید ہوں گے، اور جس شخص نے مفردات و ترکیب، تقدیم و تاخیر، تعریف و تنکیر، حذف و ذکر، اظہار و اضمار، فصل و وصل اور ایجاز و اطناب میں نظمِ قرآن کا اعجاز دیکھا اور سمجھا ہو وہ حق کے پانے اور مراد کے سمجھنے میں لغزش نہیں کھائے گا۔ ان تمام امور کے باوجود سب کچھ قدرت کے ہاتھ میں ہے "جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں" حق تعالیٰ شانہٗ حق اور اہلِ حق کی مدد فرماتے۔

(ترجمۂ شعر) "ہمارا دردِ سر خود ہمارا سر ہے اور ہمارے کندھوں کا بوجھ خود اپنے کندھے ہیں"

۵ ـــ (۱) اے اللہ! دینِ حق کو قائم رکھ تاکہ کفر کو تباہ و برباد کر ڈالے۔

(۲) شیاطین کو سنگسار کرنے کے لیے شہابِ ثاقب نازل فرما، اور شیاطین کو خراطین کی طرح زیرِ زمین دفن کر دے۔

(۳) مجھ سرگرداں کے ہاتھ میں کیا رکھا ہے ؟ جو کچھ کرتے ہیں بلاشبہ آپ ہی کرتے ہیں۔

(۴) میں اپنی خاطر (ردِّ قادیانیت میں) نہیں اُلجھا ہوں بلکہ آپ ہی کی رضا کے لیے سر اُٹھایا ہے۔

(۵) جو نالہ و سوز کہ سینے میں نہیں سما سکا۔ غم ہلکا کرنے کے لیے باہر ابل پڑا۔

(۶) اے بادشاہ! اے مالک! اور اے بے نیاز! تیرا کام تو تجھ ہی سے ہو گا، نہ کہ کسی خانہ باز (قلاش و مفلس) سے۔

۶ ـــــ جاننا چاہیے کہ سلسلۂ ابوت اور 'نبوت بلا فصل' کے جاری کرنے ـــــ میں کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں (یعنی جس شخصیت سے سلسلۂ ابوت جاری ہو عقلاً یا شرعاً یہ لازم نہیں کہ اس سے سلسلۂ نبوت بھی جاری ہوا کرے) لیکن مشیتِ ازلیہ نے نبوت : اولاً نوح علیہ السلام کی اولاد میں رکھی، اور پھر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ـــ اور انھوں نے (اپنی اولاد کے حق میں) دعا بھی کی تھی کہ "بھیج ان میں ایک عظیم الشان رسول انھی میں سے" (البقرہ ۱۲۹) اور ابوت جب معانی کی طرف مضاف ہوتی ہے تو اس سلسلہ کے اجراء کو متضمن ہوا کرتی ہے، جیسا کہ فتوحات کے باب ۲۱۴ میں ذکر کیا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی باپ ہیں اور آدم علیہ السلام جسمانی باپ ہیں، اور نوح علیہ السلام، جو آدم ثانی ہیں، رسالت میں پہلے باپ ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام اسلام میں پہلے باپ ہیں۔" پس فتوحات کا یہ فقرہ اس مراد کی جانب بھی مشیر ہے (الغرض ابوت و نبوت کے درمیان تلازمِ عقلی یا شرعی اگرچہ نہیں، لیکن سلسلۂ نبوت جاری کرنے میں سنتِ الٰہیہ یہی رہی ہے کہ جس شخصیت سے سلسلۂ ابوت جاری کیا جائے اسی سے سلسلۂ نبوت بھی جاری ہو) اس سنت کے پیشِ نظر خیال ہو سکتا تھا کہ اب یہ سلسلۂ نبوت شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں جاری کیا جائے گا۔ اس وہم کو رفع کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے) سلسلۂ ابوت (جاری) نہیں (ہو گا) بلکہ خود آپؐ کی نبوت کا سلسلہ ہی تا قیامت قائم و دائم رہے گا، آپؐ کے بعد کوئی نبوت نہیں ہو گی۔ اور ایسی 'ابوت' جو کسی سلسلے کے اجراء کو متضمن ہوتی ہے اور جو یہاں اگر موجود ہوتی تو اجرائے

سلسلۂ نبوت کے مناسب ہوتی، یہاں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے بجائے ختم نبوت ہے۔ پس یہ ہے (آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں) کلام کی وجہ ربط، جو لٰکن میں شرط قرار دی گئی ہے، اور بہت سے لوگوں کو اس سے ذہول اور غفلت ہوئی اور انھوں نے یہ نہیں سمجھا کہ ابوت، اجرائے سلسلہ کے مناسب ہے، اور اب "بمعنیٰ" اصل" بھی اسی سے متفرع ہے۔

**تشریح:** ــــ مصنف امامؒ نے لٰکن کی جس شرط استعمال کی طرف اشارہ فرمایا اس کی مختصر سی وضاحت ضروری ہے ــــ 'لٰکن' (مشددہ ہو یا خفیفہ) حرف استدراک ہے جس کی تفسیر قول مشہور و محقق کے مطابق یہ ہے کہ اس کے مابعد کی طرف ایسا حکم منسوب کیا جائے جو حکم ماقبل کے مخالف ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کے ماقبل کا مابعد کے مناقض یا اس کی ضد ہونا لازم ہے۔ شیخ ابن ہشام لکھتے ہیں:

"وفی معناہا ثلاثۃ اقوال احدہا ــــ وہو المشہور ــــ انہ، واحد وہو الاستدراک، وفسر بان تنسب لما بعدہا حکما مخالفا لما قبلہا، ولذالک لا بدان یتقدمہا کلام مناقض لما بعدہا او ضدلہ"۔ (مغنی اللبیب ص ۲۲۵ وقریب منہ فی القاموس) پس لٰکن کے ماقبل و مابعد کے درمیان ضدیت، تباول اور تدافع کا ہونا یہی اتساق کلام ہے جو لٰکن کے لیے شرط ہے اور اسی بناء پر علمائے بلاغت کے نزدیک لٰکن "قصر قلب" کے لیے آتا ہے۔ یعنی جب مخاطب خلافِ واقعہ ایک حکم کے اثبات اور دوسرے کی نفی کا زعم رکھتا ہو تو متکلم اس کی اصلاح کے لیے پہلے تو اس کے ثابت کردہ حکم کی نفی کرتا ہے اور پھر لٰکن کے بعد اس چیز کا اثبات کرتا ہے جس کی مخاطب نے نفی کی ہو۔ (دیکھئے شرح تلخیص بحث عطف)

اس تمہید کے بعد اب آیتِ کریمہ پر غور کیجئے کہ اس میں 'لٰکن' سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوت کی نفی کی گئی ہے اور لٰکن کے بعد آپؐ کے لیے رسالت و خاتمیت کا اثبات کیا گیا ہے، سوال یہ ہے کہ ابوت و خاتمیت کے درمیان

آخر کونسی ضدّیت اور تدافع ہے جس کے اظہار کے لیے کلمۂ لکن لایا گیا ؟ اور مخاطبین کا وہ کیا زعم تھا جس کی اصلاح کے لیے بطور "قصرِ قلب" ابوت کی نفی کر کے لکن کے بعد خاتمیت کا اثبات فرمایا گیا ؟ ــــ عام طور سے اس سوال پر توجہ نہیں دی گئی اور استدراک کے ایک مرجوح معنیٰ (دفع التوہم ان شئی من الکلام السابق) سے کر آیت کی تقریر یہ کی گئی کہ "نفی ابوت سے ابوتِ روحانی کی نفی کا وہم ہو سکتا تھا اس کو رفع کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ آپؐ کی روحانی ابوت اعلیٰ و اکمل بھی ہے اور تا قیامت دائم و قائم بھی۔ کیونکہ آپؐ اللہ کے رسول بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی"

یہ تقریر بجائے خود درست ہے، مگر اس میں لکن کی شرطِ استعمال۔ یعنی اس کے ماقبل و مابعد کے درمیان ضدّیت اور تنافر کا پایا جانا۔ اور قصرِ قلب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مصنف امامؒ نے اس عقدہ کو حل کیا ہے۔ آپ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ سُنّتِ سابقہ کے مطابق اگر آپؐ سے سلسلۂ ابوت جاری کیا جاتا تو لازم تھا کہ سلسلۂ نبوت بھی جاری ہوتا۔ مگر مشیّتِ الٰہیّہ میں آپؐ کے ذریعہ اجرائے نبوت نہیں بلکہ اختتامِ نبوت مقدر تھا۔ اس لیے آپؐ کے حق میں ابوت مقدر نہ ہوئی اور اسی لیے آپؐ کے صاحبزادوں کا بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ اُدھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے متبنّٰی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے آپؐ کو "زید کا باپ" سمجھنا شروع کیا۔ ان کا یہ زعم اجرائے نبوت کو مستلزم تھا۔ اس خیال کی اصلاح کے لیے بطور "قصرِ قلب" فرمایا گیا کہ آپؐ سے ابوت مقدر نہیں، جو اجرائے نبوت کو مستلزم ہے، بلکہ اس کے برعکس آپؐ کے ذریعہ ختم نبوت مقدر ہے اس لیے آئندہ کسی بالغ مرد کو آپؐ کا بیٹا کہہ کر نہ پکارا جائے۔

۷ ــــ اب آیت کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرائے نبوت کیلئے نہیں بلکہ ختم نبوت کے لیے ہیں۔ یہ آیت کریمہ (جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت مستقلہ کا دروازہ بند کر دیتی ہے اسی طرح) اجرائے نبوت بالاستفادہ کی بھی بدرجۂ اولیٰ نفی کرتی ہے۔ کیونکہ استفادہ کی صورت میں ابوت اور بھی واضح تر ہے۔ برعکس اس کے نبوتِ مستقلہ میں ابوت اس قدر واضح نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

۸ــــــ زمانۂ سابق میں سنے نبی کی آمد کے بعد بھی گذشتہ نبی کی نبوت اگرچہ بحال رہتی تھی۔ تاہم یہ بات صادق آتی تھی کہ ایک اور نبی آ پہنچا اور عہدۂ نبوت از سرِ نو تازہ ہو گیا، بخلاف زمانۂ خاتم الانبیاء کے، کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آنے کا۔ اس لیے فرمایا: وَخَاتَم النَّبِیِّیْنَ۔ یعنی آپ اشخاصِ انبیاء کے خاتم اور آخری فرد ہیں (کہ علمِ الٰہی میں انبیاء کی جو تعداد مقرر تھی وہ آپ کی تشریف آوری سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور انبیاء کرام کی گنتی ایک ایک کر کے پوری ہو چکی) اور (جب آپ کی آمد سے انبیاء کرام کی تعداد ختم ہو چکی تو) اس سے خود بخود یہ لازم آتا ہے کہ آپ سلسلۂ نبوت کے بھی خاتم ہوں۔ اور چونکہ آئندہ نبوت کی تجدید نہیں ہوگی۔ اس لیے اب قیامت تک آپ ہی کی نبوت دائم و قائم رہے گی۔

۹ــــــ اور اب یہ احتمال بھی باقی نہ رہا کہ آپ نبوتِ مستقلہ کے لیے تو خاتم ہوں، مگر آپ کی پیروی سے نبوت جاری رہے۔ نہیں! بلکہ آپ تو اشخاصِ انبیاء کے خاتم اور ان کی تعداد کے تکمیل کنندہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء کرامؑ اپنی شخصیت کے لحاظ سے جدا جدا وجود رکھتے ہیں۔ یعنی ان کی نبوت خواہ بلا واسطہ ہو یا (بالفرض) بواسطۂ اتباع ہو۔ بہرصورت ہر ایک کی اپنی شخصیت دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ رہے گی۔ یہ تو نہیں ہوگا کہ اتباع کی صورت میں ان کا شخصی تغایر کالعدم اور نظر سے ساقط ہو جائے، نہیں! بلکہ وہ تعداد میں جتنے تھے اتنے ہی رہیں گے۔ اور نصِ قرآن اسی تعداد کے ختم ہونے اور اسی سلسلہ کے اختتام کا اعلان کرنے کی غرض سے نازل ہوتی ہے[1]۔ اور اس نے کہیں بھی تقسیمِ نبوت سے تعرض نہیں کیا اور نہ

---

[1] علامہؒ نے کہا ہے کہ ارشادِ خداوندی: "وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ" حق تعالیٰ کی جانب سے وصیت ہے، اور اہلِ جہان کو آگاہ اور متنبہ کرتا ہے کہ یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے۔ اور آخری حجت ہے جو پوری کر دی گئی، آپ کا دین آخری دین اور آخری پیغامِ الٰہی ہے، ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی محروم رہ جاؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی قوم کا مقتدا اور رئیس یوں کہے کہ "یہ میری تم سے آخری بات اور آخری عہد و وصیت ہے ایسا نہ ہو کہ اس کو ضائع کر ڈالو اور پھر وقت ہاتھ سے نکل جائے۔" اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ آپ رسول تو اپنی اُمت کے لیے ہیں اور خاتم الانبیاء سابقین کے لیے۔ اور یہ نکتہ جو علامہ نے ارشاد فرمایا ہے، نہایت لطیف ہے، اور

پیدا بتایا ہے کہ نبوت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک نبوت بلا واسطہ (بلاواسطہ) اور دوسری نبوت بواسطۂ اتباع۔ پس قرآن کے صریح منطوق کو چھوڑ دینا اور جو چیز اس کی نظر میں نا قابل اعتبار ہے اسکا اعتبار کرنا قرآن کو اس کے مقصد و معا سے خالی کرنا (اور اسے اپنے خود تراشیدہ معنی پہنانا) ہے جو سب سے بڑا الحاد ہے۔

۱۰ ــــــ پھر نبوت کو دو اقسام کی طرف تقسیم کر کے یہ کہنا کہ "انبیاء بنی اسرائیل، جو شریعت موسوی پر عامل تھے ان کی نبوت ثمرۂ اتباع نہیں تھی[1] بخلاف سلسلۂ محمدیہ کی نبوت کے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ثمرہ ہے"۔ یہ ایک بے معنی بات اور محض خود تراشیدہ سخن سازی ہے کیونکہ نبوت بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، نبوت کے خصائص دونوں جگہ موجود ہوں گے۔ رہا یہ کہ نبوت کے یہ امتیازی اوصاف و خصائص خود شرط ہے تاثیر اور موقوف علیہ محض کے ہیں، یا بمنزلہ سبب اور علتِ مؤثرہ کے، یہ تمام غیبی امور ہیں۔ اور آسمانی دین کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ منصب محض عطیۂ خداوندی ہے، کسب و محنت سے حاصل نہیں ہوتا (اور جب یہ بات طے ہوئی کہ جہاں نبوت ہوگی وہاں نبوت کے امتیازی اوصاف و کمالات بھی بہر حال موجود ہوں گے) پس اگر آپؐ کے بعد بھی نبوت جاری ہوتی تو اس کا حال بھی دورِ سابق کی نبوت سے قطعی طور پر یکساں ہوتا۔ جیسا کہ مرزا نے چشمۂ مسیحی ص۴۲ میں خود بھی دانستہ اس کا اعتراف کیا ہے (چنانچہ لکھا ہے:

"صراط الذین انعمت علیہم۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو یہ مرتبہ ملا انعام کے طور پر ملا، یعنی محض فضل سے نہ کسی عمل کا اجر"۔ پس انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کو بلا واسطہ بتانا اور اپنی نبوت کو بواسطۂ اتباع نبوی قرار دینا محض سخن سازی نہیں تو اور کیا ہے؟)

---

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے آیت کا باہمی ربط واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے بعد کسی نبی کا انتظار مت رکھو۔ منہ

[1] اس مضمون میں قادیانی کا تناقض رسالہ "مراقِ مرزا" ص۳ میں دیکھئے: "یہ اعتقاد رکھنا پڑتا ہے کہ ایک بندہ خدا کا عیسیٰ نام، جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں، تیس برس تک موسیٰ رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کر کے خدا کا مقرب بنا"۔ منہ

۱۱ــــــ اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود کو اسرائیلی بھی کہتا ہے[1]، پس (جب وہ خود بھی بزعم خویش اسرائیلی ہے تو) مسیح اسرائیلی اور مسیح محمدی کا فرق، جس کا وہ نعرہ لگاتا ہے، درمیان سے اٹھ گیا۔

۱۲ــــــ اور چونکہ انبیاء بنی اسرائیل بھی، جو شریعت تورات پر عامل تھے، شریعت جدیدہ نہیں رکھتے تھے، پس ان کی نبوت بھی غیر تشریعی تھی، ٹھیک اسی نوعیت کی غیر تشریعی نبوت یہ ملحد، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جاری رکھتا ہے، پس جو منصب کہ انبیاء بنی اسرائیل کے سپرد تھا اس کے درمیان اور جو منصب یہ اپنے لیے تجویز کرتا ہے۔ اس کے درمیان کسی نوعیت کا فرق نہ رہا۔ بلکہ واقعہ اور مشاہدہ حق کے اعتبار سے اُمت کے سامنے یہ دونوں منصب مساوی ہوئے۔ رہا وہ ذہنی اعتبار جو اس نے ایجاد کیا ہے (کہ انبیاء سابقین کی نبوت بلاواسطہ اور مستقل تھی اور میری نبوت غیر مستقل اور اتباعِ نبوی کا ثمرہ ہے) اس سے اُمت کو کیا واسطہ؟ اور اس کا کیا اعتبار؟ کیونکہ یہ ایک ذہنی مفروضہ ہے جس کا وجود صرف فرض کنندہ کے ذہن میں ہوتا ہے، خارج میں وہ کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور نہ احکامِ واقعیہ ہی اس پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ اپنے گھر بیٹھے آدمی جو چاہے تراشتا رہے جس کو اردو محاورہ میں "من مانی" کہتے ہیں یعنی ایک ایسی بات جو ایک شخص نے دل میں فرض کر لی ہے، ایک نفسانی خیال ہے جو اس کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے، ایک جھوٹی تمنا ہے جو اس کے سینے میں ابھرتی ہے اور ایک خواہش ہے جو اس کے نہاں خانۂ خیال میں گردش کرتی ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

۱۳ــــــ اور حدیث مشہور (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

| | |
|---|---|
| انّ مثلی ومثل الانبیاء من | میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی |
| قبلی کمثل رجل بنی بیتاً فاحسنہ | ہے کہ ایک شخص نے ایک نہایت حسین وجمیل |
| واجملہ الا موضع لبنۃ من | محل تیار کیا، مگر اس کے ایک کونے میں ایک |
| زاویۃ، فجعل الناس یطوفون | اینٹ کی جگہ خالی تھی لوگ اس کے گرد چکر |

---

[1] خدا نے مجھے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اسرائیلی بھی ہوں (ایک غلطی کا ازالہ) از مرزا غلام احمد قادیانی منہ

به ويتعجبون له ويقولون: هلّا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة وانا خاتم النبيّين۔

لگنے اور اس (کی خوبی تعمیر) پر تعجب کرنے لگے، اور لوگ بطور تعجب کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی (کہ محل بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہو جاتا ہے) فرمایا: وہ پس میں (قصر نبوت کی وہی آخری) اینٹ ہوں اور خاتم النبیّین ہوں (کہ میری آمد سے انبیاء کرام کی تعداد پوری ہو گئی۔)

(صحیح بخاری ص۵۰۱ ج ۱)

اس حدیث نے نبوت کو حسی محل کے ساتھ تشبیہ دے کر (ملحد قادیان کے) ان تمام ذہنی اعتبارات اور خود تراشیدہ حیثیات کو بیخ و بن سے نکال پھینکا ہے اور مسئلہ ختم نبوت کو ذہن سے نکال کر محسوسات کے دائرے میں داخل کر دیا ہے، جس میں ذہنی حیثیات و اعتبارات کا احتمال ہی نہیں (بلکہ ہر شخص سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ قصر نبوت کی تکمیل ہو چکی۔ اب اس پر مزید اضافے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔)

۴ ـــــ اور جب مالکِ عمارت، عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اسے ختم کر دے تو مزدوروں کو یہ حق حاصل نہیں کہ مناقشہ کریں کہ تعمیر کو ختم کر دینا تو نقص ہے (پس جبکہ مالک مختار نے قصر نبوت کی تکمیل کا اعلان کر دیا، تو کس کی ہمت ہے کہ اس کی تعمیر جاری رکھنے کا اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرے۔)

۵ ـــــ البتہ (نئے نبی کی آمد پر) شریعت سابقہ بعینہٖ باقی رہے گی؟ یا یہ کہ اس کے کسی حکم کی تجدید ہوگی؟ یہ فرق معلوم بھی ہے اور معقول بھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل میں نئے نبی کی آمد پر اکثر و بیشتر نئی اُمت شمار نہیں کی گئی اور کبھی یہ تعلق تبدیل بھی ہو سکا، کیونکہ بقاء و تبدیل دونوں کو متحمل ہے۔ الغرض شریعتِ سابقہ کی بقاء یا تجدید کا تعلق اور اسی طرح کسی نبی کی اُمت ہونے یا نہ ہونے کا تعلق تبدیل ہو سکتا ہے اور یہ فرق معقول المعنیٰ بھی ہیں اور اثر و نشان بھی رکھتے ہیں۔ بخلاف اس فرق کے جو اس ملحد نے ایجاد کیا ہے (کہ پہلے زمانہ میں نبوت بلاواسطہ ملتی تھی اور اب بواسطہ اتباع ملتی ہے) دین سماوی میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ یہ فرق محض من گھڑت اور خواہش نفس کی پیروی ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ

اپنے نفسانی خیالات کی پیروی میں اندھیرے کے تیر چلائے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے کیونکہ سوائے دلیل قطعی کے اور کوئی چیز وثوق اقتناعات نہیں۔

۱۶۔۔۔۔۔ گزشتہ دور کے بارے میں بھی کہا جاسکتا کہ (مثلاً انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت) نتیجۂ اتباع تھی اور (اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت جاری ہوتی) زمانہ مابعد کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ خارج اور مشاہدہ کے اعتبار سے ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ (پس ان دونوں زمانوں کے درمیان یہ فرق کرنا کہ زمانۂ سابق میں تو نبوت ثمرہ اتباع نہیں تھی، بلکہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بذریعۂ اتباعِ نبوی حاصل ہونے لگی۔ یہ فرق) محض ایک ذہنی مفروضہ ہے جو کسی کے ایجاد کرنے سے دین میں داخل نہیں ہو سکتا، نہ اس پر کسی حکم کی تفریع ہی درست ہو سکتی ہے۔

۱۷۔۔۔۔۔ اہلِ حق بھی نبوت کے فیوض و کمالات کو جاری کہتے ہیں اور نصِ قرآن اور بیشمار احادیث کے تواتر کی بناء پر، جو بغیر کسی قید اور شرط کے مسئلہ ختم نبوت میں وارد ہیں، بابِ نبوت کو مطلقاً مسدود مانتے ہیں، اور مرزا بھی بزعم خود آیت خاتم النبیین کی پیروی کرتے ہوئے "نبوت مستقلہ" کو ممنوع مانتا ہے۔ اور "نبوت مستقلہ" کی قید کا اضافہ اپنی مطلب براری کے لیے، خود اپنی جانب سے کرتا ہے۔ پس جس طرح کہ اس محرف نے آیت کا محمل اپنی طرف تراش رکھا ہے (کہ آیت میں نبوت مستقلہ کا دروازہ بند کیا گیا ہے) کیا ٹھیک اسی طرح اہلِ حق کو یہ حق حاصل نہیں کہ تواترِ احادیث کی بناء پر، جو علی رؤس الاشہاد تمام دنیا کی آنکھوں کے سامنے بغیر کسی حرف تنقید کے موجود ہیں۔ نیز اجماع بلا فصل کی بنا پر جو صدر اوّل سے آج تک چلا آتا ہے، اس کی تحریف کو "کالائے بد بریشِ خاوند" کہ کر اس کے منہ پر ماردیں۔

۱۸۔۔۔۔۔ اور یاد رہے کہ رسول اور نبی کے درمیان نسبتِ تباین نہیں ہے۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا[1] میں دونوں جمع ہیں اور ان دونوں کے درمیان نسبتِ مساوات بھی نہیں، کیونکہ ارشادِ خداوندی: وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَّ

---

[1] سورۂ مریم: ۵۱

۱۰

لَا نَبِیَّ ( الخ ) میں دونوں کو بالمقابل ذکر فرمایا ہے، پس جب یہ دونوں نسبتیں نہیں ہیں تو لامحالہ کوئی اور نسبت ہوگی، اور وہ نسبت اسی آیت کریمہ، مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب : ۴۰) سے مستفاد ہوتی ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص۔

رسول ، جمہور علماء کے نزدیک وہ ہے جو کتاب یا شریعت جدیدہ رکھتا ہو، یا شریعت قدیمہ کے ساتھ قوم جدید کی جانب مبعوث کیا گیا ہو۔ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلہ بنو جرہم کی جانب مبعوث ہوئے۔ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو۔ خواہ کتاب جدید، یا شریعت جدیدہ یا قوم جدید رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ رسول اور نبی کے درمیان عموم و خصوص کی نسبت کے اس آیت کریمہ سے مستفاد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر دونوں کے درمیان تساوی کی نسبت ہوتی تو یہاں ضمیر لوٹانے کا موقعہ تھا، نہ کہ اسم ظاہر لانے کا۔ اندریں صورت خاتم النبیین کے بجائے خاتمھم فرمایا جاتا۔ اور خاتم النّبیین میں جو اسم ظاہر لائے وہ اسی نکتہ کے لیے لائے تاکہ کلمۂ عموم سے ہر قسم کی نبوت کا اختتام سمجھا جائے۔ اور آپؐ کے بعد نبوت کے بالکلیہ منقطع ہونے کی صاف صاف تصریح ہو جائے۔ پس یہ طرز نبی کے عموم اور رسول کے خصوص پر دلالت کرتا ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ عام، خاص کے بغیر اسی صورت میں پایا جاتا ہے جبکہ وحی تو ہو مگر بغیر کتاب یا شریعت جدیدہ کے، اسی مادۂ افتراق کی خاطر عنوان کو ضمیر لوٹانے کے بجائے اسم ظاہر کی طرف تبدیل فرمایا۔ پس اس نکتۂ جزیلہ کو سمجھ لینے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ آیت کریمہ جس طرح نبوتِ تشریعیہ کے انقطاع پر نصِ قطعی ہے اس سے کہیں بڑھ کر نبوت غیر تشریعیہ کے انقطاع پر نصِ قطعی ہے۔ اس لیے کہ ضمیر لوٹانے کے بجائے اسم ظاہر اسی مقصد کے لیے واقع ہوا ہے کہ لفظ 'خاتم النبیین' سے ہر قسم کی نبوت عامہ کے منقطع ہونے کی صراحت کر دی جائے۔ اس نکتہ کو قلتِ علم اور کثرتِ جہل کی بناء پر اس کی رعایت نہ ہو سکی۔ والحمد للہ الذی عافانا مما ابتلاہ بہ۔

---

۱ ؎ حضرت شاہ عبدالقادر "موضح القرآن" سورۂ مریم میں فرماتے ہیں: "رسول وہ ہے جو کتاب رکھتا ہو یا امت!" اور مختصر یہ ہے

۱۱

۱۹ـــــــ اور خاتم الانبیاء، انبیاء کرام کی اس تعداد کو جو ان کے شخصی تعارف پر مبنی ہے ختم کرنے کی وجہ سے خاتم الانبیاء ہیں، نہ کسی اور لحاظ سے، اور جس طرح کہ پانچ فردوں کے حق میں آپ کی ابوت ہر اعتبار سے منقطع ہے، اور تبنّی بھی باطل ہوئی، اسی طرح اُمّت سے پانچ مردوں میں نبوت کی بھی کوئی قسم باقی نہیں رہی اور نہ اس کا باقی رہنا مقدر ہوا اور اس کا توارث اور استفادہ بھی باقی نہ رہا۔ البتّہ اس کے بدل میں آپ کی شخصی نبوت دائم قائم ہے، کیونکہ حدیث خود موجود ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں"[1] اور اسی بنا پر اس صورت میں فرمایا: وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ[2] پس دیگر تمام تعلقات کو باقی رکھا، مگر سلسلۂ نبوت کو باقی نہیں رکھا۔

۲۰ـــــــ اور حاصل آیت کا مع لحاظ قصّۂ تبنّی کے یہ ہے کہ تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ ابوت کو جاری سمجھتے ہو، جو کہ اجرائے نبوت کے مناسب ہے، اس کے برعکس ہماری تقدیر میں آپ کے ذریعہ اجرائے نبوت نہیں، بلکہ آپ پر نبوت کا اختتام ہے، پس اسی وجہ سے لفظِ ابوت کو ذکر کیا، نہ کہ لفظ تبنّی کو۔ حالانکہ نزولِ آیت کے وقت آپ کا کوئی فرزند موجود ہی نہ تھا، پس لفظ تبنّی کا ترک کرنا اسی نکتہ کے لیے ہے ورنہ بظاہر حق مقام، تھا کہ ابوت کو نہیں بلکہ تبنّی کو باطل کیا جاتا۔

۲۱ـــــــ اور شاید ارشادِ نبوی: "ہم میراث نہیں چھوڑتے ہیں جو کچھ ہم چھوڑ جاتے وہ صدقہ ہے"[3] اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے یعنی نہ تو مال کی وراثت جاری ہوگی اور نہ نبوت کی، جو کہ باپ سے بیٹے کو میسر ہوا کرتی ہے، چنانچہ آیت کریمہ: يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ[4] اور آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ[5] میں علماء نے دونوں احتمال لکھے ہیں، گویا فرمایا گیا ہے کہ یہاں دونوں وراثتیں نہیں، بلکہ ایک ہی رسالت اور ختم نبوت ہے جو تا قیامت ایک ہی رہے گی۔ ہمیشہ اسی کے ساتھ عاطفت میں لطف اندوز ہوا اور اجرائے وراثت کا انتظار مت رکھو۔

۲۲ـــــــ اور شاید اسی تناسب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ "تم مجھ سے وہی تعلق رکھتے

---

[1] فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۶ مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸ [2] الاحزاب ۶ [3] مشکوٰۃ ص ۵۵۰ [4] مریم ۶ [5] النمل: ۱۶

بجز جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" کیونکہ منشاء استثناء ذاتِ علیؓ کو ذاتِ ہارونؑ سے تشبیہ دینا نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث کے لفظ یہ نہیں کہ "تم بمنزلہ ہارون کے ہو۔" بلکہ یہ ہیں کہ "تم مجھ سے وہی علاقہ رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا۔" یعنی ایک تعلق کی تشبیہ دوسرے تعلق کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو مانگ کر لیا تھا میں نے بھی تجھ کو مانگ کر لیا ہے۔ لیکن اس اخوت سے نبوت بطور ورثہ کے حاصل نہیں ہوگی، اور خصائص صـ۲۹ میں طبرانی کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: "مگر یہ کہ نہ نبوت ہے نہ وراثت۔"

۲۳ــــــ اثباتِ ابوت سے وراثت نبوی جاری ہونے کا وہم ہو سکتا تھا، اور جب آیت کریمہ میں ابوت کی نفی کر دی گئی تو استدراک ختم نبوت کے ساتھ مناسب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی نبوت مقدر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی ہوتی، لیکن وہ بھی مقدر نہ ہوئی۔ پس نبوت کی اس قسم کا نکالنا ہی خالص انکار ہے اور محض اپنی خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لیے ہے اور بس۔

۲۴ــــــ اور جب کسی کام کا صاحب اختیار مالک خود ہی فیصلہ کر دے کہ فلاں سلسلہ جو فلاں حد سے شروع ہوا تھا، ہم اسے فلاں حد پر ختم کر دیں گے۔ اب اگر کوئی شخص اس مقررہ حد کے بعد بھی تاویل و تحریف کے ذریعہ اس سلسلہ کا جاری رہنا تجویز کرتا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ اس مالک مختار سے معارضہ اور مقابلہ کرتا ہے اور اس کے کلام کا مذاق اڑاتا ہے، کیونکہ صاحب امر تو اس سلسلہ کے بقاء کی مدت بیان کر کے اس کی آخری حد مقرر کرتا ہے، اور یہ سرکش خود اسی کے رُوبرو اس کے کلام کے ایسے خود تراشیدہ معنیٰ بیان کرتا ہے جو اس کے مقصود و مدّعا کی عین ضد ہیں۔

۲۵ــــــ پس (ارشادِ خداوندی کے مطابق) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کا زمانہ اجرائے نبوت کا دور تھا (اس لیے انبیاء کرامؑ یکے بعد دیگرے تشریف لاتے رہے) اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دور ختم ہو چکا اور زمانہ آخر تک آپؐ کی نبوت کے ذیل میں شامل ہو گیا۔ (الغرض جب نبوت محض عطیۂ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ[1] خود اعلان

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۶۳ بحوالہ بخاری و مسلم

کر چکا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم کیا جاتا ہے۔ آپ کے بعد کوئی شخص اس منصب پر فائز نہیں ہوگا، اس صریح اعلان کے بعد بھی جو شخص اجرائے نبوت کا مدعی ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ سے مناقشہ کرتا ہے کہ نبوت کی فلاں قسم تو ابھی باقی تھی (نعوذ باللہ) آپ نے غلط فہمی سے مطلقاً ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ کسی کام کے ختم کرنے میں صاحب اختیار کے ساتھ مناقشہ کیوں؟ آخر وہ کس وقت ختم کرتا؟ (اور کس کے مشورے سے کرتا؟ جب مالک مختار اور حکیم مطلق کی جانب سے سلسلۂ نبوت کے بالکلیہ اختتام کا اعلان ہو چکا تو) اس کے بعد یہ سوال کرنا (کہ نبوت کیوں ختم ہو گئی؟ اور یہ کہنا کہ وہ دین تو لعنتی دین ہے جس میں نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہو) یہ ٹھیک اسی طرح کی کٹ حجتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے کہ لوگ ہر بات میں بیہودہ سوالات کیا کریں گے۔ یہاں تک کہا جائے گا کہ ساری چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟[1] لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

۲۶ ــــــ اور کسی کام کی انتہا کبھی تو فقدانِ قابل کے سبب ہوتی ہے (کہ اب کوئی ایسا آدمی ہی میسر نہیں آتا جو اس کام کو کرنے کی صحیح اہلیت رکھتا ہو، اس لیے مجبوراً وہ کام بند کر دینا پڑتا ہے، اور) یہ نقص ہے۔ اور کبھی کسی کام کی انتہا بسبب ارادۂ فاعل کے ہوتی ہے کہ وہ اس کام کو نقطۂ کمال تک پہنچا کر ختم کر دینا چاہتا ہے اور یہ (نقص نہیں بلکہ عین) کمال ہے۔ (چنانچہ ختم نبوت کے مسئلہ میں یہی دوسری صورت پیش آتی ہے کہ نبوت کو اس کی معراجِ کمال تک پہنچا کر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی پر ختم کر دیا گیا)۔

۲۷ ــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ "آپ کو خاتم الانبیاء کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں"[2] (اس سے قادیانی گروہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک آیت خاتم النبیین اجرائے نبوت کے خلاف نہیں۔ مگر اس سے یہ استدلال کرنا قادیانی ملاحدہ کی کج فہمی ہے۔ کیونکہ اول تو یہ قول بلا سند ہے، جو لائق اعتبار نہیں، بالفرض اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے دو صحیح محل ہو سکتے ہیں

[1] مشکوٰۃ ص ۱۸ بحوالہ بخاری و مسلم [2] درّ منثور ص ۲۰۴ ج ۵

ایک) احتمال یہ ہے کہ انھوں نے یہ ارشاد اس وہم کو رفع کرنے کے لیے فرمایا ہو کہ آپؐ
کے بعد معاذ اللہ آپؐ کی نبوت کا قصہ ہی ختم ہوا، اور اب اس کا حکم بھی باقی نہیں رہا۔ یا یہ
کہ آپؐ کے بعد کا زمانہ، زمانۂ فترت کی مانند ہو گیا۔ (اس خیال باطل کی تردید کے لیے فرمایا
کہ یہ تو صحیح ہے کہ آپ خاتم النبیینؐ یعنی آخری نبی ہیں آپ پر سلسلۂ نبوت ختم کر
دیا گیا، اب کوئی شخص منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہو گا، مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ
آپؐ کا دورِ نبوت بس آپؐ کی زندگی تک ہی محدود تھا، اور زمانۂ مابعد کے لیے نہ
کوئی نبی ہے، نہ کسی نبوت کا حکم باقی ہے۔ نہیں! بلکہ خاتم النبیینؐ کی نبوّت کا حکم تاقیامت
جاری وساری رہے گا) جیسا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کو
پیش نظر فرمایا ہو (یعنی خاتم الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی شخص منصبِ نبوت
پر فائز نہیں ہو گا۔ یہ نہیں کہ آپؐ سے قبل کے تمام نبی مر چکے ہیں اور اب کوئی سابق نبی
بھی نہیں آسکے گا۔ بہرحال حضرت صدیقہؓ کے ارشاد سے قادیانی گروہ کا اجرائے
نبوت پر استدلال کرنا حمق و غباوت ہے)

۲۸ ——— شاگرد کا استاذ کے علم کو سیکھ لینا اور اپنی فطری استعداد کے مطابق
اس سے کمالات کا استفادہ کرنا اہل جہاں کی عادت ہے، اسی طرح مرید کا مرشد سے
استفادہ کرنا بھی موجود و معلوم ہے، لیکن یہ صورت کہ کسی شخص میں نبوت منعکس ہو
جائے اور صحبت و ریاضت اور کمالِ اتباع کی بدولت اسے مقام نبوت حاصل ہو جائے،
یہ ایک لایعنی دعویٰ ہے جس سے دین سماوی کی پوری تاریخ ناآشنا ہے، محض
لفاظی ہے جو مفہوم و معنیٰ سے عاری ہے، خالی عنوان جس کے تحت کوئی معنون
نہیں اور نہ اس پر کوئی واقعی حکم مرتب ہو سکتا ہے، اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ ایک شخص دعویٰ
کرتا ہے کہ وہ بادشاہ کا ظل و بروز ہے اور ——— اس "بروزی اتحاد" کی وجہ سے اسے
بادشاہ کا نام و مقام حاصل ہو گیا ہے (لہٰذا شاہی محلات اور حشم و خدم اب اس کے
زیر تصرف ہیں اور ملک کا تمام نظم و نسق اب بادشاہ کے بجائے اس کے سپرد ہے) ظاہر
ہے کہ ایسا شخص واقعتاً بادشاہ کا محب و عاشق نہیں کہلائیگا، بلکہ اسے سرکش، غدار اور باغی

تصور کیا جائے گا، اور) وہ سزائے بغاوت کا مستحق ہوگا اور اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہے گا۔ (ٹھیک اسی طرح جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی اتحاد کا دعویٰ کر کے نبوت کے نام و مقام اور حقوق کو اپنی طرف منسوب کر کے یہ کہے اب میں محمد رسول اللہ ہوں، رحمۃ للعالمین ہوں، اور تمام دنیا کی نجات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بجائے اب میری اتباع میں منحصر ہے۔ ایسا شخص اگر پاگل اور دیوانہ نہیں تو اسلام کا غدار اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی ہے اور وہ جرم بغاوت و ارتداد کی بناء پر قتل کا مستحق ہے)

۲۹ــــــ اور معلوم رہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کے ذریعہ نبوت کا جاری ہونا اس آیت کریمہ میں عربیت کے لحاظ سے بھی باطل ہے ــــــ کیونکہ حرف "لکن" قصر قلب" کے لیے آتا ہے اور اس کا مابعد، ماقبل کے بدل میں واقع ہوتا ہے، اور وہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان تبادل اور تدافع شرط ہے تاکہ بدل اور مبدل منہ جمع نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ کتب نحو و معانی میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ــــــ آیت کریمہ میں 'لکن' سے ماقبل ابوت کی نفی ہے اور 'لکن' کے بعد ختم نبوت کا اثبات ہے، اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ ابوت اور ختم نبوت کے درمیان بلا واسطہ کوئی تدافع نہیں کہ مؤخر الذکر، اول الذکر کے بدل میں واقع ہو سکے اور 'لکن' کے استعمال کی شرط پوری ہو جائے، بلکہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ پس آیت کی تفسیر وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ یعنی ابوت سے اجرائے نبوت کا وہم ہو سکتا تھا، اس لیے ابوت کی نفی کر کے اس کے بدل میں ختم نبوت کو رکھا گیا۔ کیونکہ سنتِ سابقہ کے مطابق بقائے ابوت اور ختم نبوت کے درمیان ایک طرح کا تدافع تھا خوب سمجھ لو۔

۳۰ــــــ نبوت درحقیقت انبیاء کرام کی تکمیلِ ذات کے لیے نہیں ہوتی، کیونکہ تکمیلِ ذات تو ولایت ہے جو نبوت کا ایک ذیلی شعبہ ہے۔ بلکہ نبوت یا تو تشریع کے لیے ہوتی ہے یا شریعت کی حفاظت و بقاء اور اُمت کی سیاست و نگہداشت کے لیے (یہ نکتہ ملحوظ رکھ کر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد نبوت کی ضرورت ہی ختم ہو چکی، کیونکہ) یہاں شریعت خود اوج کمال تک پہنچ چکی ہے (چنانچہ اعلان فرما دیا گیا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ: ۳)) اور شریعت کی بقاء وحفاظت کی کفالت خود حضرت حق جلّ شانہٗ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹) لہٰذا اب نہ تشریع کے لیے اجرائے نبوّت کی ضرورت رہی، نہ شریعت کی حفاظت کے لیے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ واقعہ میں بھی وہ محفوظ ہے۔ (رہی سیاست امت، تو وہ خلفاء کے سپرد ہو چکی ہے) اور تکمیل نفس کا شعبہ وراثۃً (اولیاءِ اُمّت کے سپرد کیا جا چکا۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی منصب ایسا باقی نہ رہا جس کے لیے کسی نئے نبی کی ضرورت ہو۔)

۳۱ــــــــ اور شاید لفظ 'ختم' کا استعمال عرفِ لغت میں اشخاص کے ساتھ زیادہ مناسب ہے اور لفظِ 'انقطاع'، وصفِ رسالت و نبوت کے ساتھ 'انسب' ہے، نہ کہ اشخاص کے ساتھ۔ لفظِ 'ختم' ماقبل کے امتداد کو چاہتا ہے اور یہ امر 'انقطاع' کے مفہوم میں معتبر نہیں۔ پس قرآن نے فرمایا کہ (وہ) اشخاص (جنہیں نبی کہا جاتا ہے) ختم ہو لیے (اور ان کی فہرست مکمل ہو گئی) اور حدیث نے بتایا کہ یہ عہدہ ہی باقی نہیں رہا، یا یوں کہو کہ یہ منصب بند کر دیا گیا (چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ — بیشک رسالت و نبوت منقطع ہو چکی،

فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ (ترمذی) — پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا نہ نبی)

۳۲ــــــــ عالَم کی موجودہ صورت دفعۃً ابتداء ہی سے کامل پیدا کی گئی ہے اور نہ تمائل اور اکوان سے ظہور پذیر ہوتی بلکہ بطور تربیت تمہید سے مقصود کی جانب ترقی ہوتی رہی جیسا کہ جواہر و احجار، نباتات و اشجار اور حیوانات و انسان میں مشاہد ہے۔ چونکہ مخلوق کا آغاز نفسِ واحدہ سے کیا گیا اور پھر اسے عروج و کمال تک پہنچایا گیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ کامل ترین ذات حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ترین دور ہی میں لایا جاتا نہ کہ اس کے برعکس۔ اور جس طرح کہ عالم کی ابتداء آدم صوری و زمانی سے ہوئی ہے نہ کہ کسی اعتباری و اضافی سے۔ اسی طرح انتہاء بھی ایسے خاتم پر ہونی چاہیے جو

ـــــــــ
لہ الحجر: ۹

صورۃً و معنیً دونوں طرح کا خاتم ہو۔ یعنی اس کے بعد اصل نبوت اور کمالِ نبوت دونوں کا انقطاع ہو جائے، نہ کہ وہ فقط اضافی و معنوی خاتم ہو۔ اور یہی مُدّعا ہے حدیثِ عرباض بن ساریہؓ کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ جبکہ حضرت آدمؑ ہنوز آب و گل میں تھے"۔[۱] مراد یہ کہ آغازِ کار ہی سے یہ امر ملحوظ تھا کہ سلسلۂ نبوت کا اختتام مجھ پر ہوگا، زمانہ کے اعتبار سے بھی اور کمال کے اعتبار سے بھی۔ اب اگر آپؐ کی خاتمیت کو حقیقی نہیں بلکہ اضافی فرض کریں تو آدم علیہ السلام سے تقابل فوت ہو جاتا ہے، اور حدیث بے ربط ہو جاتی ہے اور یہ مضمون احادیث میں بار بار آیا ہے۔

۳۳۔۔۔۔۔ اور مخفی نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تمام دائرہ کو اور اس کے مقام و مسافت کو اوّل سے آخر تک طے فرمایا ہے۔ اور اسی بناء پر اوّل و آخر میں ظہور فرمایا، اور آپؐ اس تمام دَورہ پر حاوی ہوئے۔ اندریں صورت کسی شخص کا آپؐ کے بعد آنا، اگرچہ آپؐ سے استفادہ کے ذریعہ آئے، آپؐ کے حق میں ایک نقص ہے، گویا آپؐ بذاتِ خود اس مرحلہ کو طے نہیں کر سکے۔ اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ غبی شقی قادیانی اس سے محروم رہا ہے۔

۳۴۔۔۔۔۔ اور فتوحات کے باب ۳۸۲ میں اس نوعیت کے خواتم اور سوابق پر کچھ بحث کی ہے، اور ان خواتم کے زیر سیادت سابقین کو رکھا ہے، نہ کہ بعد میں ان سے استفادہ کرنے والوں کو، کیونکہ اس صورت میں ختم علی الاطلاق صادق نہیں رہتا۔

۳۵۔۔۔۔۔ اور یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ منتہائے کمال اگر باعتبارِ لمِ کے مبدأ ہے تو باعتبارِ اِنّ کے مرتب اور مستند ہے، جو کہ مؤخر ہوتا ہے۔ اور شاید قوسِ نزول وعروج میں، جو صوفیائے کرام کے یہاں مقرر ہے اور غالباً آیتِ کریمہ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ[۲] میں اور پھر مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ[۳] میں اسی کی جانب اشارہ ہے، اسی طرح ہوگا۔۔۔۔ اور شاید اس قسم کے خواتم میں ختم معنوی یعنی ختم کمالات کی ظاہری صورت سُنّتُ اللّٰہ میں یہی ختم زمانی ہوگی، کیونکہ ہر معنیٰ کے لیے ایک صورتِ مناسبہ ہوتی ہے، اسی طرح

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۵۱۳ بحوالہ شرح السنہ و مسند احمد [۲] الطلاق: ۱۲ [۳] المعارج ۳

ہر مرتبہ و منزلت بھی کسی مناسب صورت میں ہی جلوہ گر ہوتی ہے ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ فاتح اور خاتم بنانا منظور تھا تو اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ آپ کو باعتبار ذات کے مبدا قرار دیا جاتے اور باعتبار زمن کے سب سے آخر میں رکھا جاتے۔ مشہور اشراقی فلسفی شیخ شہاب الدین مقتول، تقدم و تاخر کی تمام اقسام کا مرجع تقدم و تاخر زمانی کو قرار دیتا ہے

۲۶ ۔۔۔۔ اور یہ امر بھی سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ 'ختم' کے مدلول کا تعلق ماقبل سے ہے، نہ کہ مابعد سے ۔۔۔ پس مدلولِ آیت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق انبیاء کرام سے ہے، وہ تمام تر خاتمیت کا تعلق ہے، اور یہ تعلق انبیاء سابقین سے ہے، نہ کہ بعد میں آنے والے نبیوں سے۔ اور انبیاء سابقین کو آپ کی زیر سیادت رکھا گیا کیونکہ کسی پیشرو کا بعد میں آنے کی اتباع کرنا متوخر الذکر کی سیادت و کمال کو زیادہ واضح کرتا ہے بہ نسبت اس کے برعکس (کہ بعد میں آنے والے اپنے پیشرو کی اتباع کیا ہی کرتے ہیں)، الغرض انبیاء سابقین بمنزلہ رعیت کے ہیں اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ سلطان الانبیاء کے ہیں) اور قاعدے کی بات ہے کہ رعیت کے پہلے سے موجود ہوتی ہے، تب سلطان ان کے بعد آتا ہے۔ جیسا کہ شبِ معراج میں انبیاء کرام، بیت المقدس میں جمع ہونے کے بعد نماز کے لیے امام کے منتظر تھے۔ غرضیکہ جو چیز اجتماع کا مقتضا ہو وہ اجتماع کے بعد ہوتی ہے، نہ کہ اس سے قبل ۔۔۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصّہ میں بھی یہی ہوا کہ سامان پہلے سے مہیا کیا گیا، اور خلیفہ بعد میں لایا گیا۔

۲۷ ۔۔۔۔ اور[1] کسی شخصیت پر کمال کا ختم ہو جانا اور مقصد کا اس پر پورا ہو جانا بذاتِ خود

---

[1] قادیانی یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا 'نبی ساز' ہونا آپ کی بہت بڑی فضیلت ہے اور 'ختم نبوت' کو تسلیم کرنے سے یہ فضیلت ختم ہو جاتی ہے۔ آگے دور تک اسی مغالطہ پر بحث چلی گئی ہے کہ اول تو 'نبی ساز' کا افسانہ محض سخن سازی اور طبع کاری ہے۔ قرآن و حدیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں، پھر آپ کی خاتمیت جو اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے، اس کے معارض ہے، اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاتے تو آپ کا

اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے جو نبی ساز ہونے کے مغالطہ سے معارض ہے۔ پس اگر ان دونوں فضیلتوں کو جمع کرنا ہو تو اس کی بس یہی صورت ہے کہ انبیاء سابقین کو آپؐ کے زیر سیادت رکھا جائے اور آپؐ کو ختم کنندہ کمال یقین کیا جائے کیونکہ آپؐ کے بعد بھی اگر نئے نبیوں کی آمد باقی ہو تو اس سے تو یہ ثابت ہوگا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بھی) مقصد نبوت ہنوز پورا نہیں ہوسکا۔ بلکہ تشنۂ تکمیل ہے (اس سے ہر فہیم سمجھ سکتا ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت کا جاری رہنا آپ کی فضیلت و منقبت کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اس سے آپؐ کی تنقیص ہوتی ہے کہ سب سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود آپ مقاصدِ نبوت کی تکمیل نہیں کر سکے، تبھی تو مزید انبیاء کے بھیجنے کی ضرورت لاحق ہوتی۔)

۳۸ـــــــ مختصر یہ کہ انبیاء سابقین کے دور میں زمانہ چونکہ ممتد تھا۔ اس لیے انبیاء کرام کو تکمیل کار کے لیے یکے بعد دیگرے لایا جاتا رہا: اور جب عالم کی بساط لپیٹ دینے کا ارادہ فرمایا گیا تو نوبت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی اور (چونکہ آپؐ کی آمد سے مقاصد نبوت کی تکمیل ہوگئی اور کوئی حالتِ منتظرہ باقی نہ رہی، اس لیے) اس سلسلہ کو ختم فرما دیا اب یہ شبہ کرنا کہ (اگر آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو تو آپ کی) نبوت "نبی ساز" نہیں رہے گی، محض شیطانی وسوسہ اور سوقیانہ واحمقانہ قیاس آرائی ہے، اور براہ راست صاحبِ اختیار مالک الملک کے ساتھ مزاحمت ہے۔

۳۹ـــــــ اور اس کٹ حجتی کا آغاز سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا جس کی وراثت وہ اپنی ذریت کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو "نبیوں کے ختم کرنے والا" بنایا ہے، اور یہ شقی (مرزا) کہتا ہے کہ آپؐ نبی تراشنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسا صریح معاندہ و مناقضہ ابلیس نے کیا تھا جس کی وراثت اس شقی کو پہنچی ہے۔

---

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) "نبی ساز" ہونا انبیاء سابقین کے اعتبار سے ہے، اس میں دونوں باتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ منہ

۴۰ ـــــ اور یہ شتی نبوت کو قوتِ مولدہ پر، جو ابقائے نوع کے لیے ہوتی ہے اور جو ازواجِ متناسلہ میں پائی جاتی ہے، قیاس کرتا ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ عہدۂ نبوت ہی کے ختم ہونے کا اعلان فرماتے ہیں، اور اس نوع ہی کو ختم کر رہے ہیں ـــــ واللہ یقول الحق ــــ و ھو یھدی السبیل۔

۴۱ ـــــ پس حق تعالیٰ نے مجموعہ شخص اکبر میں کہ مجموعۂ عالم ہے، ایک خاص نظام ملحوظ رکھا ہے، اور کمالِ عالم کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا ہے۔ "کسی شے کا مقصد ذہن میں سب سے اوّل ہوتا ہے اور وجود میں وہ سب کے بعد آتا ہے"۔ احقر نے ایک نعت میں کہا ہے: "اے ختم رسل! آپ کی اُمت سب سے بہتر اُمت تھی، اس لیے سب کے بعد وجود میں آئی، جس طرح کہ درخت کا ثمرہ اصل مقصود ہوتا ہے اور فصل کے آخر میں وجود پذیر ہوتا ہے"۔

۴۲ ـــــ اور جانتے ہو کہ جو کثرت کہ وحدت کی طرف راجع اور اس کے رشتہ میں منسلک نہ ہو وہ شیرازۂ منتشر کی طرح ہے، جو رفتہ رفتہ فنا ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز میں جس قدر وحدت قوی تر ہوگی۔ وہ اسی قدر زیادہ معزز ہوگی اور اس کی صورتِ نوعیہ سب سے افضل تر ہوگی۔ انسان کی روح، پھر اس کے جسم، پھر دیگر کائنات و موالید میں درجہ بدرجہ غور کرو۔ کہ یہ بکھرے ہوئے سامان کی طرح نہیں ہیں اور نہ عناصر کی مانند ہیں، جو کہ مادہ ہے۔ اسی وجہ سے فلاسفہ کہتے ہیں کہ مادہ سے کثرت ہے اور صورت سے وحدت۔

۴۳ ـــــ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کتاب نبوت کی تحت تام ہو چکی اور سلسلۂ نبوت ایک خاص نظام کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا، اس کے بعد مرزا قادیانی کی یہ کج بحثی کہ "وہ دین، لعنتی دین ہے جو نبی ساز نہ ہو" (فضل خداوندی پر اعتراض ہے، اگر یہی منطق ہے تو نعوذ باللہ) گذشتہ اُمتوں کو بھی اپنے نبیوں کے مقابلے میں یہ کہنے کا حق حاصل تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تمہی لوگوں کو نبوت کے لیے مخصوص و منتخب کیا گیا؟ اور یہی معارضہ ابلیسِ لعین نے اللہ تعالیٰ سے

سے کیا تھا کہ امرِ خلافت کا مدار آپ کے انتخاب و اجتباء پر کیوں ہے؟ یہ یہی کج بحثی بطورِ وراثت ابلیس سے اس مدعی (قادیانی) کو پہنچی ہے۔

اور حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جس طرح کہ پہلی اُمتیں انبیاء سابقین کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرتی تھیں اور مشیّتِ الٰہیہ کے مطابق نبوّت کے علاوہ دیگر مراتبِ قرب حاصل کرتی تھیں اور اُمت کے کسی فرد کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ انبیاء کرامؑ سے مقابلہ آرائی کرے اور نہ وہ اس معاملہ میں کٹ حجتی کر سکتا تھا (اسی طرح اُمتِ محمدیہ بھی قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظلِّ رحمت میں زندگی بسر کرے گی اور نبوت کے علاوہ جس قدر مراتبِ قُرب، کسی کے حق میں اللہ تعالےٰ کو منظور ہیں انھیں حاصل کریگا لیکن اس کٹ حجتی کا کسی کو حق حاصل نہیں کہ کسی اُمتی کو مقامِ نبوت کیوں نہیں عطا کیا جاتا؟) پس جیسا کہ اُس نبی کی نسبت اُس زمانہ میں اپنی اُمت کے ساتھ تھی اسی طرح اب مشیّتِ الٰہیہ یہ ہے کہ وہی نسبتِ واحدہ آخر زمانہ تک قائم رہے اور یہ تعلق پوری اُمت کے ساتھ ختمِ عالم تک باقی رہے۔

۴۴ــــــ اور ترمذی کی حدیث نے ہر غم و فکر سے اہلِ ایمان کو شفاءِ صدر عطا کر دی ہے (اور قادیانی ملاحدہ کے تمام وسوسوں کا جواب شافی دے دیا ہے) آپ نے فرمایا کہ "رسالت و نبوت بند ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ نبی"۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ خبر لوگوں کو شاق گذری (کہ رسالت و نبوت تو ایک رحمت تھی اس کا انقطاع، اُمت کے لیے موجبِ حرمان ہو گا) آپ نے فرمایا: "لیکن مبشرات باقی ہیں۔" انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مبشرات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "مومن کا خواب! اور یہ اجزاءِ نبوت میں سے ایک جز ہے۔" یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[1] اس حدیث نے اسی قلق کا ازالہ کیا ہے (جو آج قادیانی ملاحدہ کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے) اور صاحبِ فتوحات نے بھی باب ۳۲۳ میں اس سلسلہ میں کچھ تحریر فرمایا ہے۔

۴۵ــــــ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سیادت تمام انبیائے سابقینؑ

---

[1] سنن ترمذی: ابواب الرؤیا ص ۹۲ ج ۲

اور محشر میں تمام انبیاء کرام آپؐ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے، اور نیز چونکہ آپؐ نبی الانبیاء ہیں، جیسا کہ علماء عارفین نے تصریح کی ہے۔ اس لیے انبیاء سابقین نے آپؐ کی ماتحتی میں آکر اس باب میں، بعد میں آنے والے نبیوں سے مستغنی کر دیا ہے، اور اب مزید انبیاء کی حاجت نہیں رہی۔ اور یہ بات صادق آئی کہ آپؐ ایسے نبی ہیں کہ اپنے ماتحت انبیاء رکھتے ہیں، مگر وہ انبیاء سابقین ہیں، نہ کہ آپؐ کے بعد میں آنے والے۔ نظامی فرماتے ہیں: "آپؐ ایسے نبی ہیں کہ سب سے آگے نکل گئے۔ حق تعالےٰ نے ختم نبوت کا منصب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔"

۴۶ــــــ اور یہی مدعا ہے حدیث "نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ"[1] کا۔ یعنی "ہم سب سے بعد آئے اور سب سے آگے نکل گئے۔" اور یہی مفہوم ہے اس حدیث کا کہ آپؐ نے فرمایا: "میں تخلیق میں سب نبیوں سے پہلے تھا۔ اور بعثت میں سب سے آخر میں آیا۔" یہ حدیث ابن ابی شیبہ اور ابن سعد وغیرہ نے روایت کی ہے۔ اور اس کی تفسیر ایک دوسری حدیث میں آئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں اللہ تعالےٰ کے نزدیک 'خاتم النبیین' لکھا ہوا تھا۔ درآنحالیکہ آدم علیہ السلام ہنوز آب و گل میں تھے۔" اس کو بغوی نے شرح السنہ میں اور امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ "مشکوٰۃ" میں ہے[2] اور "لکھا ہوا ہونے" سے مراد محض نبوت کا مقدر ہونا نہیں، کیونکہ یہ چیز تو تمام انبیاء کرام میں مشترک ہے۔ بلکہ اس سے خلعتِ نبوت اور اختصاصِ الٰہی کے ساتھ مشرف ہونا مراد ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت محض عطیۂ ربانی ہے۔ محنت و ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے اوّل اس خلعت کے ساتھ مشرف کیا گیا، گویا عالم وجود میں آپؐ جس وقت بھی چاہیں اس تشریف و تکریم کے ساتھ آراستہ اور اس منصب پر فائز ہوں۔

اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بیشک اللہ تعالےٰ نے

[1] مشکوٰۃ ص ۱۱۹ بحوالہ بخاری و مسلم [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۳

آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھیں اور الذکر' میں تحریر فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ یہ حدیث 'مواہب لدنیہ' میں صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے، مگر صحیح مسلم کے موجودہ نسخہ میں یہ پوری حدیث ان الفاظ میں مجھے نہیں ملی۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل میں مروی ہے کہ "آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی، اور آپ خاتم النبیین تھے۔" (شمائل ترمذی)

"خاتم" یعنی جس چیز سے کسی چیز پر مہر کی جائے وہ لگاتے وقت تو سب سے آخر میں ہوتی ہے، لیکن فکرِ ثانی میں وہ سب سے اوّل واقع ہوتی ہے، اور سب سے پہلے اسی کو کھولا جاتا ہے۔ مسند طیالسی ص ۳۵۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اسی مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے۔[1]

---

[1] مسند طیالسی کی جس حدیث کا حضرت مصنف نور اللہ مرقدہٗ نے حوالہ دیا ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ جب لوگ طلبِ شفاعت کے لیے علی الترتیب حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات) کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ یہ کہہ کر عذر کر دیں گے کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنایا گیا۔ اس کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا مشورہ دیتے ہوئے فرمائیں گے۔

| | |
|---|---|
| ولکن ارأیتم لوان متاعاً | لیکن یہ بتاؤ کہ اگر کچھ سامان کسی ایسے |
| فی وعاءٍ قد ختم علیہ أکان | برتن میں ہو جو سربمہر کر دیا گیا ہو، تو |
| یوصل الی مافیہ حتی | جب تک اس مہر کو کھولا نہ جائے |
| یفض الخاتم؟ | کیا اس برتن کے اندر کی چیز تک |
| فیقولون: لا۔ فیقول فان | رسائی ممکن ہے؟ حاضرین اس کا جواب |
| محمداً صلی اللہ علیہ وسلم | نفی میں دیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ |

۱۲۴ ــــ اس کے بعد یہ شبہہ کرنا کہ دین کامل وہ ہے جو نبی ساز ہو" اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر حصولِ نبوت کا مدار علیت بالطبع اور ایجاب ذاتی پر ہے ــــ جیسا کہ ابلیس سے بحث کی تھی ، اور یہی کٹ حجتی بطورِ وراثت اس کی اولاد (مرزا قادیانی وغیرہ) کو نصیب ہوئی ــــ تو یہ ایک ایسا امر ہے جو خدا تعالےٰ نے پہلے ہی دن تسلیم نہیں کیا - اور اگر نبوت کا حصول اللہ تعالےٰ کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے تو ہم کہیں گے کہ نبوت ، شرف واختصاص کی وہ خلعتِ فاخرہ ہے جو ہر کسی کی قامت پر راست نہیں آتی۔

اور یہاں معاملہ کی نوعیت کچھ اور ہے وہ یہ کہ سلسلۂ نبوت کو اس کے کمال کی آخری حد تک پہنچا کر ختم فرما دیا گیا اور نہیں چاہا گیا کہ اسے انحطاط پر ختم کریں۔ اور نبوت کا یہ اختتام اس وقت ہوا جبکہ کارِ نبوت ختم ہو لیا۔ مقصدِ نبوت پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ، اور عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آ پہنچا۔ نیز حکمتِ خداوندی نے نہ چاہا کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اُمتِ مرحومہ کا تعلق واسطہ در واسطہ ہو ، بلکہ یہ چاہا گیا کہ ایک ہی تعلق اوّل سے آخر تک پوری اُمت کو شامل و محیط ہو۔ نیز یہ نہیں چاہا گیا کہ اُمتِ مرحومہ کے لیے جن امور پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں

ـــــــــــــــــ حاشیہ صفحہ گذشتہ ـــــــــــــــــ

قد حضر الیوم الحدیث ‏ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج یہاں موجود

(مسند طیالسی ص ۳۵۴ طبع حیدر آباد دکن) ‏ ہیں ۔ ان کی خدمت میں جاؤ۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس تشبیہ سے مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "خاتم النبیین" ہیں ، لہٰذا جب تک نبیوں کی مُہر کو نہ کھولا جائے اور آپ شفاعت کا آغاز نہ فرمائیں تب تک انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور نہ کسی نبی کی شفاعت کا حصول ممکن ہے ۔ لہٰذا تم لوگ سب سے پہلے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو ؛ پہلے "نبیوں کی مہر" کو کھولو ، آپ سے شفاعت کا آغاز کراؤ ، تب کسی اور نبی کی شفاعت ممکن ہے ۔ واللہ اعلم (مترجم)

سے کوئی جز باقی رہ جائے، کہ آئندہ کسی مدعیٔ نبوت کے انکار سے وہ کافر ٹھہریں، بلکہ یہ چاہا گیا کہ ان کا ایمان تمام انبیاء سابقین کے پورے سلسلہ کو حاوی ہو، کیونکہ حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تمام انبیاء سابقین (علیہم السلام) پر ایمان لانے کو متضمن ہے، اور خاتم الانبیاءؐ پر ایمان لانے کے بعد اس سلسلہ کا کوئی جزو ایمان باقی نہیں رہ جاتا۔

۴۸۔۔۔۔ موضح القرآن میں سورۂ اعراف کی آیت وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ کے ذیل میں اس مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے اور سورۂ حج میں بھی[1] اور یہی مدعا ہے اس آیتِ کریمہ کا: (اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔[2]

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"یہ اس اُمت پر حق تعالےٰ شانہٗ کا سب سے بڑا انعام ہے کہ ان کے لیے ان کے دین کو کامل کر دیا۔ اس لیے وہ اپنے دین کے سوا کسی اور دین کے اور اپنے

---

[1] سورۂ اعراف کی آیت کے ذیل میں حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "شاید حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے حق میں دنیا اور آخرت کی نیکی کی جو دعا مانگی مراد اس سے یہ تھی کہ سب اُمتوں پر مقدم رہیں۔ فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقے پر مخصوص نہیں۔ سو عذاب تو اس پر جس کو اللہ چاہے اور رحمت سب کو شامل ہے، لیکن وہ خاص رحمت لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کی ساری باتیں یقین کریں، یعنی آخری اُمت کہ سب کتابوں پر ایمان لاویں گے۔ سو حضرت موسٰی علیہ السلام کی اُمت میں جو کوئی آخری کتاب پر یقین لاوے وہ پہنچے اس نعمت کو، اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی دعا ان کو لگی۔"

اور سورۂ حج کی آخری آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "یعنی پسند کیا تم کو اس واسطے کہ تم اور اُمتوں کو سکھاؤ، اور رسول تم کو سکھا دے، اور یہ اُمت جو سب سے پیچھے آئی سب کی غلطی اس پر معلوم ہوئی، سب کو راہ صحیح بتاتی ہے۔" [2] المائدہ: ۳

نبی (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کے سوا کسی اور نبی کے محتاج نہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا، اور تمام جن و انس کی طرف مبعوث فرمایا۔"
(تفسیر ابن کثیر)

پس اہلِ حق نے سلسلۂ نبوت کے اختتام کو نعمت و رحمت شمار کیا ہے (جب کہ قادیانی کے نزدیک یہ نعمت معاذ اللہ لعنت ہے) اور یہی مصداق ہے ارشادِ خداوندی: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [1] کا۔ یعنی "ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

۴۹ ــــ اور حق تعالیٰ آیاتِ کریمہ میں تمام اُمتوں کو ایک طرف اور اس امتِ مرحومہ کو دوسری طرف رکھتے ہیں، اور پوری اُمت کو اوّل سے آخر تک ایک ہی اُمت شمار کرتے ہیں، اس سلسلہ کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے۔

۱ــ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ (آل عمران: ۱۱۰)

۲ــ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ: ۱۴۳)

۳ــ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء: ۴۱)

۴ــ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (الحج: ۷۸)

۵ــ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ۔ (النحل: ۸۹)

اور حق تعالیٰ شانہٗ خاتم الانبیاء کی بعثت کو قیامت کے متصل رکھتے ہوئے آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی اُمت نہیں رکھتے، پس جب تمام اُممِ سابقہ کو ایک طرف اور اُمتِ مرحومہ کو دوسری طرف رکھا گیا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے متصل مبعوث فرما کر اُمتِ مرحومہ کا دامن قیامت تک وسیع کر دیا گیا تو اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ آخری نبی

[1] الانبیاء: ۱۰۷

ہیں۔ اور آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں۔ بلکہ قیامت تک اُمت مرحومہ پر آپؐ ہی کا سایۂ نبوت ورحمت محیط رہے گا۔ والحمد للہ)

۵۰۔۔۔۔۔۔اور قادیانی ملحد کا یہ کہنا کہ "وہ دین لعنتی دین ہے جس میں نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہو" اس کے جواب میں بطورِ معارضہ کہا جائے کہ وہ دین، دینِ رحمت نہیں جس کے تمام اجزاء پر آدمی ایمان لائے، مگر باوجود اس کے محض کسی شقی کی نبوت کے انکار سے کافر ٹھہرے۔ نیز قادیانی سے یہ سوال کیا جائے کہ آیا دین کے بارے میں بھی یہ منطق جاری ہوگی کہ وہ دین، دینِ رحمت نہیں جو نئے دین کو پیدا نہ کرے۔ نیز یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ اس شقی کی نُبوت، جس نے اب تک کوئی نبی پیدا نہیں کیا، اور نہ اس پر وہ راضی ہے۔ اس پر بھی لعنت ہے یا کیا ہے؟

۵۱۔۔۔۔۔۔اور گزشتہ بحث سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "واسطۃ العقد" (ہار کے درمیانہ موتی) کی حیثیت سے عالمِ وجود میں نہیں لایا گیا کہ آپؐ کا تعلق سابقین سے کچھ اور نوعیت کا ہوتا اور لاحقین سے کسی دوسری نوعیت کا۔ نہیں بلکہ آپؐ کو صدرِ جلسہ کی حیثیت سے لایا گیا ہے کہ ساری تمہید پہلے ہوا کرتی ہے، اور صدرِ جلسہ کی آمد کے بعد جلسہ کا اختتام ہو جاتا ہے، اور مقصد ختم ہو جانے کے بعد سوائے کوچ کا نقارہ بجانے کے اور کوئی کام باقی نہیں رہ جاتا، ورنہ لازم آئے گا کہ مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا۔

۵۲۔۔۔۔۔۔(قادیانی نے نبوت کو بادشاہت پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ شہنشاہ وہی کہلاتا ہے جو اپنے ماتحت بہت سے بادشاہ رکھتا ہو۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمالِ نبوت اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے جب کہ آپؐ کے فیضِ نبوت سے بہت سے نبی وجود میں آئیں۔ لیکن) اس شقی ازلی نے بزعمِ خود کمال ثابت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کا التزام کیا ہے۔ کیونکہ شہنشاہ کو اپنے ماتحت بادشاہوں اور جانشینوں کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ مقصد ہنوز نامکمل ہے، کیونکہ سلطنت کا سلسلہ جاری ہے۔ (اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف

آوری سے مقصد رسالت پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا) اور کوئی حکیم و دانا مقصد کی تکمیل کے بعد کام کو جاری نہیں رکھا کرتا۔ (اب اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بھی انبیاء کے مبعوث ہونے کی ضرورت باقی ہے تو اس کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ آپؐ مقصدِ رسالت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے معاذ اللہ قاصر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر آپؐ کی تنقیص اور کیا ہو سکتی ہے) پس ایک طرف مقصد کی تکمیل کو اور دوسری طرف اس شق کے قیاس کو رکھ کر دونوں کا اچھی طرح موازنہ کرو۔

۵۳ــــــ علاوہ ازیں یہ کہنا کہ "شہنشاہ" اپنے ماتحت بادشاہوں کو پیدا کیا کرتا ہے نہایت سطحی بات ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی شخصی سلطنت ہوتی ہے جو کارپردازی کے لیے اپنے ماتحت نائب مقرر کرتی ہے، اور ولی عہد اصل کی غیر موجودگی کے سبب مقرر کیا جاتا ہے ـــ ان تمام لوگوں کی ضرورت محض اس بناء پر پیش آتی ہے کہ بادشاہ کی ذات تن تنہا حکومت کا تمام کاروبار چلانے سے قاصر ہے۔ اور یہاں اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد انبیاء کی پیدائش اعمال نبوت کے لیے فرض کی جائے تو غلط ہے۔ کیونکہ ذات سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے کفایت فرما دی ہے اور اگر نئے نبیوں کی آمد محض ان کی ذات کے لیے ہے، اُمت اور اعمالِ اُمت سے انہیں کوئی سروکار نہیں، تو درحقیقت یہ نُبوت ہی نہیں۔ باقی رہی سیاست اور اُمت کی نگہداشت، تو حدیث میں ختم نبوّت کا اعلان کر کے سیاستِ اُمت کو خلافت پر چھوڑ دیا ہے اور روحانی تربیت کا منصب ولایت کے سپرد ہے جو نُبوّت کا ایک ضمنی شعبہ ہے۔ (الغرض خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد جدید نبوت کا کوئی مصرف ہی باقی نہ تھا، اس لیے یہ منصب ختم کر دیا گیا۔)

۵۴ــــــ اور یہاں ابلیس کی بحث کی مراجعت کی جائے، جس کا خلاصہ شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں یہ ذکر کیا ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ کے علم و قدرت میں کلام نہیں تھا بلکہ اس کی حکمت پر اعتراض تھا[۱] اور اس نیم حکیم کے نزدیک اسے متعدد

---

[۱] شہرستانی نے متعدد شبہات میں ابلیس اور ملائکہ کے درمیان مناظرہ نقل کرتے (باقی اگلے صفحہ پر)

اصول میں کلام تھا، اور اس کی اصل بحث اس امر میں تھی کہ (نبوت و رسالت اور دیگر مواہب الٰہیہ کا مدار) ایجاب بالذات اور طبعی صلاحیت پر ہے ؟ یا کہ حق تعالٰے شانہٗ کے ارادہ و اختیار اور مشیئت پر ؟ (ابلیس شقِ اوّل کا قائل تھا، یہی وجہ ہے) کہ وہ ہر کام کی علّت کے بارے میں اُلجھتا ہے اور (اس کے برعکس) آدمؑ اور اولادِ آدمؑ (کا مسلک یہ ہے کہ وہ خدا تعالٰے کے کسی فیصلہ پر چون و چرا نہیں کرتے کہ یہ تقاضائے عبدیت کے خلاف ہے، بلکہ وہ) معاملہ کو صاحب معاملہ (جلّ شانہٗ) کے سپرد کر کے اطاعت و تسلیم بجا لاتے ہیں اور اپنی عبدیت پر نظر رکھتے ہیں' (اور سچ پوچھو تو آدمیت کی محبوب ترین ادا یہی عبدیت اور تفویض و تسلیم ہے۔ چنانچہ انسانیت کے گلِ سرسبد اور اولادِ آدمؑ کے مایۂ افتخار سیدنا محمّد صلّے اللہ علیہ وسلّم کا سب سے بڑا وصف یہی بیان کیا گیا ہے) کہ عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور (اس کے مقابلہ میں) شیطان

———————(حاشیہ صفحہ گزشتہ)———————

ہوئے لکھا ہے کہ ابلیس نے فرشتوں سے کہا :

"میں مانتا ہوں کہ باری تعالےٰ میرا اور ساری مخلوق کا معبود ہے، وہ عالم ہے، قادر ہے، اس کی قدرت و مشیئت پر بحث نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرے تو اس کے کلمۂ "کن" سے وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے، وہ حکیم بھی ہے، مگر اس کی حکمت پر چند سوالات متوجہ ہوتے ہیں، فرشتوں نے پوچھا وہ سوال کیا ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ وہ ملعون بولا : سات !"

"اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے فرمایا : اس سے کہو کہ تو اپنے پہلے اقرار میں، کہ میں تیرا اور ساری مخلوق کا معبود ہوں، صادق اور مخلص نہیں۔ کیونکہ اگر تو واقعی تصدیق کرتا کہ میں الٰہ العالمین ہوں تو "یہ کیوں ؟ اور وہ کیوں ؟" کی منطق کے ساتھ مجھ پر حکم چلانے کی کوشش نہ کرتا؟"

(دیکھئے الملل والنحل بحاشیہ کتاب الفصل لابن حزم ص۱۳ تا ص۱۴) مترجم

ہے جو مالک سے اختیار میں نزاع کرتا ہے اور ہر بات کی علت میں اُلجھتا ہے۔

یہ آیت کریمہ و اذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفة متعدد مسائل و فوائد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس میں ایمان باللہ کے بعد مسئلہ نبوت ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو مبعوث فرمائیں گے جن کی اطاعت فرض ہوگی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جبھی معتبر ہے جبکہ اس کے حکم سے اس کے مامور کی اطاعت کی جائے، اور یہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے حد فاصل اور فیصلہ کن معیار ہے اور یہی مطلب ہے حق تعالیٰ اس ارشاد کا کہ: "حکم ماننا اللہ کا اور حکم ماننا رسول کا"[1] نیز اس ارشاد کا کہ: "اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس واسطے کہ اس کا کہا مانا جائے اللہ کے حکم سے"[2] نیز اس حدیث کا جس میں آپ نے ایک خطیب کو فرمایا تھا کہ: "یوں کہہ کہ جو شخص نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی"[3] اس حدیث میں قرآن کریم سے اقتباس کرتے ہوئے اللہ و رسول کو الگ الگ ذکر فرمایا۔ کسی شخص کا اپنی عقل سے کسی کی اطاعت کرنا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو جب متحقق ہوتی ہے جبکہ اس کے حکم سے کسی دوسرے کی اطاعت کی جائے (چنانچہ قصۂ ابلیس و آدم میں شیطان نے خدا کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا، بلکہ اس کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سربسجود ہونے سے انکار کیا جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا اس لیے خدا کا نافرمان اور منکر ٹھہرا) نیز اس آیت میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ حُسن و قبح شرعی ہے یا عقلی، اور تعدیل و تجریہ، اسماء و احکام اور وعدہ و وعید کے مسائل بھی ہیں۔ یہ تو شہرستانی نے ذکر کیے ہیں۔ نیز اس میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ خیر و شر کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور یہ کہ علوم کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے علم پر ہوتی ہے، اسی واسطے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی۔ اور یہ کہ انسان کا شرف عبدیت اور توبہ و انابت میں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا، اور وہ سب سے باز پرس کرسکتا ہے۔ نیز اس میں مراحم ملکیہ (شاہانہ نوازشوں) کا مسئلہ ہے اور یہ کہ یہ (اللہ کے رحم و کرم سے فیض یاب ہونے کی) آخری تدبیر ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] النساء ۵۹ [2] النساء ۶۴ [3] صحیح مسلم ص ۲۸۶ ج ۱

اور اس قصّہ (آدمؑ و ابلیس) سے یہ بھی معلوم ہؤا کہ ایمان میں خلل قابلِ برداشت نہیں ہاں اعمال میں تقصیر اور کوتاہی ہو تو قابلِ مغفرت ہے۔

۵۵ ــــــــ اور جب قرآن کریم نے اعلان کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اشخاصِ انبیاءؑ کے خاتم ہیں تو (اس کے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہیں کہ انبیاء کرامؑ کی جو تعداد علم الٰہی میں طے شدہ تھی آپؐ پر اس کا اختتام ہو چکا۔ آپؐ سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد تھے۔ آپؐ کے بعد اب کوئی ایسی شخصیت باقی نہیں رہی جس کا نام انبیاء کی فہرست میں درج ہو۔ لہٰذا آپؐ کے بعد حصولِ نبوت کا دروازہ بالکلیہ بند ہو چکا، اور اب) مجازاً اتحاد (یا ظل و بروز وغیرہ کا دعویٰ بھی) نبوّت کے اجراء و بقاء کے لیے سودمند نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ امر قطعی و بدیہی ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ اپنی شخصیّت کے اعتبار سے الگ الگ اشخاص ہیں (ان کے اسی شخصی تغایر کے لحاظ سے ان کی ایک قطعی تعداد علمِ الٰہی میں معیّن ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی) اور نصِ قرآن اسی تغایرِ اشخاص پر مبنی تعداد کو ختم کرنے کے لیے وارد ہوئی ہے نہ کہ وساطت و عدمِ وساطت پر (مدار رکھنے کے لیے۔ لہٰذا یہ کہنا) کہ (خاتم النبییّن کے بعد بلا واسطہ نبوّت کا دروازہ تو بند ہے، مگر بالواسطہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے) یہ قرآن کی تحریف اور اس کے مقصود کو باطل ٹھیرانا ہے جس کا منشاء محض شیطانی فریب اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے۔ اس لیے کہ اگر بالفرض نبوت بالواسطہ بھی (کسی شخص کو حاصل) ہوتی تب بھی تعدّدِ اشخاص سے تو الگ نہیں ہو سکتی تھی، (بلکہ لا محالہ ایسے شخص کی نبوت بھی فہرستِ انبیاءؑ میں ایک نئے نبی کا اضافہ کرتی) حالانکہ قرآن نے اس قصہ ہی کو ختم کر دیا۔ اور تمام نبیوں کا ان کے اشخاص کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے احاطہ کیا ہے نہ کہ نبوت کی کسی خاص قسم کے اعتبار سے (پس قرآن یہ نہیں بتاتا کہ نبوت کی فلاں فلاں قسمیں ختم ہو چکی ہیں اور فلاں قسم ابھی باقی ہے۔ نہیں! بلکہ وہ تو یہ اعلان کرتا ہے کہ

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور ہر گنہگار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ نیز اس میں انبیاء کرام کے تمام مخلوق سے افضل ہونے کا مسئلہ ہے۔ نیز ایجاب و اختیار کا مسئلہ بھی ہے۔ منہ

نبیوں کی کُل تعداد، جو عند اللہ مقرر تھی، وہ ایک ایک کرکے پوری ہو چکی ہے" لہٰذا نبوت کی تقسیم کرنا اور بالواسطہ، بلا واسطہ، مستقل غیر مستقل کی رٹ لگانا قرآن کی نظر میں سراسر لغو ولا یعنی ہے۔)

۵۶ ـــــ علاوہ ازیں اتحادِ مجازانہ، ولولۂ عاشقانہ، فنا و محویت اور اس طرح کی دیگر اصطلاحات کا اطلاق ارباب عشق میں ہوتا آیا ہے اور یہ کسی قدر وجہ تسمیہ بھی پیدا کر سکی ہیں۔ لیکن سب کچھ حقیقت واقعیہ پر محمول نہیں، بلکہ احوال اور خیال آفرینی کے قبیل سے ہیں، چنانچہ مشہور ہے کہ "فقر خیال بندی کا نام ہے"۔ اور اگر کسی از خود رفتہ عاشق نے "من تو شدم، تو من شدی، من جان شدم تو تن شدی۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم، تو دیگری" کا نعرہ لگایا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ سچ مچ عاشق و معشوق کی ذات متحد ہو گئی اور اب ان کی دونوں شخصیتوں کے الگ الگ احکام باقی نہیں رہے، بلکہ یہ تصورات کی دنیا میں عاشق و معشوق کی نقطۂ نظر میں ایک سمجھنے اور اس سلسلہ میں تیز نگہی کا مظاہرہ کرنے کے باب سے ہے، یہ نہیں کہ (ان خیالی تصورات سے) حقائق بدل جائیں اور احکام میں تغیر و تبدل ہو جائے (کہ نعوذ باللہ بندہ پر خدا کے یا خدا پر بندہ کے احکام جاری ہونے لگیں یا کوئی فنا فی الرسول کا مدعی واقعۃً محمد رسول اللہ بن بیٹھے)

۵۷ ـــــ اور عالم خیال اپنے دائرے میں ایک وسیع مملکت رکھتا ہے، اور یہ تمام کا تمام امثال و صُوَر کے قبیل سے ہے، نہ کہ حقیقتِ واقعیہ کے باب سے۔ اور اس کے آثار و احکام اِس جہان میں مشاہَد و معلوم نہیں ہیں۔ لہٰذا ان فدویانہ الفاظ اور از خود رفتہ لوگوں کے اقوال کی بناء پر شریعتِ سماویہ اور قانون الٰہی کے احکام کو بدل ڈالنا الحاد و زندقہ ہے۔

ان احوال و اقوال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی اصلاح و تاویل کی جائے اور ان کے قائلین کی گلو خلاصی کی صورت پیدا کی جائے، یہ نہیں کہ ان کے ذریعہ دوسروں کی گردن ناپی جائے۔ اور جو کچھ کہ اس ملحد نے حقیقۃ الوحی صہ۹۲ میں کہا ہے۔ مع قل یا عبادی کی تفسیر باطل کے، یہ قرآن کا

شیرہ نہیں ہے[1]

اور فرق ظاہر جس میں مرتبۂ نفس الامر بھی شامل ہے۔ اس کو لغو قرار دینے کا راستہ باطنیہ اور حلولیہ ہمیشہ سے ہموار کرتے آئے ہیں۔ اور قرآن کریم انہی تحریفات کی اصلاح کے لیے نازل ہوا ہے جو مختلف ادیان میں (اس قسم کے لوگوں کی کج فہمی سے) پیدا ہو گئی تھیں۔ مثلاً یہود میں عقیدۂ رجعت، اور نصاریٰ و ہنود میں عقیدۂ حلول۔ (اب انہی تحریفات کو قرآن میں ٹھونسنا بد ترین ظلم و الحاد ہے۔)

۵۸ ـــــ اور معلوم رہے کہ علمائے ظاہر، ظاہر شریعت سے باطن کی طرف جا کر، اور خود کو فرمانِ الٰہی و نبوی کی صورت میں مقید کر کے سلامتی میں رہے ہیں۔ خواہ حقیقت و معنیٰ تک بلا کم و کاست پہنچے ہوں یا صرف اطاعتِ فرمان میں کوشاں رہے ہوں۔ جیسا کہ علمائے باطن، باطن سے ظاہر کی طرف آتے ہوئے پوشیدہ اسرار و رموز کے اظہار میں کبھی کبھی ٹھیک نشانے پر اپنا تیر نہیں لگا سکے، اور یہیں سے اختلاف رونما ہوا۔ یہی سبب ہے کہ بسا اوقات انھوں نے ایسی چیزیں بیان فرمائیں جو دوسروں کے فہم تک نہ پہنچ سکیں، باوجودیکہ انھوں نے مبسوط اور ضخیم کتابیں لکھی تھیں۔ اور ایک صاحبِ فن عالم یہ سمجھتا ہو گا کہ اس قدر توضیح و تشریح کے بعد اب کونسی بات لوگوں کی استعداد سے بالاتر رہی ہو گی، مگر واقعہ یہ نہیں، بلکہ سیکڑوں اور ہزاروں امور اب بھی فہم سے بالاتر رہ گئے ہیں۔ اور خود صوفیائے کرام نے وصیت فرمائی ہے کہ اجنبی لوگ، جو ہمارے "حال کا ذوق" نہیں رکھتے، وہ ہماری کتابوں کا مطالعہ نہ کریں[2]۔ خود انہی کی وصیت کے بعد اور کیا چاہتے ہو؟ ابن خلدون نے مقدمہ میں اس

---

[1] اس مقام میں مرزا کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فنا و محویت کی حالت میں نبیوں پر بطور استعارہ "خدا" اور "خدا کے بیٹے" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر قل یٰعبادی میں لوگوں کو "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے" کہا گیا ہے۔ مترجم۔

[2] علامہ شعرانیؒ نے اس پر بہت اچھی بحث کی ہے دیکھئے الیواقیت ص ۱۰، ج ۱۔ مترجم

سلسلہ میں کچھ لکھا ہے [1]:

۵۹ ـــــــ اور معلوم رہے کہ ایمان اور کفر کے مابین حدِ فاصل صرف ایک حرف ہے اور وہ ہے انبیاء کرامؑ پر ایمان لانا اور ان کی تعلیم و ہدایات پر انحصار کرنا۔ یہی چیز ہے جو ایمان و کفر کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچتی ہے ورنہ تمام قومیں اثباتِ باری تعالےٰ کے مسئلہ میں بعض بعض چیزوں کا اعتقاد رکھتی ہیں، لیکن حق تعالےٰ کے وجود کو تسلیم کر لینے بعد وہ اس کی جانب سے آمدہ تعلیم و ہدایات پر انحصار نہیں کرتیں بلکہ حقوقِ عبدیت کی ادائیگی میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتی ہیں۔ بخلاف ادیانِ سماویہ کے کہ ان کا تمام تر انحصار ہدایاتِ ربانی پر ہے۔ (جن کی تعلیم انبیاء علیہم السّلام کے ذریعہ دی گئی ہے) اور یہ جو بعض ملاحدہ کا خیال ہے کہ "انبیاء کرام کی تعلیم اگر صحیح بھی ہو تب بھی ان کی ذات پہ ایمان لانے کو کیوں جزوِ ایمان قرار دیا جائے"۔ یہ خیال مسخِ فطرت کی علامت ہے۔ کیونکہ جب ہم نے خدا تعالےٰ کی جانب سے نازل شدہ ہدایات پر انحصار کیا تو لامحالہ خدا اور بندوں کے درمیان پیغامبروں کی ضرورت لاحق ہوئی اور ہدایات کا توقف ان کی ذات پر ٹھہرا۔

۶۰ ـــــــ نیز یہ بھی معلوم رہے کہ حضرات انبیاء اور حُنفاء کی عبادت محض عبدیت ہے، کہ وہ (ہمیشہ) تفویض و تسلیم اور ربّ العالمین پر توکّل کے راستہ (پہ گامزن رہتے ہیں، اس) کے علاوہ اپنی جانب سے ایک حرف بھی درمیان میں نہیں لاتے، نہ (احکامِ خداوندی میں) اپنی عقل کا کوئی دخل دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عبدِ مطلق اپنی ناچیزی و بے مائیگی اور تمام معاملات و اختیارات کو آقا کے سپرد کرنے کے سوا اور کوئی مطمحِ نظر نہیں رکھتا۔ بخلاف صابئین کے، جن میں بُت پرست بھی شامل ہیں، کہ وہ عبادت کا طریقہ اپنی عقل سے تجویز کرتے ہیں اور اعمالِ سفلیہ کے ذریعہ علویات کی تسخیر سے رسومِ عبادت بجا لاتے ہیں۔ مثلاً ہیکل اور مورتیاں بنانا، اور منتر جنتر پڑھنا وغیرہ ـــــ گویا ان کی عبادت کا حاصل ایک قسم کا جادو اور عملِ تسخیر ہے۔ یہ فرق ہے انبیاء اور غیر انبیاء کے دین میں۔

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۶۷۔ بابؔ، فصل ۱۱

۶۱۔۔۔۔۔۔ اس عالم میں عقلاؔ و علماؔ اور عارفین کے کسی گروہ کے درمیان اختلاف رائے کبھی ختم نہیں ہوا، سوائے انبیاء علیہم السلام کے ۔ کہ ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی نہ کبھی دوسرے نبی کی ہجو کی ، نہ اس کی کسی بات پر رُدّ کیا ۔ پس سلامتی اس میں ہے کہ ان سے احکام کی باطنی حکمت کا مطالبہ نہ کیا جاسکے، بلکہ بغیر چون وچرا اور بحث ومباحثہ کے ان کی اطاعت کی جائے۔

عالم تشریع ، جو عالم تکوین کی سطح ہے، اس میں بسبب اور مسبّب کا باہمی ربط بسا اوقات (اتنا دقیق ہوتا ہے کہ اربابِ نظر کو بھی) نظر نہیں آتا ، اطاعت شعار عاقل و بالغ کے لیے زیبا نہیں کہ اس سطح کو توڑ کر باطنی ربط و تعلق کے مطالبہ میں اُلجھے ۔ اور باطنی حکمت اور اندرونی حقیقت کے کھل جانے تک قانونِ الٰہی کی تعمیل کو معطل رکھے، شیطان کی ضد اور ہٹ دھرمی درحقیقت یہی تھی (کہ جب تک سجدۂ آدم کی حکمت نہ بتائی جائے اس وقت تک فقیر تعمیلِ حکم سے قاصر ہے) بخلاف سنّتِ انبیاء علیہم السلام کے (کہ ان کا ذوق احکامِ الٰہیہ کے بارے میں یہ ہے :

زباں تازہ کردن با قرارِ تو

نینگیختن علّت از کارِ تو

۶۲۔۔۔۔۔۔ چونکہ حضراتِ صوفیاؔ کے محاورات و اصطلاحات کا سلسلہ ایک علیحدہ اور مستقل سلسلہ ہے (اس لیے فنِ تصوّف کی اصطلاحات کو اگر فقہ و عقائد اور دیگر علومِ ظاہری سے گڈمڈ کر دیا جائے تو اس سے الحاد و زندقے کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ چنانچہ) یہ ملحد (بھی یہی کرتا ہے کہ) فنِ تصوّف کے بعض اجزا کا سرقہ کرکے انہیں علومِ ظاہری کے بعض اجزاء سے جوڑ دیتا ہے اور اس خلط و تریب سے الحاد کا نتیجہ نکال لیتا ہے جو کہ دانا کا کام اور مومن کا شیوہ نہیں ہے ۔

سادہ لوح ، سادہ منش یا محروم القسمت لوگ اس کے اس دعویٰ کو دیکھ کر کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے مرتبۂ نبوت پایا ہے"۔ نقدِ ایمان اس کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص سچ مچ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۳۶

کے فدا کاروں میں سے ہوگا ، لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس نے آیت (ختم نبوت) کی تاویل و تحریف یہی تو کی ہے (کہ جو شخص فنا فی الرسول ہو، اسی کو نبوت ملتی ہے) اور اسی زندقہ کے ذریعہ اس نے نبوت کا دروازہ کھولا ہے، اس لیے اس کو (اپنی مطلب برآری کے لیے) اس دعویٰ (فنائیت) کے اصرار و تکرار کے بغیر چارہ نہیں۔ اور (یہ صرف اسی دجّال پر منحصر نہیں، بلکہ) سب دجّالوں نے یہی کیا ہے (کہ محویت و فنائیت ایسے بلند بانگ دعووں سے مخلوقِ خدا کی آنکھوں میں خاک ڈالی) یہاں تک کہ دجّالِ اکبر بھی شروع میں اپنی نیکی و پارسائی کا مظاہرہ کرے گا، جیسا کہ فتح الباری میں روایت نقل کی ہے[1]۔ بعد ازاں تدریجاً دعویٰ خدائی تک پہنچے گا۔ ورنہ اگر وہ ابتداء میں پارسائی و پرہیزگاری کی نمائش نہ کرتا تو اس کی دعوت کو فروغ اور مقبولیت حاصل نہ ہو سکتی۔ اسی طرح یہ دجّالِ (قادیان) بھی دعویٰ اتباع (محض اپنی مطلب براری کے لیے کرتا ہے، جس) میں وہ منفرد نہیں ہے۔

۹۳ ———— اور (مرزا قادیانی ایک طرف تو بڑی شدّ و مد سے کہتا ہے کہ حصولِ نبوت کے لیے "سیرت صدیقی کی کھڑکی" کھلی ہے، اور اتباعِ نبوی کی وساطت سے اس اُمت میں بھی نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن) اسی کے ساتھ اجرائے نبوت سے جو اصل غرض تھی، (یعنی اپنے تئیں نبی بلکہ 'آخری نبی' ثابت کرنا) اس کو بھی اپنے ہمراہ رکھا کہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک) نہ اگلوں میں سے کوئی شخص اس مرتبہ (نبوت) تک پہنچا، نہ بعد میں آنے والوں میں سے (کسی کو یہ مرتبہ نصیب ہو گا) کسی بندۂ خدا کو یہ ہدایت نہ ہوئی کہ (اس 'نئے نبی' پر ایمان لانے سے پہلے اس سے کم از کم اتنا ہی پوچھ لیتا کہ حضرت!) جب نبوت کا دروازہ کھلا ہے تو پھر (آپ کے سوا کسی دوسرے کے لیے یہ شجرۂ ممنوعہ کیوں ہے؟ آخر دوسروں کے حق میں یہ رکاوٹ کہاں سے نکل آئی؟ گویا (مرزا نے) سارے اصول، دوسروں پر نبوت کا دروازہ بند کرنے اور اپنے لیے کھولنے کے واسطے وضع کیے ہیں۔ دوسروں

---

[1] باب ذکر الدجال ص ۹۰، ج ۱۳

پر نبوت کے بند ہونے کے ثبوت میں ختم نبوت کو پیش کرتا ہے اور اپنے لیے نبوت کا دروازہ کھول لیتا ہے۔ دیکھئے رسالہ ترک مرزائیت ص ۲۹، ۲۰ - نیز مصباح العلیہ ص ۱۹۔

۴۴ —— مرزا کہتا ہے کہ "پہلے انبیاء جو بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کے دین کی تائید کے لیے آئے، ان کی نبوت اتباع کا ثمرہ نہ تھی۔ بخلاف اس اُمت کے" [1] اس سلسلہ میں وہ اگر کچھ کہہ سکتا ہے تو یہی کہہ سکتا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت میں موسیٰ علیہ السلام کی ذات کا دخل نہیں تھا۔ لیکن یہ بات اس کے کلام سے غیر شعوری طور پر اس دین میں بھی لازم آتی ہے، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "وہ دین لعنتی دین ہے جس میں نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہو" [2] پس اس نے اجرائے نبوت کو دین کا

[1] اس سلسلہ میں رسالہ "مراق مرزا" ص ۱۱ سے مرزا کا تناقض بھی ملاحظہ فرمائیے، حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۹۷ میں کہتا ہے:

"اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے، مگر ان کی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ نبوتیں براہِ راست خدا کی جانب سے ایک موہبت تھیں موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا۔"

اس کے برعکس اخبار الحکم مؤرخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ کالم ص ۲ میں کہتا ہے کہ:

"حضرت موسیٰ کی اتباع سے ان کی امت میں ہزاروں نبی ہوئے۔"

اور مثل مشہور "دروغ گو را حافظہ نباشد" کے مطابق اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ دین موسوی میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے ہزاروں نبی ہوئے اور دین متین (محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں صرف یہی ایک شقی ہوا۔ اور اگر کوئی شخص یہ نکتہ ایجاد کرے کہ دورِ سابق میں اتباع شرط نہیں تھی اور اب شرط ہے۔

تو یہ بھی اطل ہے۔ کیونکہ ہر نبی قبل از نبوت کسی دینِ حق پر ضرور عمل پیرا تھا۔ اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل الہام سے عبادت کرتے تھے۔ منہ۔

[2] حقیقۃ النبوۃ ص ۱۴۲ وغیرہ۔

خاصہ لازمہ قرار دیا، ذاتِ نبوی درمیان سے نکل گئی۔ دیکھئے عشرہ کاملہ ص ۵۷، اشد العذاب ص ۴۲، ضرورۃ الامام ص ۲۰، اور رسالہ ترکِ مرزائیت ص۱۴۰ میں اس سے بھی واضح تر عبارت ہے۔

۶۵ـــــــ یہاں مرزا نے "فنا فی الرسول" کی شرط کو بھی ملحوظ نہیں رکھا، جیسا کہ (اشد العذاب کے) ص ۴۴ میں اس کا دعویٰ نقل کیا ہے، اور نہ ختمِ نبوت کی اس کے سوا کوئی تاویل و تحریف کہ وہ شریعت جدیدہ نہیں رکھتا، اور اسی طرح (اشد العذاب کے) ص ۳۹ میں صرف یہ تاویل کی ہے کہ (اس کی شریعت) شریعتِ جدیدہ نہیں۔

پس آیتِ ختمِ نبوت کی تحریف، ان عبارتوں میں، جو کہ آخری دور کی عبارتیں ہیں، دوسری تحریف کی جانب منتقل ہو گئی، اور "فنا فی الرسول" کی شرط بھی ضروری نہ رہی، پس جب تک کہ اجرائے نبوت کے لیے "فنا فی الرسول" کی شرط تھی۔ تب تک تو شریعت بھی تجویز ہو سکتی تھی۔ گو شریعتِ جدیدہ نہ سہی، اور جب شریعت جدیدہ نہ ہونے کی شرط مطمح نظر ٹھہری تو شرطِ اول درمیان سے جاتی رہی اور اس کی ضرورت نہ رہی۔
اسی طرح ان خیالی "الہامات" میں بھی۔ جن کو وہ اِدھر اُدھر سے لے کر جوڑتا اور ان کا نام "وحی" رکھ لیتا ہے۔ جیسا کہ حقیقۃ الوحی ص۱۰۱ وغیرہ میں ہے۔ نبی و رسول کا لقب اپنے لیے بغیر کسی قید کے گاتا ہے اور اس کے ناخلف (مرزا محمود) نے تصریح کی ہے کہ اس کے باوا کی "وحی" میں نبوت کے ساتھ ظلی، بروزی اور انعکاسی وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، یہ تمام الفاظ اس کے باپ نے محض تواضع کے طور پر لکھے ہیں[1]

۶۶ـــــــ اور آیت ختم نبوۃ کی تیسری تحریف قادیانی نے حقیقۃ الوحی ص ۹۷، ۲۸ میں ایجاد کی ہے کہ خاتم نبوت، نبوت کو بند کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اسے جاری کرنے کے لیے ہے)(چنانچہ صفحہ ۲۸ پر لکھتا ہے: "اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں، ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی حاصل ہو سکتی ہے"۔
اور صفحہ ۹۷ پر لکھتا ہے:

---

[1] اشد العذاب ص ۴۶ بحوالہ اخبار الحکم ۲۱ اپریل ۱۹۱۴ء جلد ۳ ص۳۰ منہ

"اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ خاتم بنایا۔
یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لیے مُہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی،
اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النّبییّن ٹھہرا ، یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ
نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی "نبی تراش" ہے ، اور یہ
قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی"

حالانکہ محاوراتِ لغت میں لفظ خاتم ، خواہ تا کے کسرہ کے ساتھ ہو جس کے معنی ختم کنندہ کے ہیں ، یا تا کے فتحہ کے ساتھ ہو ، جس کے معنی ہیں "وہ چیز جس سے کسی چیز کو ختم کیا جائے" بہر دو صورت "خاتم القوم" کی ترکیب میں (یعنی جبکہ یہ لفظ کسی جماعت کی طرف مضاف ہو) "آخری فرد" کے سوا کسی اور معنیٰ کے لیے نہیں آتا ، اور علمائے لغت نے تصریح کر دی ہے کہ جب یہ لفظ کسی قوم کی جانب مضاف ہو تو خواہ فتحہ کے ساتھ ہو یا کسرہ کے ساتھ ، اس وقت اس کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں یعنی "اس قوم کا آخری فرد"

اور اصلِ لغت یہ ہے کہ 'خاتِم' بالکسر کے معنی ہیں "انجام و اختتام تک پہنچانے والا" کیونکہ اسم فاعل صیغۂ صفت ہے اور 'خاتَم' بالفتح کے معنی ہیں : "وہ شخص یا چیز جس کے ذریعہ کسی شئے کو انجام و اختتام تک پہنچایا جائے" کیونکہ یہ اسم ہے نہ کہ صفت ، جیسا کہ علمائے صرف پر مخفی نہیں (آیت میں فتحہ اور کسرہ کی دونوں قراءتیں متواتر ہیں ۔ خاتِم بھی ، اور خاتَم بھی ۔) اور حاصل دونوں قراءتوں کا ایک ہی ہے یعنی "آخری نبی" یا "انبیاء کرام کی جماعت کا آخری فرد" اور بس ۔ اس کے علاوہ باقی سب تعبیرات فروعی ہیں ۔ پس اصل معنیٰ کا ترک کر دینا ناروا ہے ، اور فروعی تعبیرات کی ذکر کی اہمیت ہے ، نہ ان کا کوئی عذر ہے ۔ الّا یہ کہ حق تعالےٰ نے (مرزا قادیانی کی طرح) کسی شخص کو ہدایت سے محروم و بے توفیق کر دیا ہو ۔ اور (یہ جو ہم نے کہا کہ دونوں قراءتوں کا ایک ہی حاصل ہے) یہی مطلب ہے اس قول کا جو بعض مفسرین نے امام لغت "ابو عبیدہ" سے نقل کیا ہے کہ "خاتم بالکسر اصل ہے" یعنی اس مقام میں مرجح مراد ، اور ملک علّام کے کلام کا حقیقی مقصود ہے ۔

مدعا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے ختم کنندہ ہیں۔ اور ابو عبیدہ کا یہ قول "کیونکہ آیت کی تاویل یہ ہے کہ آپؐ نے ان کو ختم کر دیا۔ لہٰذا آپؐ ان کے خاتم ہیں"۔ (یہاں تاویل کے لفظ سے کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ) "تاویل کے معنیٰ اہل لغت کی اصطلاح میں "ظاہر سے ہٹانے" کے نہیں، بلکہ تخریج وجہ اور مآل مراد کے بیان کرنے کے ہیں۔ فی الجملہ ابو عبیدہؒ کی مراد یہ ہے کہ دونوں قراتیں اشتقاق اور مدلول کے لحاظ سے مشترک ہیں۔ معالم التنزیل میں آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے ذریعہ نبوت کو ختم کر دیا، امام عاصم کی قراءت میں خاتَم بفتح تا بطور اسم ہے۔ یعنی "آخری نبی" اور دوسروں کی قراءت میں خاتِم بکسرتا، صیغہ اسم فاعل ہے کیونکہ آپؐ نے نبیوں (کی تعداد) کو ختم کر دیا۔ لہٰذا آپ ان کے ختم کنندہ ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی مراد یہ ہے کہ اگر مجھے آپؐ کے ساتھ نبیوں (کے سلسلہ) کو ختم نہ کر دینا ہوتا تو میں آپؐ کو ایسا بیٹا عطا کرتا جو آپ کے بعد نبی ہوتا"

یہی مضمون عامہ تفاسیر میں ذکر کیا گیا ہے، حتیٰ کہ جلالین جیسی مختصر تفاسیر میں بھی۔

۴۷ ——— اور چونکہ آیت میں لفظ خاتَم (بفتح تا) بمعنی ما یختم بالشیٔ ہے (یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز کو ختم کیا جائے) اس لیے اگر کسی نے خاتَم کے معنیٰ مُہر کے لیے تو چنداں خلاف تحقیق نہیں گیا (کیونکہ مہر لگا کر بھی کسی چیز کو ختم کیا جاتا ہے) پھر قرآن کریم کی عبارت میں یہ تو نہیں کہ آپؐ مُہر نبوت ہیں (بلکہ یہ ہے کہ آپؐ نبیوں پر مُہر ہیں) اور یہ بھی نہیں کہ آپؐ صاحب مُہر ہیں، جو کہ مُہر لگانے والا ہوتا ہے۔ بلکہ آیت میں تو یہ ہے کہ آپکی ذات گرامی خود مُہر ہے جو دوسروں پر۔ اور وہ انبیاء سابقین ہیں۔ لگا دی گئی۔ (پس صاحب مُہر آپؐ نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالےٰ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ سلسلہ انبیاء پہ مُہر لگا کر اسے ختم کر دیا) بہرحال اس کے اصل معنی ہیں "انجام تک پہنچا دینا" اور اس کے تمام فروعی معنیٰ اس حقیقت سے معرا نہیں۔

۴۸ ——— مرزا کرامات الصادقین ص ۱۹ میں لکھتا ہے:

"پس یہ خیال کہ گویا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے بارے میں فرمایا ہے اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ بدیہی البطلان" حالات قادیانی ص۲۳

دگر یا قرآن کے علوم و معارف، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مرزا قادیانی نے بیان کیے ہیں۔ نعوذ باللہ من الحمق والغوایۃ)

۶۹۔۔۔۔۔ اور جب کہ مرزا نے شریعت[۱] اور تجدید احکام کا دعویٰ بھی کیا ہے، جس کی نوعیت مجددین امت کی تجدید جیسی نہیں، تو ساری تاویلات ہاتھ سے نکل گئیں، اور فراغ کلی حاصل ہو گیا۔ دیکھئے۔ اشد العذاب ص ۳۸ (اربعین ۳ ص۶ تتمہ و حاشیہ) "نور انعکاس" جو مرزا کی چوتھی تحریف ہے، اشد العذاب ص۲۱، اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مصباح العلیہ اور اوائل حواشی نزول المسیح میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۷۰۔۔۔۔۔ اور جس حالت میں کہ اس نے حقیقی شریعت کا دعویٰ کیا ہے، خواہ نئی شریعت نہ سہی، پھر یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن کی تفسیر اور قبول حدیث کا مدار اس کی وحی پر ہے، نہ کہ اس تواتر پر جو صدر اول سے آج تک چلا آتا ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم، دجال، یاجوج ماجوج اور دیگر بعض امور کی حقیقت واقعیہ کما ہی منکشف نہیں ہو سکی[۲]، جیسا کہ اس شقی پر منکشف ہوئی ہے۔ ان تمام حالات میں اس کی تجدید دیگر مجددین دین کی مثل نہ رہی۔ اور اسے تمام قیود سے سبکدوشی اور فراغ کلی حاصل ہو گیا۔ یہ وہی مثل ہوئی کہ "میں کہتا ہوں، تم لکھتے جاؤ" اگرچہ اس نے "شریعت جدیدہ" کا دعویٰ لفظی طور پر نہیں کیا، لیکن اس کا مصداق وصول کرا لیا۔

ع "چھپ کر پیو شراب کہ قاضی کا خوف ہے"

۷۱۔۔۔۔۔ نیز معلوم رہے کہ اس نے شریعت کا دعویٰ ان علماء کے مقابلہ میں کیا ہے جو آئندہ کسی شریعت کی آمد کو ناممکن فرماتے تھے، اور ان کی گفتگو شریعت جدیدہ ہی میں تھی۔ اس لیے کہ شریعت سابقہ جو پہلے سے موجود ہے، اسی کا مکرر آ جانا، یا وحی سابق کے الفاظ کاٹ چھانٹ کر نئی وحی بنا لینا، جیسا کہ یہ ملحد کرتا ہے، ایک بے مقصد بات

---

[۱] توضیح مرام ص۱۰۰۹ میں مرزا لکھتا ہے کہ نبوت تامہ اس کے نزدیک وہ ہے جس میں شریعت ہو۔ منہ

[۲] ازالہ اوہام ص ۲۸۲ طبع پنجم

سے جو کوئی نتیجہ نہیں رکھتی۔ پس ان حضرات کے مقابلہ میں اس کا دعوٰی شریعت کرنا شریعتِ جدیدہ کے دعوٰی کو مستلزم ہے۔ (علماء فرماتے تھے کہ نئی شریعت نازل نہیں ہوسکتی، مرزا نے کہا مجھ پر نازل ہوتی ہے، بتلایئے یہ شریعتِ جدیدہ کا دعوٰی ہوا یا نہیں؟) علاوہ ازیں یہ ملحد کہتا ہے کہ جہاد میرے آنے سے منسوخ ہوگیا، اور آئندہ حج قادیان کی طرف ہوا کرے گا۔ اور جو شخص قادیان کا چندہ ادا نہ کرے وہ اس کی بیعت سے خارج ہے، جو اس کے نزدیک خروج عن الاسلام کے مترادف ہے، پس زکوٰۃ سب چندۂ قادیان میں منحصر ہوگئی۔ دیکھئے کاویہ ص ۹، (بتایئے نئی شریعت اور کس کو کہتے ہیں؟)

۲:۔ــــــ اور یہ بھی معلوم رہے کہ مجددین کی تجدید کی مثال ایسی ہے جس طرح کہ کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ سے ایمان کی تجدید کی جاتی ہے۔ یعنی دین کی مٹی ہوئی باتوں کو از سرِ نو تازہ کر دینا۔ یہ نہیں کہ وہ دینِ متین میں کوئی اضافہ کرتے ہوں۔ (اس کے برعکس مرزا نے ارکانِ ایمان میں اپنی نبوت و مسیحیت اور وحیٔ قطعی پر ایمان لانے کا اضافہ کر دیا، اور دین کے بیسیوں اعمال و عقائد میں ترمیم و تنسیخ کر ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اس کو تجدید نہیں کہہ سکتے، بلکہ یہ تو نئی شریعت اور نیا دین ہوا۔)

۳:۔ــــــ اور یہ بھی معلوم رہے کہ شریعت کا جدید ہونا یا نہ ہونا یہ دو قسمیں تو قابلِ فہم تھیں، لیکن اس ملحد نے ایک تیسری قسم ایجاد کی ہے کہ وہ صاحب شریعت ہے، لیکن وہ شریعت بطور تجدید ہے نہ کہ جدید۔ (شریعت کی ایک نئی قسم شریعتِ تجدید ایجاد کرکے) اور اس کا نام بھی شریعت رکھ کر اس نے صاحب شریعت ہونے کا دعوٰی کیا۔ اور اس نئی قسم کی شریعت کا فتوٰی یہ ہے کہ جب تک کہ اس ملحد کی اتباع کا واسطہ نہ ہو (دینِ اسلام کی پیروی) موجب نجات نہیں ہے، بلکہ آدمی کافر رہتا ہے۔ پس (جبکہ اس نئی قسم کی شریعت کا حکم بھی وہی ہے جو شریعتِ جدیدہ کا ہے تو) شریعتِ تجدید اور شریعتِ جدیدہ کا فرق یکسر درہم برہم ہوگیا، اور (مرزا کا یہ کہنا کہ میں نے شریعت کے ایک شوشے کو بھی منسوخ نہیں کیا، یہ) منسوخ کرلے یا نہ کرنے کی بات سب بے معنی

ہوتی (کیونکہ جب مرزا کی شریعتِ تجدید نے یہ اصول طے کر دیا کہ شریعتِ محمدیہ کی اتباع موجب نجات نہیں، بلکہ مرزا کی شریعت تمہدیہ کی اتباع میں نجات منحصر ہے اور اس کا منکر کافر ہے تو شریعت محمدیہ کالعدم اور معطل ٹھہری اس کے باوجود مرزا کا یہ کہنا کہ "میں نے شریعت محمدیہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور نہ اس کے کسی حکم کو منسوخ کیا" محض ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے!)

اور جس طرح کہ وہ عموماً اپنے کلام کے نتیجہ ومآل کو نہیں سمجھتا بلکہ اندھوں کی طرح چلتا ہے۔ اسی طرح اس نے یہاں بھی ایک حرف تک نہیں سمجھا۔ (بس یونہی اندھا دھند شریعت بطور تجدید کا دعویٰ ہانک دیا) اور تقدیر مبرم نافذ ہے کہ فہم اس سے سلب ہو چکا ہے اور اس کی تعلیم میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جس میں خبط و خلط اور تناقض و تہافت نہ ہو، جو کسی صحیح الدماغ سے وقوع پذیر نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے الہام و دعاوی سے ہی نہیں بلکہ اس کی لیاقت و قابلیت سے بھی ہاتھ دھو لیجئے۔ واللہ الہادی۔

۴) ـــــــ اور حقیقۃ الوحی ص ۷۰ میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے یہ ساری نعمت شکم مادر ہی میں وصول کر لی تھی۔ گویا اتباع وغیرہ محض کہنے کی بات ہے نہ کرنے کی۔ اور تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸ اور تریاق القلوب ص۳۱۹ مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں اور ہی نغمہ الاپا ہے۔

۵) ـــــــ پس آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ختمِ انبیاء اور ختمِ نبوت کے اعلان کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اب آپ کے بعد کسی اور نبی کا انتظار نہیں ہے، جیسا کہ قبل ازیں انبیاء سابقین میں سے ہر پہلا نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر دیتا رہا ہے (اب بجائے اس کے ختم نبوت کا اعلان کر کے بتا دیا گیا کہ آئندہ کسی نئے نبی کی آمد منتظر نہیں ہے) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کے ساتھ ابوت کا تعلق نہیں رکھتے، بلکہ اس کے بجائے رسالت و ختم نبوت کا علاقہ رکھتے ہیں، کہ یہ تعلق ذاتی ہے۔ اور یہ کلام بذاتِ خود مربوط ہے، اس کا ربط ابوتِ معنویہ کے اثبات پر موقوف نہیں، جیسا کہ قراءتِ شاذہ میں (وھو اب لھم) آیا ہے۔ کیونکہ کسی شاذ پر مدار نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور شاید مردوں کی تخصیص اس امر کے پیش نظر ہے کہ بچوں

www.punjabpdf.com



اور عورتوں میں نبوت نہیں۔ اس لیے صرف مردوں ہی کا ذکر کرنے کی حاجت تھی۔ اور "اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ" میں تنکیر سے مدعا یہ ہے کہ اپنی جانب سے گھر بیٹھے حصے مت لگاؤ کہ آپؐ فلاں کے باپ ہیں یا فلاں کے۔ نہیں! آپؐ تم میں سے کسی ایک کے بھی باپ نہیں ہیں۔ اس لیے ان خیالات کو یکسر چھوڑ دو، اور فلاں فلاں کے نام مت لو۔

۴۔۔۔۔۔ اور انبیاءؑ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا۔ آپؐ کے مخصوص فضائل و کمالات میں سے خود آپؐ کا اپنا ذاتی کمال ہے، (اس کا حصول) امت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا (جبکہ مرزائی عقیدے کے مطابق آپؐ کا خاتم ہونا مرزا کے "اُمتی نبی" ہونے پر موقوف ہے ورنہ آپ کی خاتمیت نعوذ باللہ باطل ہو جائیگی) اور اُمت کا آپؐ سے صرف اتنا تعلق بھی کافی نہیں کہ آپؐ کے کمال خاتمیت کا اعتقاد رکھا جائے، (بلکہ آپؐ کی خاتمیت اُمت سے عملی تعلق کا تقاضا کرتی ہے اور وہ ہے تاقیامت آپؐ کی رسالت و نبوت سے وابستگی) کیونکہ آیت کی غرض یہ ہے کہ اُمت سے آپؐ کا رشتہ ابوت ٹوٹ چکا ہے اور اس کے بجائے رسالت و نبوت کا رشتہ ہمیشہ کے لیے پیوستہ ہو چکا ہے، پس جیسا کہ اُمت سے آپؐ کی ابوت کلی طور پر منقطع ہے۔ اسی طرح آپؐ کے بعد نبوت کا وجود بھی کلی طور پر منقطع ہونا چاہیے۔ آپؐ کی اکملیت کا اعتقاد تو ایک امر ذہنی ہے جو آئندہ نئی نبوتِ تشریعیہ کے بھی منافی نہیں (پس آپؐ کی خاتمیت کا اعتقاد کافی نہ ہوا) بلکہ معتد بہ تعلق، عملی تعلق ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد تو اس امر کے بھی منافی نہیں کہ اعتقاد کنندہ (آپؐ کی اُمت میں بھی داخل نہ ہو بلکہ اس) کا شمار کسی اور نبی کی اُمت میں ہو، جیسا کہ اُمم سابقہ بھی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت کا اعتقاد رکھ سکتی تھیں[1]

---

[1] مرزائی لوگ کہا کرتے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی "اکمل النبیین" ہیں، مندرجہ بالا عبارت میں مصنفِ امامؒ نے ان کے اس الحاد کو رد فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اوّل تو یہ آیت کے مدعا کے خلاف ہے۔ پھر یہ معنی نئی نبوت تشریعیہ آنے کے بھی منافی نہیں پس اگر خاتم النبیین کے معنی

۷۔ ــــــــ اور ارشادِ خداوندی وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ[1] (میں جس اخذِ میثاق کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں) یا تو اس سے رسولوں کے حق میں انبیاء کرامؑ سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لینا مراد ہے کہ یہ امر بہت ہی اہم اور مہتم بالشّان ہے اور یا (اس سے مراد) انبیاء بنی اسرائیل سے بنو اسماعیل کے خاتم النّبیّین کے حق میں عہد لینا اور انہیں اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ نبوّت بنو اسرائیل سے بنو اسماعیل کی جانب منتقل ہو جائے گی، کہ یہ امر بھی نہایت اہم ہے۔ یہ اخذِ عہد اس واقعہ کے مشابہ ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السّلام کی خلافت کی پیشگی اطلاع دے کر انہیں اطاعت کا حکم دیا گیا۔ لیکن (ان دونوں احتمالوں میں سے مؤخر الذکر تفسیر زیادہ راجح ہے، کیوں کہ) لفظ "النّبیّین" کو جمع اور، لفظ "رسول" کو مفرد لانا۔ ذکر بلفظِ جمع "رُسل" معرفہ یا نکرہ موصوفہ۔ اور ثُمَّ جَآءَکُمْ میں اس رسول کی آمد کو کلمۂ "تراخی" "ثُمَّ" سے ذکر کرنا تفسیرِ ثانی کا مؤیّد ہے۔

ظاہر آیت نے تمام نبیوں کو ایک طرف رکھا ہے اور ان سب کے بعد آنے والے رسول کو دوسری طرف۔ اور لفظ "ثُم" سے معلوم ہوا کہ "وہ رسول" تمام انبیاء کرام کے بعد آئے گا، یہ نہیں کہ یہاں انبیاء کرام کے درمیان وقتاً فوقتاً آنے والے رسولوں کا تذکرہ ہو۔ اور لفظ "مصدّق" سے معلوم ہوا "وہ رسول" انبیاء کی جانب مبعوث نہیں ہوگا، بلکہ اپنے تمام پیشرو انبیاء کرام کی تعلیم کی تصدیق کرنے والا ہوگا، انبیاء کرام سے جو عہد و قرار لیا گیا اس سے اصل مقصود ان کی اُمّتوں کو بتانا اور آگاہ کرنا ہے کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد کے وقت ضائع نہ ہو جائیں، اور (ان کو لازم ہے کہ) قومی امور و معاہدات میں بعض کو قائم مقام کُل کے تصوّر کریں، پس حضرت عیسٰی علیہ السلام کا (آپؐ کے زمانہ کو) پا لینا (اور بعد از نزول آپؐ کی تصدیق و اتّباع کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی نیابت کے لیے) کافی ہے۔ اور شاید تواتر و رسولِ لاحق کا رسول دیتی سابق پر ایمان اکمل النّبیّین کے ہوں تو گویا صرف یہی نہیں کہ معاذ اللہ آپ کے بعد نیا نبی آ سکتا ہے بلکہ نئی شریعت بھی اُتر سکتی ہے۔ نئی اُمّت بھی بن سکتی ہے اور نیا دین بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔

---

[1] آل عمران : ۸۱

معنیٰ کہ رسولِ متأخر کی آمد متقدم کی حیات میں ہوتی ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی ہو۔ ایسا توارُد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور) حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کسی اور جگہ نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی مقصد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ) اٹھا لیا۔ (تاکہ وہ آخری زمانہ میں نازل ہو کر تمام انبیاء کرام کی جانب سے آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی تصدیق کریں) اور میثاق النبیّین میں جس ایمان و نصرت کا انبیاء علیہم السلام سے عہد و قرار لیا گیا تھا وہ اپنی ظاہری شکل میں بھی پورا ہو جائے۔ ہر چند کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت اپنے ساتھ اس قدر داخلی دلائل و شواہد رکھتی ہے کہ ان کے بعد کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، تاہم یہ چاہا گیا کہ آپ کی تصدیق خارج سے بھی ہو، کیونکہ) جو تصدیق کہ خارج سے ہو وہ (بداہتہً) اولیٰ و انسب ہے بہ نسبت تصدیقِ داخلی کے۔ (چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا مصدّق بن کر ان سب کے لیے تصدیقِ خارجی مہیا کی، اور ان سب حضرات کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی تصدیق کر کے "تصدیق از خارج" مہیا کر دی۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم انبیاء سابقین کے مصدّق بھی ہیں اور مصدَّق بھی) اور (چونکہ) یہ وصف مُصدِّقیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا مشہور وصف ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے (اس سے واضح ہے کہ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کی ذات گرامی ہے، اور آپ ہی کے حق میں تمام انبیاء کرامؑ سے ایمان لانے اور نصرت کرنے کا عہد لیا گیا) اور یہی تفسیر متبادر ہے اس آیت کی دوسری قراءت: واخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب سے کہ تمام اہل کتاب کو ایک جانب رکھا اور اس رسول کو دوسری جانب۔ (خلاصہ یہ کہ آیت میں دو قراءتیں ہیں، ایک قراءت میثاق النبیین کی ہے) اور دوسری قراءت میں واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب آیا ہے اور جانتے ہو کہ تعدُّدِ قراءت، بلاغت کے مختلف اعجازی نکات کے سبب ہوتا ہے، کیونکہ وہ تمام نکات ایک عبارت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ پس ان کے تعدُّد کی

وجہ سے تعددِ قراءت رُونما ہوجاتا ہے۔

پس (جب یہ ثابت ہوا کہ خاتم النّبیّین کے معنیٰ "آخری نبی" کے ہیں تو) آخر کیا وجہ ہے کہ ہم آیت کے ظاہری اور کھلے کھلے معنی سے ہٹ کر تاویل رکیک کا رُخ کریں ؟ ظاہری معنی کے چھوڑنے پر کونسی دلیلِ قطعی قائم ہوئی ہے ؟ نفسانی خواہش کے بے سروپا خیالات پر ایمان رکھنا مومن کا کام نہیں ہے۔

۸ ۔۔۔۔ اور (خاتم النّبیّین کی ترکیب) "یوسفُ احسنُ الاخوۃ" اور "فلانٌ اعلمُ بغداد" کی ترکیب جیسی بھی نہیں جس میں مضاف الیہ بمعنیٰ مفعول ہو نہیں ہوتا، اور حسن و علم بھی مطلق ہیں (بخلاف اس کے "خاتم النّبیّین" میں مضاف الیہ مفعول ہو کے معنیٰ میں ہے۔ اور لفظ "خاتم النبیین" سے جس مضمون کو ادا کیا گیا ہے) ایسے موقعوں پر اصل اور معروف کلام یوں تھا کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُبوت منقطع اور نبوت دائم ہے"۔ مگر دوامِ نبوت کو لفظِ ختم سے تعبیر فرمایا گیا تاکہ دوامِ نبوت کی دلیل بھی ساتھ کے ساتھ پیش کر دی جائے، کیونکہ آپ کی نبوت کے "تا قیامت دائم رہنے کی علت یہی تو ہے کہ آپ پر نبوت ختم اور سلسلۂ انبیاء کا اختتام ہو چکا۔ پس یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے آپ کی نبوت کے دوام اور اس کی علت دونوں کو ایک لفظ "خاتم النّبیّین" میں بیان فرما دیا) پس خود اسی لفظ میں بحثیں پیدا کرنا فہم مقصود سے کوسوں دور ہے، ورنہ (اگر لفظ "خاتم النبیین" سے آپ کی نبوت کے دوام کا بیان کرنا منظور ہوتا، صرف ایک فضیلت و منقبت کا اظہار مقصود ہوتا تو) جس طرح کہ اصلِ رسالت کا ذکر کیا تھا۔ اسی طرح اصل نبوت کو ذکر کرتے اور مثلاً اس قسم کے الفاظ فرماتے: ولکن رسول اللہ و نبیاً من المقربین، جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ابن مسعودؓ کی قراءت ولکن نبیاً ختم النبیین نقل کی ہے۔

۹ ۔۔۔۔ اور کسی خاص فرد کے لحاظ سے نہیں بلکہ مجموعی اُمت کے اعتبار سے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ابوت معنویہ کا لحاظ کرتے ہوئے باپ کہا جاتا تو اس کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ ازواج مطہرات کے لیے اُمّ المومنین کا محاورہ رائج ہے۔ مگر یہ محاورہ بھی

چونکہ صورۃً خلافِ مقصود کا وہم دلاتا تھا، اس لیے راجح نہیں ہو سکا۔ چنانچہ عقیدۃ الاسلام (ص ۱۸۸ طبع اول) میں الکلیل سے منع نقل کیا ہے۔

۸۰ ـــــــ آیت کی مراد یہ ہے کہ جس طرح آپؐ بیٹا نہیں چھوڑیں گے۔ اسی طرح دوسرا نبی بھی نہیں آئے گا، اور جس طرح آپؐ خَلَف چھوڑ کر نہیں جائیں گے، اسی طرح دوسرا پیغمبر بھی نہیں آئے گا جو آپ کا خلیفہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور رکنیت "کسی مرد کے باپ" نہیں، بلکہ آپؐ بطورِ لقب رسول اللہ اور خاتم النبیینؐ ہیں۔ اس لیے یہ نہیں فرمایا: "ولکن رسول اللہ و نبیاً خاتم النبیین" کیونکہ یہ پورا عنوان، لقب نہیں تھا، گویا قرآن مجید نے اصحابِ جمل کی طرح لقب ارشاد فرمایا ہے۔

اور یہ لقب محض تاخر زمانی کی بناء پر اتفاقی نہیں ہے، بلکہ کسی اہم خصوصیت کا آئینہ دار ہے۔ یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ میں تشریف لائے۔ محض اس تاخرِ زمانی کو بتانے کے لیے یہ لقب نہیں ہے، بلکہ مرادِ الٰہی یہ ہے کہ ہم نے سلسلۂ نبوت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا۔ اور سلسلۂ انبیاء کی آخری حد آپؐ کی ذات کو ٹھہرانا محض اتفاقی نہیں، جو مفضول کے لیے بھی ہو سکتی تھی، بلکہ یہ کسی اہم ترین خصوصیت کی بناء پر ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں پائی جاتی ہے۔

۸۱ ـــــــ اور واضح رہے کہ رسول اور نبی کے درمیان منقح فرق وہی ہے جو اکثر علماء نے بیان فرمایا ہے، اور جو پہلے گذر چکا ہے، اور حقِ لغت کا تقاضا بھی یہی ہے، کیونکہ "رسول" کے معنی ہیں "فرستادہ اور پیغام لے جانے والا" اور ظاہر ہے کہ فرستادۂ خداوندی کو کتاب یا احکامِ شرعیہ کے سوا اور کیا چیز دے کر بھیجا جائے گا؟ اور "نبی" کے معنی ہیں خبر دہندہ، جو وحیٔ قطعی کے ذریعہ خبر دیتا ہو، اگرچہ جدید شریعت نہ رکھتا ہو، اور اس کا وظیفہ اُمت کی سیاست و نگہداشت ہے۔ چنانچہ حدیث میں انبیاءِ بنی اسرائیل کا اُن کی سیاست و نگہداشت کرنا ذکر فرمایا ہے۔[1] اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک نبی گذرا تو اس کے ساتھ ایک ہی دو آدمی تھے، اور ایک نبی گذرا تو اس کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں تھا۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۲۰ [2] مشکوٰۃ ص ۴۵۲، بحوالہ بخاری و مسلم

حدیث بھی اس مضمون پر دلالت رکھتی ہے کہ نبی کا وظیفہ اور اس کا تعلق اپنی امّت کے ساتھ کیا ہوتا ہے ؎

۸۲ ــــــ اور یہ مقولہ کہ "حضرت شاہ عبدالعزیزؒ خاتم المحدثین تھے" (اس پر قیاس کرتے ہوئے قادیانیوں نے کہا ہے کہ جس طرح شاہ عبدالعزیزؒ کے خاتم المحدثین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ان کے بعد کوئی محدث نہیں، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس کا جواب ہے کہ اس مقولہ میں بھی خاتم المحدثین بمعنی "آخری محدث" ہی کے ہے مگر) اس اطلاق اور محاورے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خصائص اور کمالاتِ مخصوصہ کا ختم کنندہ ہوتا ہے، پس ان خاص کمالات کے ختم کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر خاتم کا اطلاق کر دیتے ہیں، پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ ہے کہ اطلاق کنندہ کو نہ تو زمانۂ مستقبل کے حال کی تحقیق ہوتی ہے، نہ مستقبل کا علم ہوتا ہے، نہ اسے غیب کا علم ہے، نہ پردۂ غیب میں جو کچھ پوشیدہ

ؔ اور "فتوحات" میں جو کچھ لکھا ہے وہ منتشر اور غیر منقح کلام ہے، اکثر جگہ تو انھوں نے یہ کہا ہے کہ "نبی بھی شریعت رکھتا ہے، مگر وہ اس کی ذات سے مختص ہوتی ہے"۔ لیکن حضرت ہارونؑ کے حق میں اتنی بات بھی تسلیم نہیں کی۔ اور ایک جگہ کہا ہے کہ "نبی کی شریعت دوسروں کے حق میں واجب نہیں، بلکہ ان کے اختیار پر ہے"۔ اور نوحؑ سے قبل کے انبیاء کو کسی رسول کے ماتحت نہیں رکھا۔ اور اس انتشارِ کلام کا سبب یہ ہے کہ شریعت نہ ہونے کی صورت میں شیخ کو نبی کی کوئی خدمت نظر نہیں آتی۔ اور اسی وجہ سے انھوں نے نبوت کی ایک نئی قسم "نبوت غیر تشریعی بمعنی ولایت" نکالی۔ حالانکہ نبی کی جو خدمت متن میں ذکر کی گئی ہے وہ ایک عظیم خدمت اور جلیل القدر وظیفہ ہے۔ اور علماء جو نبی کے لیے غیر تشریعی نبوت کے قائل ہیں، وہ اس قسم کے تکلف اور اس کو ولایت کے معنی میں لینے سے مستغنی ہیں، اور کتبِ سماویہ کے عرف سے اور انبیاء بنی اسرائیل، جو شریعتِ موسوی کے پیرو تھے اور وحی کے ذریعے امّت کی سیاست اور اخبار کرتے تھے۔ ان کے حالات سے بھی یہی بات مفہوم ہوتی ہے۔ پس اس کو خوب یاد رکھو اور دعا میں ہمیں نہ بھولو۔ منہ

ہے، اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اپنی معلومات اور وقتی علم کے اعتبار سے بطور مسامحت و سہل انگاری کے، اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے کہ اس کا مخاطب اس کی مراد کو سمجھ جائے گا یہ فقرہ استعمال کرتا ہے اور بشر کبھی نا تمام بات بھی کہہ دیتا ہے اور تمام قیود و شرائط کا احاطہ نہیں کرتا۔ چونکہ اظہار خصوصیت کی حاجت تھی اس لیے محاورہ بنا لیا تاکہ اس خصوصیت کو ختم زمانی کے بغیر بھی ادا کر سکیں۔

۸۳ ــــــ نیز یہ کہنا تو معقول ہے کہ فلاں عالم، فلاں کے مقابلہ میں لائق شمار اور قابلِ اعتبار نہیں، مگر یہ کہنا کہ "فلاں نبی، فلاں کی بہ نسبت کوئی اعتبار نہیں رکھتا" یہ نہ تو معقول ہے، نہ رائج ہے (کیونکہ اس محاورہ کے معنی یہ ہیں کہ فاضل کے مقابلہ میں مفضول کالعدم ہے اور وہ کسی گنتی میں نہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی نبی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ناقص ہے، یا اس کی کوئی حیثیت نہیں، یا اس کا وجود و عدم برابر ہیں، نہ صرف صریح گستاخی ہے بلکہ کفر ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی: لا تخیروا بین الانبیاء[1] کے ذیل میں علما نے تصریح فرمائی ہے۔ اور پھر) جس طرح کہ لا الٰہ الا اللہ میں (یہ تاویل نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا تو ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کیونکہ یہ تاویل نہ صرف شرک ہے بلکہ اس میں منصب الوہیت کی بھی توہین ہے۔ اسی طرح خاتم النبیین میں، جس کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لا نبی بعدی کے ساتھ فرمائی ہے، یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ آپؐ کے بعد نبی تو ہیں، مگر وہ اس قدر بونے اور پستہ قد ہیں کہ آپؐ کے مقابلہ میں ان کا وجود و عدم برابر ہے۔ کیونکہ مسئلہ الوہیت کی طرح یہاں بھی اوّل تو ختم نبوت کا انکار ہے جو صریح کفر ہے، دوم منصب نبوت کی اہانت ہے اور یہ بجائے خود کفر ہے، بخلاف اس فقرہ کے کہ "شاہ صاحب خاتم المحدثین تھے" یہاں تاویل صحیح ہے، کیونکہ یہ کہنا بجا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے مقابلہ میں بعد کے تمام محدثین طفلِ مکتب ہیں اور بوقتِ مقابلہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک فقرہ ایک جگہ استعمال کیا جائے تو صحیح ہے اور اسی نوعیت کا فقرہ دوسری جگہ استعمال کیا جائے تو غلط ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ،

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۶۔

اس قسم کے امور میں اصل مدار محاورہ کے جاری ہونے پر ہے، محض قیاس پر نہیں اگرچہ (کسی محاورہ کے صحیح ہونے کے لیے) جزئی علاقہ کا ثبوت ضروری نہیں، لیکن نوعِ علاقہ کا ثبوت بھی کافی نہیں۔ بلکہ اصل مدارِ ذوق اور استقراء پر ہے۔

ع "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد" یہ ہے توجیہ اور تخریج اس محاورہ کی۔

۸۴ ـــــــ اور پھر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص محدثی ختم کر گیا۔ اب اس جیسا کوئی دوسرا محدث نہیں آئے گا، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص نبوت ختم کر گیا، اب اس جیسا کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ کیونکہ پہلی چیز فضائل کسبیہ میں سے ہے اور اس میں اشتراک بکثرت ہے، خود ممدوح کے زمانہ بھی بہت سے لوگ اس کے ساتھ اس فضیلت میں شریک ہوں گے، پس لوگ فرق مراتب پر نظر رکھتے ہیں اور مماثل کو خاتمیت کے منافی سمجھتے ہیں مگر کم مرتبہ لوگوں کے وجود کو اس کے منافی نہیں سمجھتے، اور اس سلسلہ میں اٹکل اور تخمین سے بات کرنا روا سمجھتے ہیں۔ بخلاف بابِ نبوت کے کہ وہ کمالاتِ وہبیہ میں سے ہے، اس میں ظن و تخمین کے ساتھ بات نہیں کرتے، بلکہ کفِ لسان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اِخبار بالغیب کا باب ہے، اس میں اطلاعِ الٰہی کا منتظر رہنا چاہیے اور محض اندازوں اور تخمینوں پر اقدام نہیں کرنا چاہیے۔ پھر یہ (خاتم المحدثین والا) محاورہ بھی نزول قرآن کے زمانہ میں رائج نہ تھا۔ بلکہ بعد میں پیدا ہوا، جیسا کہ فاتح المحدثین کا محاورہ اختیار نہیں کیا گیا۔ پس قرآن کریم کو زمانۂ مابعد کے پیدا شدہ محاوروں پر نہیں ڈھالنا چاہیے۔

۸۵ ـــــــ اور کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص جود و سخاوت کو ختم کر گیا، مگر یہ نہیں کہتے کہ ولایت و کرامت کو ختم کر گیا۔ کیونکہ یہ رجم بالغیب ہے۔ پس یہ ہے سبیل ان محاورات کی، نہ کہ محض قیاسات و تلبیسات۔ گویا اس نوعیت کے حکم میں حکم کنندہ کے مقام و مرتبہ اور مبلغِ علم و فہم کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

۸۶ ـــــــ اور معلوم رہے کہ اہلِ عرف 'فاتح' اور 'خاتم' دونوں کو نہیں جانتے پہچانتے، الا یہ کہ اٹکل دوڑائیں اور تخمینہ لگائیں، یا پھر انہیں بعد از وقوع اس کا علم ہوتا ہے، مثلاً

لوگوں نے دیکھا ایک بادشاہ نے سلطنت قائم کی، اسے قومی اقتدار اور اعلیٰ درجہ کی حکمرانی حاصل ہوئی، بعدازاں اس کے جانشین آئے اور انھوں نے اس کی قائم مقامی کی (اور اس کی قائم کردہ سلطنت کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا) اب اہلِ عرف نے دیکھا کہ یہ منصب بادشاہی سب سے پہلے سلطان اوّل نے کھولا تھا، اس لیے اس کو "فاتح" کہنے لگے اور "فاتح" کا یہ علم انہیں بعد از وقوع حاصل ہوا، اور مثلاً انھوں نے کسی شخصیت کو ظن و تخمین سے خاتم کمالات سمجھا تو اسے "خاتم" کہہ دیا، ورنہ بجز شاذ و نادر صورتوں کے انہیں خاتمیتِ حقیقی کا مشاہدہ نہیں ہوتا، پس لفظ "خاتم" کا اطلاق اکثر و بیشتر اٹکل اور تخمینے کے طور پر کرتے ہیں، بخلاف اطلاقِ "فاتح" کے، کہ بسا اوقات اس کا مشاہدہ بھی رکھتے ہیں۔ نیز اہلِ عرف کی نظر اس نظامِ کلّی پر نہیں ہوتی جو مجموعۂ کائنات میں جاری و ساری ہے، بلکہ صرف منتشر جزئیات تک محدود ہوتی ہے، کیونکہ انہیں نظامِ کلّی کا علم نہیں، جو حق تعالیٰ نے اس مجموعۂ عالم میں ودیعت رکھا ہے۔

تم جانتے ہوگے کہ اہلِ معقول نے کثرت کے چار مرتبے قرار دیئے ہیں۔ کلّی واحد۔ کثرتِ محضہ جس میں ہیئت اجتماعی ملحوظ نہ ہو، وہ کثرت جسمیں ہیئتِ اجتماعی بطورِ عروض ملحوظ ہو، وہ کثرت جس میں ہیئتِ اجتماعی بطور دخول ملحوظ ہو۔ جو کثرت کہ ایک سلسلہ میں منسلک ہو کر وحدتِ تالیفی رکھتی ہو اہلِ عرف کو اس کے مبداء و منتہا کا اکثر و بیشتر ٹھیک ٹھیک ادراک نہیں ہوتا۔ الّا یہ کہ انہیں تجربہ ہو جائے ورنہ اکثر وہ اٹکل اور تخمین ہی سے کام لیتے ہیں۔ اس نوعیت کے کثیر منتظم میں "خاتم" سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ مثلاً معمار چونکہ تعمیر کے پورے سلسلہ سے واقف ہے کہ اس کا آغاز فلاں جگہ سے ہوگا، اور اختتام فلاں جگہ پر ہوگا، اس لیے وہ تعمیر میں اس کی رعایت رکھتا ہے۔ بخلاف دیگر امور کے کہ لوگ ان کے نظام کو نہیں جانتے (اس لیے اس کی کماحقہٗ قطعی رعایت بھی نہیں رکھ سکتے، بلکہ ظن و تخمین سے کام لینے پر مجبور ہیں) اور نظاماتِ الٰہیہ میں فاتح و خاتم اس طرح واقع ہوتے ہیں، کہ خاتم، خاتمِ کمال ہوتا ہے

اور اس کی علامت خارج میں ختم زمانی رکھی گئی ہے۔ پس اس ختم زمانی کا ـــ جو امورِ الٰہیہ کے کثیر منتظم میں ختم کمالی پر مبنی ہوتا ہے اور جس سے اہلِ عرف غافل ہیں۔ اچھی طرح وزن کر لینا چاہیے۔ کیونکہ محاورۂ اہلِ عرف اور محاورۂ حضرت حق کا باہمی فرق اسی پر مبنی ہے اور اس کو سمجھ لینے سے قادیانی ملاحدہ کا وہ مغالطہ، جو شاہنشاہ اور شاہ گر کی مثال دے کر "نبی ساز" نبی کو اس پر قیاس کرنے سے پیدا ہوتا ہے، از خود درہم برہم ہو جاتا ہے اور بات کی تہ اور مغزِ سخن پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے۔ واللّٰہ الموفق

۸۷ ـــ پس وحی کی تحقیق کر۔ جو حقیقت الامر سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتی اٹکل بازوں کی اٹکل پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، اور نہ طبقۂ وحی کو شاعرانہ خیال آرائی پر محمول کرنا چاہیے۔ اسی وجہ سے فرمایا ہے: "ہم نے آپؐ کو شعر نہیں سکھایا، اور نہ وہ آپؐ کے لائق ہے۔" (سورہ یٰسٓ : ۶۹) شعر سے مراد خیال بندی ہے کہ شاعروں کے محاورات کی دنیا ہی الگ ہے، اور ان کے محاورات عام لوگوں کے محاورات اور عرفِ عام کی بول چال سے جداگانہ ہیں۔

اور قرآن کا اعجاز جیسا کہ ترکیب میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح مفردات کے انتخاب میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کسی حقیقت کو تعبیر کرنے کے لیے ـــ خصوصاً جبکہ وہ حقیقت مشکلات میں سے ہو۔ ایسا لفظ اختیار کیا جاتا کہ اس جیسا اونیٰ با حقیقت لفظ لانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ پس محاورۂ قرآن کریم کو عامیانہ اور سوقیانہ محاورات پر ڈھالنا انتہائی جہالت و حماقت ہے، اور عقائد کے باب کو مدحی تخیلات پر محمول کرنا حد درجہ کی گمراہی اور الحاد ہے۔

۸۸ ـــ نظمِ قرآن میں مدح کے موقعہ پر بھی حقیقت سے تجاوز روا نہیں رکھا گیا۔

قرآن کریم کی روش عامیانہ محاورات و مسامحات کی سی نہیں، اور نہ مقام مدح میں بے اندازہ و بے پیمانہ اٹکل بازی سے کام لیا جاتا ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر چیز کی کُنہ سے واقف، اس کی حقیقت سے باخبر اور اس کے حقِ تعبیر سے آگاہ ہیں (کہ اس کو کن الفاظ سے تعبیر کیا جاتے ہیں)۔ بخلاف بشر کے وہ مسکین ان تمام امور سے

سے قاصر ہے۔ شکل بازی (مجاز فن) نہ کرے تو کیا کرے ؟ یہ اس کے بس کی بات نہیں کہ کسی طرح کم و بیش نہ کرے ، اور کسی چیز کی حقیقتِ واقعیہ کو ٹھیک ناپ تول کر بیان کر دے ، اور تقریب و تخمین سے کام نہ لے۔

۸۹ ـــــــ پھر قرآن کریم کی مراد کی تعیین میں ۔ اگر اہلِ اجماع پر ، جو کہ اہل حل و عقد ہیں ۔ اعتماد نہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ کفر و اسلام کی تمیز ہی اُٹھ جائے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے: "اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا ۔ بعد اس کے کہ اس پر امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے جانے کی"۔[۱] سبیل المومنین سے مراد اہل ایمان کا اتفاق و اجماع ہے۔

اور ضروریات دین میں تاویل بھی مسموع نہیں ، شیخ اکبر فتوحات ص۲۵۷ ج۲ باب ۲۸۹ میں فرماتے ہیں۔

"تاویلِ فاسد کفر کی مانند ہے"۔

۹۰ ـــــــ اور سب سے پہلا اجماع جو اس اُمّت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا ، جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا ، اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرامؓ کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے[۲] اس کے بعد قرناً بعد قرنٍ مدعیٔ نبوت کے کفر و ارتداد پر ہمیشہ اجماعِ بلا فصل رہا ہے ، اور نبوتِ تشریعیہ یا غیر تشریعیہ کی کوئی تفصیل کبھی زیر بحث نہیں آئی۔

اور شاید مسیلمہ کذاب نے اپنا مطلب: "وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ" سے نکالا ہو گا کہ نبوت میں بھی شرکت ہو سکتی ہے ۔ یہی مسیلمہ کذاب کا دعویٰ تھا اور یہی غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے[۳] ہمارے پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی مجمل تصدیق ترا ماریث

---

[۱] ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی "سورۃ النساء آیت ۱۱۵ [۲] تاریخ ابن خلدون ص ۱۸۸ ج ۲ -

[۳] مسیلمہ کذاب کہتا تھا کہ مجھے محمدؐ کی نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ اور کذاب قادیان نے کہا کہ تمام کمالات محمدیہ مع نبوت کے میرے آئینۂ ظلیت میں منعکس ہیں۔ اس سے میں بعینہٖ وہی خاتم الانبیاء ہوں گو ظلی طور پر سہی" (ایک غلطی کا ازالہ)۔ مترجم۔

شریف میں دجال سے بھی آئی ہے[۱] لیکن محض اتنی بات اس کفر کو دفع نہیں کرتی۔ بہت سے کافر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہمارے دین کی مجمل تصدیق کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ہمارا دین بھی سچا ہے (اسی طرح قادیانی کا ہمارے دین کی تصدیق کرنا بھی دافع کفر نہیں)

۹۱ــــحاصل یہ کہ ختم کمالات کو لفظِ خاتمیت کے ساتھ تعبیر کرنا قرآن کریم کا عُرف ہرگز نہیں، قرآن کریم کا عُرف اس باب میں یعنی باہمی تفاضل کے بیان میں وہ ہے جو آیت کریمہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الآیۃ[۲] میں اختیار کیا گیا ہے یہی طریق مستقیم ہے اور یہی سادہ اور فطری طرزِ کلام ہے۔ اور (اس کے برعکس) ختم کمالات کو بغیر کسی قید لگائے 'خاتم' کہنا تاویل و تخریج (کے تکلف) کا محتاج بناتا ہے اور (مزید برآں یہ کہ یہ زمانۂ نزول قرآن کا عُرف نہیں بلکہ) زمانۂ مابعد کا عُرف جدید ہے کہ سوائے محاورہ رائج ہونے کے اس کا استعمال بھی مستحسن نہیں تھا، چہ جائیکہ وہ قرآن مجید میں مراد ہوتا کہ اس سے مغالطہ اندازی کا وہم ہوتا ہے چنانچہ پوری اُمت نے 'خاتم' سے ختم زمانی سمجھا ہے نہ کہ صرف ختم کمالات۔ (اب اگر خدا تعالیٰ کی مراد فقط ختم کمالات ہوتی، جیسا کہ قادیانی ملاحدہ کہتے ہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ تیرہ سو سال تک 'خاتم النبیین' کا صحیح مفہوم معاذ اللہ مستحق قول در بطن قائل کا" مصداق رہا۔)

۹۲ــــاور معلوم رہے کہ (جو امور) اصطفاء و اجتباء (کے باب سے ہوں ان) میں قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ (انہیں) حق تعالےٰ شانہٗ کی ذات کی جانب منسوب کیا جاتا ہے (اور خاتمیت بھی چونکہ اسی باب سے ہے) اس لیے بظاہر طریقۂ قرآن کے، حق یہ تھا کہ وجعلناہ خاتم النبیین فرمایا جاتا (یعنی ہم نے آپؐ کو خاتم النبیین بنایا) لیکن (یہاں) مقصود (چونکہ) یہ تھا کہ خاتم النبیین کا لفظ بطور لقب بندوں کی زبان پر جاری ہو (اس لیے صرف رسول اللہ و خاتم النبیین کو بحیثیت لقب کے ذکر فرمایا)

۹۳ــــ(خاتم المحدثین وغیرہ کا) عُرف جدید اس وجہ سے پیدا ہوا کہ لوگوں نے دیکھا

---

[۱] فتح الباری ص ۹، ج ۱۳ [۲] البقرہ، ۲۵۳

کہ کمالات کا رُخ دن بدن انحطاط کی جانب ہے (اس لیے انھوں نے کسی نابغہ کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ آئندہ دورِ زوال میں ایسا بلند پایہ شخص کہاں پیدا ہو سکتا ہے، پس مستقبل میں ناامیدی کے پیشِ نظر انھوں نے اس باکمال کو اس فن کا خاتم قرار دے دیا) مگر یہ نظر اور اعتبار حق تعالیٰ کے حق میں مفقود ہے۔ اس کی بارگاہِ عالی کے لیے زیبا نہیں کہ وہ مایوسانہ انداز میں یوں کہے کہ "افسوس! فلاں پیغمبر کمالات کو ختم کر گیا، اب اس جیسا کوئی دوسرا پیغمبر کہاں آسکتا ہے" البتہ اس قسم کا کلام کہ "ہم نے فلاں پیغمبر پر کمالات ختم کر دیے۔ لہٰذا اب اس جیسا کوئی دوسرا پیغمبر ہم نہیں لائیں گے" اگرچہ اس کی بارگاہ کے مناسب ہے، مگر قرآن کریم کی عبارت میں یہ مضمون نہیں۔ اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ فلاں پیغمبر آخری ہے، بالکل سیدھی صاف اور واضح بات ہے (جس میں سے سرد پا تاویلات کی گنجائش نہیں اور نہ اس کے مقصد و مدعا کے سمجھنے میں کوئی اُلجھن ہے)

۹۴ ——— اور تحقیق یہ ہے کہ خاتم المحدثین کا لفظ ختم کمالاتِ مخصوصہ کے اعتبار سے نہیں بولا جاتا، بلکہ "الناقص کالمعدوم" کے اصول پر ناقصوں کو کالعدم اور ناقابلِ اعتبار فرض کر کے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

یہ ہے اس لفظ کی تخریج من حیث الدلالۃ۔ جیسا کہ لاریب فیہ میں علماء نے کہا ہے، (باقی اس سے بحث نہیں کہ جس موقعہ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے وہاں واقعۃً ناقص کو بمنزلہ معدوم کے ٹھہرانا صحیح بھی ہے یا نہیں) مصداق جیسا کچھ بھی ہو ہوا کرے صحیح ہو یا غلط! کیونکہ یہ آدمی کا مجازفہ اور تخمینہ ہے، بادشاہِ علام الغیوب کی تحقیق نہیں۔ بہرحال یہ ترکیب کسی شئی کی انتہاء کو بیان کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے، جس سے اس شئی کا ختم اور منقطع ہو جانا قطعی طور پر لازم ہے۔ اب خواہ یہ اعلانِ انقطاع بطور مسامحت اور حقِ مقام کی پوری رعایت کیے بغیر حرف زنی کے باب سے ہو، جیسا کہ اوساط الناس کا محاورہ ہے، یا برسبیل تحقیق ہو، جیسا کہ علام الغیوب کے کلام میں واقع ہوا ہے، اور (یہ نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ) ناقص کو کالمعدوم اور ناقابلِ اعتبار تصور کرنے کا اصول انبیاء کرام کے باب میں رائج نہیں ہے، بلکہ یہ شرعاً ممنوع ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی سُوَر توں

اسماء حسنیٰ اور متعلقاتِ حضرتِ ربوبیت کے مراتب میں بھی یہ طرز ناروا ہے (کیونکہ ان امور میں سے کسی ایک کو ناقص اور لا یعبأ بہ قرار دینا بدترین گستاخی ہے۔ بلاشبہہ انبیاء کرام میں بعض حضرات بعض سے افضل ہیں مگر ان حضرات کی ایک دوسرے سے) فضیلت کے بیان میں قرآن حکیم کا طریقہ (یہ نہیں کہ مفضول کو ناقابلِ اعتبار اور لا یعبأ بہ فرض کرکے کالعدم قرار دے لیا جائے۔ بلکہ اس کا طریقہ) وہی ہے جس کی مثال اوپر گذر چکی، (یعنی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ[58]) مختصر یہ کہ علم اور فضائلِ کسبیہ کا باب چونکہ بشر کے دائرۂ اختیار میں ہے اس لیے ان امور میں اس کو عمل دخل ہے (کہ کونسی چیز قابلِ اعتبار ہے کونسی نہیں ہے اور کس چیز میں ناقص کو بمنزلہ معدوم کے قرار دے کر اس کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے) بخلاف متعلقاتِ نبوت کے کہ حضرتِ رب العزت کے سوا کسی کو ان میں اعتبارات پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔

۹۵ ــــــ اور ضرورت دونوں قسم کے افادوں کی پیش آتی ہے، کبھی کہتے ہیں کہ فلاں عہدہ اور منصب باقی نہیں رہا۔ اب کوئی شخص اس عہدے پر (تعینات ہو کر) نہیں آئے گا، اور مراد ہوتا ہے اس عہدہ کا بالکلیہ ختم اور بند کر دیا جانا۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ آئندہ اس پائے کا آدمی پیدا ہونا مشکل ہے، یا اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگ قابلِ شمار و اعتبار نہیں۔ اور اس قید کو ذکر نہیں کرتے، مواقع استعمال سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کبھی کلام اصل شیٔی (کے ختم ہونے) میں ہے، اور کبھی (اعلیٰ) مراتب (کے ختم ہونے) میں ـــ علماء کے باہمی تفاضل میں یہی مؤخر الذکر معنیٰ مراد ہوتے ہیں، نہ کہ اول۔ کیونکہ یہ لوگ اس میں نہ تو صاحب اختیار ہیں اور نہ حکم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

۹۶ ــــــ اور مخفی نہ رہے کہ اہلِ عرف خود بھی ان محاورات میں اپنے تسامح سے مطلع ہیں، اور ان کا تعامل ان کے مطلع ہونے کی خبر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں ایک شخص کو 'خاتم المحدثین' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، لیکن جب اس کے بعد کوئی دوسرا کامل کھڑا ہو جائے تو اس کو بھی یہی لقب دے دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی مراد ختم کمال کے لحاظ سے بھی آخریت حقیقیہ نہیں ہوتی، بلکہ اپنے زمانے کے اعتبا

---

[58] البقرہ: ۲۵۳

ہے آخریت مراد ہوتی ہے۔ بلکہ ایک ہی زمانہ میں متعدد اشخاص کو بھی خاتم کہہ دیتے ہیں، اور مقصد دوسروں سے کمال کی نفی کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے مخصوص دائرۂ ذہن اور سانحِ وقتی کے لحاظ سے بات کرتے ہیں۔ تمام زمانوں اور تمام اشخاص کے لحاظ سے نہیں۔ کیونکہ یہ بات کبھی ان کے گوشۂ ذہن میں بھی نہیں آتی۔ کلام کا مفہوم عرفِ متکلم کے دائرہ اور عرفِ عام کے اعتبار سے لینا چاہیے۔ نہ کہ ایسا عموم جو متکلم کا مقصود ہی نہ ہو۔ جیسا کہ متعنت لوگ لفظی مواخذات کرکے ایسے مناقشات کیا کرتے ہیں جو متکلم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گذرے ہوں۔ اس کے باوجود اہلِ عرف کا استعمال معنیٔ آخریت کے لحاظ سے یکسر خالی بھی نہیں ہوتا، ورنہ مبالغہ، جو ان کا اصل مقصود ہے فوت ہو جائے گا۔ مبالغہ اسی حالت میں باقی رہتا ہے کہ چونکہ اس سلسلہ کی حقیقی آخریت انہیں معلوم نہیں اس لیے کمال کا لحاظ کرتے ہوئے ممدوح کو آخر کہہ دیتے ہیں۔

یہ تو ہے اہلِ عرف کا اطلاق باعتبار ازمنہ و اشخاص کے۔ اب دوسری طرف اللہ جلّ شانہٗ کے طرز کو دیکھو کہ اس نے ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو 'خاتم النبیین' کا لقب نہیں دیا، نہ ایک زمانہ میں، نہ متعدد زمانوں میں۔ نہ کسی دوسرے پر اس لفظ کا اطلاق کیا، نہ اس کی اجازت دی یہ قادیانی اشقیاء کسی لفظ کے مجازی اور تسامحی معنیٰ دیکھ لیتے ہیں تو لفظ کو اسی کے لیے موضوع ٹھہرا لیتے ہیں، گویا اب وہ معنی حقیقی ہیں استعمال کے لائق نہیں رہا۔ اور اس سے بکلی منسلخ ہو گیا، اور لفظ کی گویا جدید وضع پیدا ہو گئی کہ اب اسے حقیقی معنی میں استعمال کرنا بھی جائز نہیں رہا۔ اور یہ غایت جہل و شقاوت ہے کہ عرفِ قرآن اور عرفِ عامیانہ میں امتیاز نہیں کرتے، اور ذرا احتیاط ملحوظ نہیں رکھتے، بلکہ جو کچھ سامنے آ جائے بلا خطر تراشتے اور ہانکتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ دیدہ دلیری اور ڈھٹائی اس شخص کا کام ہے جو دراصل قرآن پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو، بلکہ اپنے فہم سقیم اور طبعِ منحرف پر ایمان رکھتا ہو۔

۹۷ ــــــ ایک بار احقر نے (اس موضوع پر) سطور ذیل لکھی تھیں:

مخفی نہ رہے کہ حق تعالےٰ کے ارشاد "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کو عوام الناس کے قول "فلاں خاتم محققین ہے" پر قیاس کرنا انتہائی جہالت و نادانی کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ مقولہ ایک عامی محاورہ ہے جو تحقیق پر مبنی نہیں، بہت سے محاورات مقاماتِ خطابیہ میں استعمال ہوتے ہیں جنکا مدار تحقیق پر نہیں ہوتا، بخلاف ارشاد خداوندی کے کہ وہ سراسر تحقیق ہے اور حقیقتِ واقعیہ سے سرمو متجاوز نہیں بلکہ قرآن کریم کے وجوہِ اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ایک کلمہ کی جگہ مخلوق دوسرا کلمہ نہیں رکھ سکتی، کیونکہ اس مقام کے حق اور حقیقتِ غرض کی گہرائی کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔

۹۸ــــ دوم: یہ کہ اس فقرہ کے قائل نے خود بھی تحقیق کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ نہ تو اسے غیب کا علم ہے اور نہ وہ پردۂ مستقبل میں چھپی ہوئی چیزوں سے باخبر ہے، کہ دوام کی رعایت رکھ کر بات کہتا۔ بخلاف باری تعالےٰ کے (کہ اس کے لیے ماضی و مستقبل یکساں ہیں)

۹۹ــــ سوم: یہ کہ یہ فقرہ ہر شخص اپنے گمان کے موافق کہتا ہے، لہٰذا ایک ہی زمانے میں متعدد لوگ کہتے ہیں، اور انہیں ایک دوسرے کے قول کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک شخص اس اطلاع کے باوجود کہ اس زمانے میں دیگر اصحابِ کمال بھی موجود ہیں، اس لفظ کا اطلاق کرتا، اور قطعی قرینہ پر اعتماد کرتا ہے کہ دوسرے لوگ خود مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لیے میرے سامعین ایک ایسی چیز کے بارے میں، جسے وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں، میرے کلام کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونگے

۱۰۰ــــ چہارم: یہ کہ ہر شخص کی مراد بس اس کے اپنے زمانے تک محدود ہوتی ہے، مستقبل سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

۱۰۱ــــ پنجم: یہ کہ اس قادیانی دجّال کے خیال کے مطابق نعوذ باللہ آئندہ آنیوالے ہر نبی پر ایک اعتبار سے "خاتم" کا اطلاق کر سکتے ہیں، اندریں حالت آیت کے مضمون کا کوئی حاصل اور نتیجہ ہی نہیں نکلتا۔

۱۰۲ـــــــ ششم : یہ کہ جس صورت میں کہ (دجّال قادیان کے بقول) 'خاتم' کے معنی "مہر لگانے والا" کے لیے جائیں تو اس صورت میں اگر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تمام انبیاء کرام سے مقدم ہوتا، جب بھی آپؐ خاتم بالمعنی المذکور رہو سکتے حالانکہ یہ قطعاً بے معنی بات ہے۔ ایسی حالت میں مقدام المحققین بولتے ہیں، نہ کہ خاتم المحققین۔

۱۰۳ـــــــ ہفتم : یہ کہ اس تقدیر پر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّتِ مرحومہ کے ساتھ کوئی زائد خصوصی تعلق باقی نہیں رہ جاتا۔ حالانکہ آیت کا سیاق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّت کے ساتھ ابوت کے بجائے ختمِ نبوّت کا علاقہ ہے اور شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد اسی واسطے نہیں رہی تاکہ آپؐ کے بعد نبوّت کی طرح بکلی منقطع ہو جائے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سے علاقہ "ابوّت" مت تلاش کرو، بلکہ اس کی جگہ علاقہ نبوت ڈھونڈو۔ اور وہ بھی ختمِ نبوت کا علاقہ۔ اور آپؐ کی نرینہ اولاد کے زندہ نہ رہنے میں یہ اشارہ تھا کہ آپؐ کے بعد سلسلۂ نبوّت باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ اور ابن عباسؓ کے الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے شرح مواہب جلد ثالث، ذکر ابراہیمؑ۔ اور وراثتِ نبوت کے لیے جامع البیان اوائل سورۂ مریم مع حاشیہ، اور مواہب لدنیہ میں خصائص کی بحث دیکھئے۔ شرح مواہب صفحہ ۱۸۶ ج ۶ میں ہے کہ "شاید (آیت کی) مراد بذریعہ "تبنّی" ابوت کی نفی اور علاقہ "رسالت و نبوت کا اثبات ہے، اور "رجال" کی قید اس لیے لگائی گئی کہ صورتِ لفظ سے او لادِ صلبی کے حق میں بھی ابوت کی نفی مراد لیے بغیر تبنّی کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یا ممکن ہے کہ بالغ مَردوں کے حق میں مطلقاً ابوت کی نفی مراد ہو"۔ اور روح المعانی میں اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے، غرضیکہ محاورۂ عامیہ، تحقیقی کلام نہیں، بلکہ تساہل اور تسامح پر مبنی ہے۔ اور اس کے نظائر احیاء العلوم مصنفہ امام غزالیؒ کے "باب آفاتِ لسان" میں ملاحظہ کیے جائیں، نیز جو کلام انھوں نے مخزیہ القاب۔ مثلاً شاہنشاہ پر کیا ہے اسے بھی ملاحظہ کیا جائے۔ اور ممدوحین کے رُوبروان کی تعریف و توصیف کی ممانعت معلوم ہی ہے، پس یہ محاورات نہ تو تحقیقی

---

نہ فتوحات میں بھی یہی سمجھا ہے منہ

ہیں، اور وہ شرعی ہیں (اس نوعیت کے غیر ذمہ دارانہ القاب و محاورات تو کیا شرعی ہوتے) چہ جائیکہ شارع علیہ السلام نے بَرّہ نام کو بھی پسند نہیں فرمایا (کہ اس میں تزکیہ و توصیف کی جھلک تھی)

۱۰۴۔۔۔ ہشتم یہ کہ لفظ "ختم" کا مدلول یہ ہے کہ خاتم کا حکم و تعلق اس کے ماقبل پر جاری ہوتا ہے، اور سابقین اس کی سیادت و قیادت کے ماتحت ہوتے ہیں جس طرح کہ بادشاہ موجودین کا قائد ہوتا ہے، نہ کہ ان لوگوں کا جو ہنوز پردہ عدم میں ہوں اور اسکی سیادت کا ظہور اور اس کے عمل کا آغاز رعایا کے جمع ہونے کے بعد ہوتا ہے، نہ کہ اس سے پہلے۔ گویا اجتماع کے بعد کسی قوم کا کسی کی آمد کے لیے منتظر اور چشم براہ ہونا اس امر کا اظہار ہے کہ معاملہ اس کی ذات پر موقوف ہے۔ بخلاف اسکی برعکس صورت کے کہ (قائد آئے اور چلا جائے اور ماتحت عملاً اس کے بعد آئے، اس صورت میں کسی قرینے سے اس امر کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ اس پیشرو کی برتری اور سیادت کا تصور) محض ایک معنوی اور ذہنی چیز ہے (جسکا خارج میں کوئی اثر و نشان نہیں ہوتا، اس پر کوئی دلیل و برہان ہے) یہی وجہ کہ عاقب، حاشر اور مقفی جو سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی ہیں مابعد کے لحاظ سے نہیں (بلکہ ماقبل کے لحاظ سے ہیں، جیسا کہ ان کے معانی پر غور کرنے سے بادنیٰ تأمل معلوم ہو سکتا ہے) اور (خاتمیت سے یہ مراد لینا کہ چونکہ آپؐ کی نبوت "بالذات" ہے اور دوسروں کی نبوت "بالعرض"۔ لہٰذا آپؐ سے استفادہ کے ذریعہ اب بھی نبوت مل سکتی ہے۔ خاتمیت کا یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ) ما بالذات اور ما بالعرض کا ارادہ فلسفہ کی اصطلاح ہے، نہ تو یہ قرآن کریم کا عرف ہے، نہ زبان عرب ہی اس سے آشنا ہے، اور نہ قرآن کریم کی عبارت میں اس کی جانب کسی قسم کا اشارہ یا دلالت موجود ہے۔ پس اس آیت میں "استفادۂ نبوت" کا اضافی مضمون داخل کرنا محض خود غرضی اور مطلب براری کیلئے قرآن پر زیادتی ہے۔

البتہ سنّت اللہ یہی واقع ہوئی ہے کہ ختم زمانی کا منصب عالی اسی شخصیت کے لیے تجویز فرمایا گیا جو قطعی طور پر امتیازی کمال میں سب سے فائق تھی اور تمام سابقین کو اس کی سیادت و قیادت کے ماتحت رکھا گیا۔

اور انبیاء کرام کو نبوت پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجا جاتا (کہ مُہریں لگا لگا کر نبی پیدا کیا کریں) بلکہ سیادت و قیادت اور سیاست و ریاست کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔ قوم نماز کے لیے پہلے جمع ہو تو اس کے بعد امام مقرر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی محل ہے حق تعالیٰ کے ارشاد : یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ[1] کا۔

پہلی اُمتوں میں انبیاء کرام تکمیلِ کار کے لیے رسولوں کے ماتحت ہوتے تھے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے، اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ وَ اَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ[2] نیز موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں ارشادِ خداوندی ہے: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ[3] اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام میں کمال کا کوئی جزء باقی نہیں چھوڑا گیا (بلکہ کارِ نبوت کی تکمیل من کل الوجوہ آپؐ کی ہی ذاتِ گرامی سے کرا دی گئی۔ لہٰذا اب کوئی منصب باقی نہ رہا جس کے لیے کسی نئے نبی کو مبعوث کیا جاتا۔ چنانچہ آپؐ کی شان تو یہ ہے) سے

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۱۰۵۔ ___ اور اُدھر یہ حدیث کہ "انبیاء کرامؑ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں" ثابت ہے کہ حیات سے اکمالِ حیات مراد ہیں، نہ کہ صرف بقائے روح۔ کیونکہ یہ تو (مومن و کافر اور نبی و غیر نبی) سب میں مشترک ہے (پس یہ امر انبیاء کرام کے ساتھ مختص نہ ہوا حالانکہ حدیث سے اختصاص ثابت ہوتا ہے۔ الغرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کارِ نبوت کی تکمیل ہو چکی، اور پھر حیاتِ انبیاء کی بنا پر آپؐ اُمت میں زندہ موجود ہیں۔ گو پس پردہ ہوں، تو نئے نبی کی بعثت بے معنیٰ ہوتی۔)

اور انبیاء کرامؑ کی جانب سے اُمت کی رُوحانی تربیت اور ان کی تکمیلِ باطنی جو ہوتی ہے وہ شاید ولایتِ نبوت کے اعتبار سے ہوتی ہو گی جو نبوت کا ایک جزء اور اس کے تحت میں مندرج ہے اور ولایت خود جاری ہے۔ پس نبوت کا ایک جزء اختصاصی ہوا (یعنی حق جل شانہ کا کسی بندے کو پیغام رسانی کے منصب کے لیے تجویز کرنا) اور

---

[1] سورۃ الاسراء: ۷۱، [2] سورہ طٰہٰ: ۳۱-۳۲، [3] سورۃ القصص: ۳۵، [4] فتح الباری ص ۳۵۲ ج ۶۔

دوسرا جزء اکتسابی ہے (اور وہ ہے ولایت) اور یہاں "ولایتِ نبی" کی بحث عارفین کے کلام میں دیکھ لی جائے۔

غرضیکہ نبوت ایک ظاہرہ باہرہ منصب ہے، جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے (کسی بندے کو) خلیفہ مقرر کرنے اور (پھر اس کے لیے) اُمتوں سے عہد و میثاق اور بیعت لینے کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ شریعت کی رُو سے منصبِ خلافت عقدِ بیعت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، بذریعہ وراثت حاصل نہیں ہوتا، اور نہ بطور سرایت۔ نیز نبوت فضائل لازمہ سے ہے، کمالاتِ متعدیہ سے نہیں، جیسا کہ ولایت ایک متعدی کمال ہے جو توجہ باطنی اور صرف ہمت سے متعدی ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ معجزہ و کرامت کے مابین فرق ہے کہ اوّل الذکر نبی کی عقدِ ہمت کے بغیر ہوتا ہے، اور ثانی الذکر میں ولی کو عقدِ ہمت ضروری ہے، اسی طرح زیرِ بحث مسئلہ کو سمجھنا چاہیے (کہ حصولِ نبوت میں نبی کی سعی و محنت کو دخل نہیں ہوتا۔ جب کہ حصولِ ولایت کے لیے کسب و سعی درکار ہے)

۱۰۶ــــــ اور اجزائے نبوت میں سے جو چیز قابلِ تعدیہ تھی ـــــ اور وہ ہے جزء ولایت ـــــ جو نبوت کے تحت مندرج ہے ـــــ وہ تو متعدی و ساری ہوئی، اور جو چیز قابلِ تعدیہ نہیں وہ لازم رہی۔ اور وہ ہے خود نبوت جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خلافت بخشی و نامزدگی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور اُمتوں سے عہد و میثاق لینے اور منصۂ شہود پر منصبِ رسالت کے لیے کھڑا کرنے سے تمام پذیر ہوتی ہے۔ اور اُمت کی تکمیلِ ظاہر اسی منصبِ نبوت سے وابستہ ہے۔ "تکمیلِ ظاہر" سے میری مراد محض ظاہری و سطحی تکمیل نہیں، بلکہ ایسی ظاہرہ باہرہ تکمیل مراد ہے جس میں کوئی خفا نہ ہو، بلکہ وہ علیٰ سبیل الاشتہار ہو پس حصۂ نبوت پوری اُمت کی علی الاعلان تکمیل کے لیے ہے، اور حصۂ ولایت خواص کی تکمیل کے لیے۔ اور وہ باطن ہے، نہ کہ ظاہر۔ اور اُمت میں ساری و متعدی ہے۔ پس نبوت کا جزءِ اخیر (جس پر نبوت کا تحقق موقوف ہے) جس طرح کہ علتِ تامہ کے جزءِ اخیر پر معلول کا تحقق موقوف ہوا کرتا ہے، وہ یہی استخلافِ تولیت ہے، جو

محض فعلِ الٰہی ہے اور بس. اب اگر تم نے اس نکتہ کو سمجھ کر اس کا صحیح وزن کیا تو تمام (قادیانی) وساوس سے ہمیشہ کے لیے نجات پا لوگے (کیونکہ قادیانی کی جعلی نبوت کی ساری عمارت اس ستون پہ قائم ہے کہ اسے فیضانِ محمدیؐ سے نبوت حاصل ہوتی۔ اور گذشتہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ نبوت ایسا متعدی کمال ہی نہیں جو "فیضان" کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔ یہ تو من جانب اللہ نامزدگی ہے، جس میں نہ کسی کے کسب و ریاضت کو دخل ہے، نہ افاضہ و فیضان سے یہ حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ بطورِ وراثت وسرایت میسر آتی ہے۔ اس لیے فیضانِ محمدیؐ سے نبوت پانے کا دعویٰ کرنا ہی مدعی کی غلط بیانی اور حقیقت نبوت سے اس کی ناآشنائی کی دلیل ہے)

اور اگر خارج میں اس کی مثال چاہو تو تحصیلِ کمالاتِ امارت پر نظر کرو کہ عہدۂ ولایت و گورنری کے لیے جن کمالات کی ضرورت ہے ان کا حصول تو کسبی ہے، لیکن کوئی شخص حاکم اور گورنر نہیں ہو سکتا. جب تک کہ بادشاہ کی جانب سے اس کی تقرری نہ ہو جائے (بلا تشبیہ اسی پر منصب نبوت کو قیاس کر لیا جائے کہ محض نفسِ استعداد کی بنا پر آدمی ایک چپراسی بھی نہیں بن سکتا. تاوقتیکہ حاکم مجاز کی جانب سے اس منصب پر معین نہ کر دیا جائے، تو محض ادعائے کمالات کی وجہ سے کوئی شخص نبی کیونکر بن سکتا ہے، جب تک کہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس کی تقرری کا اعلان نہ ہو) اور یہ خیال نہ ہو کہ جب کمالات نبوت (انبیاء علیہم السلام میں) سب کے سب پہلے ہی سے موجود تھے تو پھر یہ استخلاف اور ترلیتِ الٰہی تو محض ایک بالائی (اور زائدی) بات ہوئی، اور چنداں لائق قدر و منزلت نہ ٹھہری؛ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات میں تو اس استخلاف سے کوئی اضافہ نہ ہوا۔ یہ خیال سراسر غلط ہے) کیونکہ بارگاہِ خداوندی سے کسی شخصیت کو بحیثیت خلیفہ کے چن لیا جانا، بذاتِ خود ایک ایسا امتیازی شرف ہے جو تمام کمالات و فضائل سے بلند و بالا ہے" اور اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے، اور اللہ بڑی وسعت والا علم والا ہے۔"

۱۰۶ ـــــ اور معلوم رہے کہ نبوت و رسالت کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے تغایر ہے

کہ دونوں کا مفہوم الگ ہے) اور (مصداق کے لحاظ سے دونوں کا ایک ہی محل ہیں) اجتماع ہے۔ دونوں کے درمیان کل اور جزء کی نسبت نہیں، اور صدق کے اعتبار سے عموم و خصوص ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص) (بمنزلہ آیت اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا کے لہ

پس در اصل یہ دو الگ الگ وصف ہیں جو ایک محل میں جمع ہو سکتے ہیں، یا ان دونوں کے درمیان استلزام ہے (کہ رسالت، نبوت کو مستلزم ہے) پس یہ نہیں کہہ سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین تو ہیں مگر خاتم الرسل نہیں، کیونکہ رسالت نبوت کے بغیر نہیں پائی جا سکتی، پس جب آپ خاتم النبیین ہوئے اور آپ کے بعد کسی نبی کا آنا ممتنع ہوا تو اس سے از خود یہ لازم آیا کہ آپ خاتم الرسل بھی ہیں) اور آیت میں عام بمقابلہ خاص کے واقع نہیں ہوا، بلکہ اس نکتہ کی وجہ سے جو پہلے گذر چکا ہے نظمِ کلام کو خصوص سے عموم کی طرف بدل دیا گیا۔ اور اس قسم کی تبدیلی یا عموم اشخاص کے احاطہ کے لیے ہوتی ہے، یا کسی جزء حقیقت کے استیفاء کے لیے۔

اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ ان نبیوں کے تو خاتم ہیں جو خدا سے خبر پاتے ہیں، مگر ان رسولوں کے خاتم نہیں جن کو بھیجا جاتا ہے۔ کیونکہ جس کو بھیجا جائے گا اسے خبر دیئے کے بغیر تو نہیں بھیجا جائے گا۔ آج کل کے عرف عام میں 'نبی' کا لفظ 'رسول' کے مقابلہ میں شائع ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ میں ایک قراءت شاذہ 'ولا محدث' کی زیادتی کے ساتھ آئی ہے (اس سے ان تینوں کا تقابل مفہوم ہوتا ہے) اور صدرِ کلام میں جو وما ارسلنا واقع ہے اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ معطوف (نبی اور محدث) پر مُرسل کا اطلاق کیا جائے کیونکہ توابع میں بہت سی (ایسی) چیزیں قابل تسامح ہوتی ہیں (جو اصول میں نہیں روا ہوتیں) خلاصۂ آیت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دائماً رسول ہیں، اور باعتبار مستقبل کے (قیامت تک کے لیے) علی الاطلاق رسول ہیں۔ اور انبیاء گذشتہ کے اعتبار سے آپ خاتم اور آخری نبی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف غیر منقطع ہے۔

۱۰۸ــــــ اس شقی (قادیانی) نے قرآن کے مساوی مرتبہ کی وحی کا دعویٰ کیا (اندریں صورت

---

لہ مریم ۱۹م ۵۶ ۱ لج : ۵۲

اگرچہ اس نے نبوت کا دعویٰ (صراحتہً) نہ بھی کیا ہوتا (تب بھی اس کے مدعیٔ نبوت ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا، کیونکہ قرآن کی مثل قطعی وحی کسی نبی پر ہی نازل ہو سکتی ہے۔ چہ جائیکہ اس نے کھل کر) نبوت و رسالت کا بھی دعویٰ کیا اور (پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر) انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کی، تمام اُمتِ حاضرہ کی تکفیر کی، بہت سے ضروریاتِ دین کو رد کیا، شریعت لانے کا دعویٰ کیا انبیاء علیہم السلام کے خصائص کا ادعاء کیا۔ انبیاء کرام کی نقالی کی، دین کے متواترات میں تحریف کی، اور شریعت کے بعض متواتر عقائد و مسائل کا مذاق اڑایا۔ اور یہ تمام امور باجماعِ اُمت، کفر و الحاد اور زندقہ کی صورتیں ہیں۔

۱۰۹ ـــــ اور وہ کبھی انعکاس کو غیر تشریعی نبوت سے مغائر بھی کہتا تھا۔ چنانچہ کادریس ص۱۰۱ ج۱ میں اخبار بدر (قادیان، مورخہ ۱۰ اپریل) ۱۹۰۳ء سے (قادیانی کا یہ قول) نقل کیا ہے (کہ محی الدین بن عربی کہتے ہیں کہ نبوت غیر تشریعیہ جاری ہے، مگر میرا اپنا مذہب یہ ہے کہ یہ نبوت بھی مسدود ہے صرف انعکاسِ نبوت جاری ہے") پھر اس کے باوجود نہ صرف غیر تشریعی نبوت کا، بلکہ) تصریح و تحدی کے ساتھ صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ اور اگرچہ اس نے شریعتِ جدیدہ کا لفظ نہیں بولا، مگر اس کے افعال و اقوال کو وہ بھی لازم ہے۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ اس نے "صاحب شریعت" کی ایک تیسری قسم اختراع کر کے اپنے آپ کو اس قسم کا صاحب شریعت قرار دیا ہے جیسا کہ اربعین ۴ ص۶ (وصک) کے متن و حاشیہ میں (اپنے صاحب شریعت ہونے کا) چیلنج دیا ہے اور اپنی اُمت بنائی، اور اس نئی قسم کی شریعت کے ذریعہ نجات کو اپنی اتباع میں منحصر ٹھہرایا، اور اپنے منکروں کو علی الاعلان کافر کہا۔ [۱]

---

[۱] عقائد مرزا ص۹، مرقع قادیانی ص۱۵، عجائبات مرزا ص۸: "پس میں وہی مظہر ہوں" پس ایمان لا اور کافروں سے مت ہو"۔ از حقیقۃ الوحی ص ۱۰۴ عشرہ کاملہ ص ۵۵ از خط قادیانی و ترک مرزائیت ص ۵۲: "جو مجھے نہیں مانتا خواہ وہ زبان سے میرے حق میں کوئی بڑا لفظ نہ کہتا ہو، کافر ہے" تحقیق لاثانی، بحکم خدا تعالیٰ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۱۰ــــــ "بروز" اہل تناسخ کی اصطلاح ہے جیسا کہ مزدک اور لاماں نے دعویٰ کیا تھا، ادیانِ سماوی، شریعتِ مطہرہ اور تحقیقاتِ علماء اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور ظلیت ہی دینِ اسلام کے محاورہ میں آئی ہے اور جب تک (قرآن و حدیث میں کسی لفظ کا) محاورہ جاری نہ ہو تب تک (اس لفظ کو مدار بنا کر) نصوص میں تحریف کرنا زندقہ و الحاد ہے، اور محاورہ میں قیاس مسرع نہیں، جیسا کہ کوئی شخص فارسیوں کے محاورہ پر قیاس کر کے عربی میں "اکل الحلفۃ" یا "قتل السراج" کہنے لگے اور نہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہی اس (ظلی و بروزی) حقیقت کو تسلیم فرمایا چنانچہ (حضرت علیؓ سے) فرمایا: "تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔" (اگر کسی ظلی و بروزی نبوت کی گنجائش ہوتی تو آپ اس کو مستثنیٰ فرما دیتے) اور تیس دجالوں والی حدیث[ث] (میں بھی آپ نے ظلی و بروزی کا استثناء کیے بغیر ہر مدعی نبوت کو دجال و کذاب قرار دیا) اور نہ قصرِ نبوت میں کسی اینٹ کی جگہ باقی چھوڑی گئی (کہ ظلی بروزی نبوت کو وہاں رکھ دیتے) اور حدیث دجالین میں مدارِ حکم بس دعوائے نبوت ہے، نہ کہ کسی خاص تعداد کا شمار۔

۱۱۱ــــــ اور آیت: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ الی قولہ۔ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ[ث] میں (محمد قادیان نے یہ نکتہ الحاد پیدا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو بار مبعوث ہونا مقدر تھا۔ ایک دفعہ عرب کے اُمّیوں میں اور دوسری دفعہ آخرین منہم میں۔ چنانچہ آپ پہلی دفعہ بشکل محمد مکہ میں مبعوث ہوئے اور دوسری بار نعوذ باللہ مرزا غلام احمد کی بروزی شکل میں

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں" کا دیانی کا خط بنام ڈاکٹر عبدالحکیم خاں۔ "علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔" حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳، اور اس کی عبارت عشرۂ کاملہ ص ۱۸ میں دیکھی جاسکتی ہے جس میں اس نے اپنی تحقیق کے مطابق حضرت مریم صدیقہؑ کی طرف زنا کی نسبت کی ہے۔ والعیاذ باللہ منہ

ث مشکوٰۃ ص ۳۶۳ ث مشکوٰۃ ص ۴۶۵ ث الجمعۃ: ۲-۳

قادیان میں پیدا ہوئے۔ اس لیے مرزا غلام احمد، عین محمدؐ ہے، وہی خاتم الانبیاء ہے، اور مرزا غلام احمد کی بروزی بعثت، اپنی روحانیت میں محمدی بعثت سے بڑھ کر اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے (دیکھو خطبۂ الہامیہ ص ۱۸۱) اس الحاد کے صاف معنی یہ ہیں کہ تیرھویں صدی کے خاتمہ پر مکہ والی محمدی بعثت کا دور ختم ہو لیا، پہلی بعثت منسوخ ہو گئی اور چودھویں صدی سے قادیانی بعثت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ۔ حالانکہ جس آیت کریمہ پر اس کفر والحاد کی یہ ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے اس کو) آنحضرتؐ کی دو بعثتوں سے، جو اس ممسوخ الفطرت ملحد نے ایجاد کی ہیں۔ ذرا بھی مس نہیں۔ تعدّد نفسِ فعل میں نہیں بلکہ اس کے محل اور متعلق میں ہے (پس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح پہلی بار اُمیوں میں تشریف لاتے ہیں۔ اسی طرح 'آخرین' میں دوبارہ آئیں گے۔ بلکہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ آپؐ کی یہی بعثت جو اُمیوں میں ہوئی ہے وہ صرف عرب کے اُمیوں تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا دامن قیامت تک بعد میں آنے والے عجمیوں پر بھی محیط ہے) اور آیت کا مضمون اس فقرہ کی مانند ہے: المبعوث الی الاسود والاحمر والمبعوث الی العرب والعجم۔ (کیا کوئی معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی اس کے یہ معنیٰ کرے گا کہ آپؐ کی دو بعثتیں ہیں، ایک کالوں کی طرف اور دوسری گوروں کی طرف۔ ایک عرب میں اور دوسری عجم میں ؟) اور یہاں تو اس قاعدے کی بھی حاجت نہیں جو نحویوں نے بیان کیا ہے کہ "توابع میں ان امور کو لائق مسامحہ سمجھا جاتا ہے جن کو اصول اور متبوعات میں نہیں سمجھا جاتا" اس قاعدے کی ضرورت شاید آیتِ احقاف: وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ ، وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ[1] میں پیش آتے — فقہا نے اس سلسلہ میں بڑی موشگافیاں کی ہیں کہ کہاں قسم ایک ہوتی ہے اور کہاں متعدد ؟ مگر آیتِ زیرِ بحث میں تعددِ بعثت کا الحادی نکتہ ملحدِ قادیاں کے سوا کسی فقیہ کو نہیں سوجھا) اور یہ ملحد، آیت هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا[2] میں کیا کہے گا ؟ (کیا یہاں بھی تعددِ تسمیہ کا قائل ہوگا ؟) اور یہیں

---

[1] الاحقاف ۲۱ [2] الحج : ۷۸

نے "عجائبات مرزا" میں دیکھا کہ اس نے وآخرین منھم میں تقدیر عبارت "وفی آخرین رسولاً منھم" بھی اور دو بلغتیں پیدا کرلیں۔ اور یہ مسخ فطرت ہے جو کسی ایسے شخص کو، جسے عربیت سے ادنیٰ مس بھی ہو، پیش نہیں آسکتی۔ کیونکہ زیر بحث آیت میں رسول کو آخرین میں سے نہیں فرمایا، بلکہ خود آخرین کو (جن کا مصداق اوّل اہل فارس ہیں) اُمیّوں میں سے فرمایا ہے (اور انہیں اُمّی اس لیے کہا گیا ہے) کہ یہ اہل عجم (بھی عربوں کی طرح) اہل کتاب نہیں تھے۔ پس فہم عبارت میں ایسی رُسواکن غلطیوں کے باوجود اس سے کیا توقع رکھتے ہو؟ (نبوت یا مسیحائی کی؟ استغفراللہ) ہاتھ اس کے دین و فہم سے یکسر اُٹھالو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۱۲ ـــــ اور (مرزا قادیانی بروز و ظلیت کے دعویٰ میں متفرد نہیں بلکہ) بہت سے زندیق ہمیشہ یہی کرتے آئے ہیں کہ کسی مشہور شخصیت کے بعد جس کا شہرہ چار دانگ عالم میں تھا، یا تو اس کے حلول و بروز دعویٰ کر دیا، جیسا کہ (علی محمد) باب نے (مظہر ائمہ ہونے کا سنے دعویٰ) کیا تھا اور یا بہاء اللہ کی طرح اپنے استقلال اور شریعت سابقہ کے نسخ کا دعویٰ کیا، (اور لطف یہ کہ مرزا قادیانی نے اپنے دو مختلف نظریے میں ان دونوں طریقوں کو جمع کر لیا، اپنی آمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروزی آمد قرار دینے میں باب کے نقش قدم کا تتبع کیا، اور آپؐ کی پہلی بعثت کے منسوخ ہونے کا اعلان کرنے میں بہاء اللہ کی پیروی کی۔ بہرحال) یہ اپنی اغراض مشئومہ کی بجا آوری کا ایک ڈھنگ ہے جو شیطان وقتاً فوقتاً بدقسمت اور بے توفیق لوگوں کو تلقین کرتا آیا ہے۔

۱۱۳ ـــــ البتہ "ظل اللہ" ایک محاورہ ہے ـــــ (چنانچہ حدیث میں ہے: السلطان ظل اللہ فی الارض[1] یعنی "عادل بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے"۔ اور بادشاہ کو خدا کا سایہ کہنا) یا تو سایۂ درخت کے ساتھ تشبیہ دینے کے اعتبار سے ہے کہ (جس طرح درخت کے سائے میں لوگ آرام کرتے اور تھک ہار کر پناہ لیتے

---

[1] جامع صغیر ص ۳۴ ج ۲ بحوالہ طبرانی و بیہقی۔

ع

ہیں ۔ اسی طرح) اس کے سائے میں پناہ لیتے اور آرام پکڑتے ہیں۔ یا یہ اضافت تشریف اور بیان بزرگی کے لیے ہے جس طرح "خدا کا گھر" وغیرہ (کے الفاظ اظہار شرف کیلئے بولے جاتے ہیں۔)

۱۱۴ ـــــ (مرزا کو ظلی نبوت کا دعویٰ ہے، سوال یہ ہے کہ یہ ظلی نبوت، واقعۃً نبوت ہے یا نہیں ؟) اس ظلیت میں اگر نبوت واقعۃً حاصل ہے تو "مہر نبوت" ٹوٹ گئی، کیونکہ مہر نبوت کا مقصد تو یہ تھا کہ نبوت کسی حاصل نہ ہو، یہ مقصد تو نہیں تھا کہ ظاہری صورت کے اعتبار سے مہر ٹوٹنے سے محفوظ رہے، خواہ سر بمہر صندوق کے اندر کی ساری چیز چرالی جائے ؟) اور اگر نبوت واقعۃً حاصل نہیں تو نبوت کا دعویٰ کرنا اور اس کے) منکروں کو کافر کہنا بجائے خود کفر ہے۔

اور خیال ہے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ اس مقفل صندوق کو نہ کھولنا اور وہ کھولے بغیر سالم صندوق ہی چرا لے جائے، یا یہ کہا جائے کہ اس صندوق کو نہ چرانا! اور وہ صندوق کو چھوڑ کر اس کے اندر سے سارا مال نکال لے جائے۔ جس طرح کسی خانصاحب کی قبا کا قصہ ہے (تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے حکم کی تعمیل کی ہے اور قائل کے منشا کے مطابق عمل کیا ہے ؟ اور اگر اس کے باوجود وہ اصرار کرے کہ میں نے تو حکم کی تعمیل کی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص، قائل کا مذاق اڑاتا ہے۔ ٹھیک یہی مثال مرزا قادیانی کی ظلی نبوت کی ہے۔ قرآن کریم نے اعلان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ انبیاء کے آخری فرد ہیں آپ کے بعد خزانۂ نبوت سر بمہر کر دیا۔ آئندہ کوئی شخص اس مہر کو توڑنے کی جرأت نہ کرے۔ غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں نے سیرت صدیقی کی کھڑکی سے گذر کر نبوت پائی ہے اور مجھ پر ظلی طور پر نبوت محمدیؐ کی چادر چڑھائی گئی ہے، لہٰذا میرے دعوائے نبوت سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹی۔ دیکھئے "ایک غلطی کا ازالہ" از مرزا غلام احمد قادیانی) اور یہ درحقیقت قرآن و شریعت کے ساتھ تمسخر اور قائل (یعنی اللہ تعالیٰ) کی تحقیق ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ (اس سے معلوم ہوا کہ ظلیت بروز اور سیرت صدیقی وغیرہ الفاظ محض دعوائے نبوت کی پردہ داری کے لیے تاویل اور سخن سازی ہے ــــ) اور اس قسم کی تاویلیں اور سخن سازیاں سب بے ایمانوں کا گروہ ہمیشہ

کرتا آیا ہے (اسلام کی تیرہ چودہ سو سالہ تاریخ میں جن لوگوں نے بھی نبوت، مسیحیت یا مہدویت کا دعویٰ کیا انہوں نے کوئی نہ کوئی تاویل ضرور گھڑی، یہی حال دجالِ قادیان کا ہے۔)

۱۱۵ ـــــــ اور (جس طرح مرزا نے ظلیت و بروز کی تاویلات سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اسی طرح) اگر کوئی شخص چاہے تو الوہیت میں بھی بروز و ظلیت کا دعویٰ کر کے (نعوذ باللہ ظلی خدا بن سکتا اور) کفر کی طرح ڈال سکتا ہے۔ اور شاید اس لعینِ قادیان نے بروز الوہیت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنا یہ الہام گاتا ہے (جس میں خدا اس سے کہتا ہے) کہ: "(اے مرزا!) تو مجھ سے منزلہ میرے بروز کے ہے" اور اس سے واضح تر حقیقۃ الوحی ص ۱۵۴ کی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

"میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے، اور خدا اس وقت وہ نشان دکھائے گا جو اس نے کبھی نہیں دکھائے، گویا خدا زمین پر خود اترے گا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: یوم یاتی ربک فی ظلل الغمام۔ یعنی اس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا، یعنی انسانی مظہر کے ذریعہ سے اپنا جلال ظاہر کرے گا اور اپنا چہرہ دکھلائے گا"

(از علم کلام مرزا ص ۳۵۳)

اور اس پر طرہ یہ کہ (خدائی بروز کے شوق میں) آیت بھی محرّف بھی نقل کی، اور مزید طرہ یہ کہ اسم احمد پر قبضہ کرنے کے لیے وہ اپنے تئیں جمالی رنگ میں پیش کیا کرتا ہے، مگر یہاں آ کر اس کے شیطان نے اسے (فلسفۂ جمال) فراموش کرا دیا، اور جلال کا دعویٰ کر ڈالا۔ اور اس سے بھی واضح تر عبارت کا دیہ ص ۸۰ میں دیکھئے۔

۱۱۶ ـــــــ (مفہومِ کلام کا) مدار الفاظ پر ہے یا علل و اغراض پر؟ (یہ ایک بہت ہی نازک اور دقیق بحث ہے) اور دونوں کے موقعہ محل کی تمیز کرنا (کہ کس جگہ الفاظ پر مدار ہے اور کہاں اغراض و مقاصد پر؟) یہ علم و ایمان کا کام ہے۔ الحاد و زندقہ کا کام نہیں۔ اور یہ اسود کاذب (غلام احمد قادیانی ایمان و علم دونوں سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے "ایک

غلطی کا ازالہ" میں آیتِ ختم نبوت کی جو تقریر کی ہے وہ منشائے متکلم، نصوص قطعیہ، اصول شرعیہ اور اجماع اُمت کے خلاف اور سراسر الحاد و زندقہ ہے۔ اور ستم بالائے یہ کہ وہ اسی تقریر میں) اپنی نبوت کو حقیقۃً کہتا ہے اور محمدیت کو ظلّی ہانکتا ہے زندیقوں کی طرح عوام کو فریب دہی اور ملمع کاری کے سوا اور کوئی وظیفہ نہیں رکھتا۔ جہان میں ہمیشہ یونہی ہوتا آیا ہے۔

۱۱۷ـــــــ اور لعینِ قادیان نے تو حصول نبوت کے لیے 'فنا فی الرسول' کو شرط قرار دیا ہے لیکن) کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے، کہ اس منصب کے حصول کے لیے 'فنا فی الرسول' بھی شرط نہیں، بس خالی ایمان کافی ہے، کیونکہ فنا (نہ صرف یہ کہ) واجب نہیں، بلکہ منجملہ ان اصطلاحات کے ہے جو خیر القرون کے بعد اختراع کی گئیں، اور خلاف ظاہر بھی ہے، بخلاف ایمان کے کہ وہ حق تعالےٰ کی جانب سے واجب اور مامور بہ ہے۔

۱۱۸ـــــــ اور معلوم رہے کہ اس مخذول کے اُتباع و اذناب اس کی رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے نئی نئی تحریفات تراشتے رہتے ہیں۔ اس کی تحریف تو یہی تھی جو ابھی گذری (کہ حصول نبوت کے لیے فنا فی الرسول۔ اور ظلّیت کا دروازہ کھلا ہے) یا یہ کہ تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے۔ غیر تشریعی کا بند نہیں۔ یا یہ کہ شریعت جدیدہ کا آنا ممنوع ہے، مطلق شریعت ممنوع نہیں۔ مگر اس کے ناخلف اور تحریفیں کرتے ہیں، (مثلاً ایک تو) محاورۂ عامیہ (خاتم المحدثین) پر قیاس کرنا ہے (اس کی بحث گذر چکی) اسی طرح (دوسری تحریف) یہ کہ خاتم النبیین (کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ) دوسروں کی نبوت کے لیے مہر اعتبار ہیں (پس آئندہ وہی نبوت معتبر ہوگی جس پر آپؐ کی مہر ہوگی) اور یہ معنی بھی (خدا و رسول سے) تمسخر ہے۔ کیونکہ مہر اعتبار اگر لگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لگاتے ہیں (نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اب اگر خاتم النبیین کے معنیٰ ہوں "نبیوں کی نبوت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا" تو یہ خدا تعالےٰ کی صفت ہوئی اندریں صورت خدا تعالےٰ کو خاتم النبیین کہنا چاہیے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو،

نیز 'خاتم' اس جگہ بدون تقدیر 'علیٰ' واقع ہے، جو مُہر لگانے کے معنیٰ کے لیے زیبا نہیں کیونکہ (خاتم النبیّین کی ترکیب اضافی میں) مضاف الیہ مفعول بہ کے معنیٰ میں ہے نیز اس صورت میں 'لکن' کے ماقبل و مابعد کے درمیان ربط و اتّساق فوت ہو جاتا ہے، جو عربیت میں (استعمال 'لکن' کے لیے) شرط (قرار دیا گیا) ہے کیونکہ بالغ مردوں میں سے کسی کا باپ ہونے اور اعتبارِ نبوّت کی مُہر ہونے کے درمیان کسی طرح بھی نسبتِ تبادُل نہیں، بلکہ دونوں بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں، اور اس سے وہ ربط و اتّساق فوت ہو جاتا ہے، جو 'لکن' کے لیے شرط تھا۔ شرطِ اتّساق کی بحث کتبِ اصول میں اور قصرِ قلب کی بحث کتبِ معانی میں دیکھ لی جائے، اور مغنی ابن ہشام میں تصریح کی ہے کہ لفظ 'لکن' نفی کے بعد ٹھیک 'بل' کے بمنزلہ ہے۔

۱۱۹۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کی نفی سے یہ وہم ہوتا تھا کہ نہ معلوم اور کن کن چیزوں کی نفی ہوگی۔ اس وہم کے ازالہ کے لیے فرمایا "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" یعنی یہ ثبت ہے۔ پس استدراک کی شرط پوری ہو گئی۔ اور ابوت اور ختم نبوت کے درمیان تدافع ہے۔ کیونکہ ابوت توریث کو مقتضی ہے، اور ختم نبوّت عدم توریث کو مقتضی ہے، پس قصرِ قلب کی شرط پوری ہو گئی۔

۱۲۰۔ البتہ (قصرِ قلب میں اُن دو چیزوں کے درمیان، جن میں سے ایک کی نفی اور دوسری کا اثبات کیا جاتا ہے، تدافع شرط ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علمائے معانی کی آراء مختلف نظر آتی ہیں۔ چنانچہ صاحبِ تخلیص تدافع کو شرط قرار دیتے ہیں، اور سکاکی کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ شرط نہیں، بہر حال) جن لوگوں نے تدافع کو شرط قرار دیا انھوں نے اُس صورت میں جبکہ مخاطب دو چیزوں میں سے کسی چیز کا بھی معتقد نہ ہو (قصر کی ایک تیسری قسم) 'قصرِ تعیین' کا اضافہ کیا۔ چنانچہ خطیب قزوینی صاحبِ تلخیص نے یہی کیا ہے اور سکاکی نے تدافع سے سکوت کیا تو قصرِ تعیین سے بھی سکوت کیا۔ اور احقر کے نزدیک (اس بحث میں قولِ فیصل یہ ہے کہ قصرِ قلب میں فی الجملہ تدافع ضروری ہے لیکن) تدافع میں

بس اسی قدر منافات کافی ہے جو لفظِ "اِمّا" بالکسر (جو اَحد الامرین کے لیے ہوتا ہے) کی تردید میں ہوا کرتی ہے، یعنی (تدافع کلّی ضروری نہیں، بلکہ) ایسا تدافع ہونا چاہیے جو بہ لحاظِ مقام، متکلم و مخاطب کی گفتگو میں منعقد ہوتا ہے، (بہر حال اگرچہ سکّاکی نے تدافع کو شرط قرار نہیں دیا، لیکن) اس کے باوجود (قصر کی تعریف میں سکّاکی کا یہ قول کہ "ثابت کرنا ایک چیز کا، نہ دوسری چیز کا۔ یا ثابت کرنا ایک چیز کا بجائے دوسری چیز کے" باعتبار غرضِ متکلم اور مقصودِ عبارت کے اپنی جگہ صادق و مطرد ہے، خارج میں خواہ جیسا حال بھی ہو۔

۱۲۔ــــــ اور ہماری زیر بحث آیت میں ایک اور بات بھی لائق توجہ ہے، وہ یہ کہ آیت میں ابوت اور ختم نبوت کے درمیان تقابل قائم کر کے ابوت کی نفی اور ختم نبوت کا اثبات کیا گیا ہے، اور ختم نبوت بذاتِ خود توریث کو متضمن و مستلزم ہے، پس (اگر ختم نبوت بھی توریث کیلئے ہو جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں، تو) ابوت اور توریث کے درمیان تقابل قائم (کر کے ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات) کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللّٰہ الیہ[1] میں (رفع سے رفعِ درجات مراد لینا غلط ہے کیونکہ کسی نبی کا شہید اور) قتل ہو جانا بذاتِ خود (اس کے) رفع درجات کو مستلزم ہے، اور (اس صورت میں قتل اور رفع کے درمیان) مقابلہ صحیح نہیں، اور نہ اس رفع سے اُس نزول کی، جو حدیث میں وارد ہے، مطابقت صحیح بیٹھتی ہے (قرآن کریم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے قتل کی نفی کر کے ان کے رفع الی السماء کا ذکر کیا ہے اور حدیثِ متواتر میں ان کے نزول من السماء کا ذکر ہے۔ اب اگر رفع و نزول دونوں جسمانی لیے جائیں، جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، تب تو رفع و نزول کے درمیان مطابقت صحیح ہے، اور اگر مرزائی عقیدہ کے مطابق رفع سے بلندیٔ درجات مراد لی جائے تو اس کے مقابلہ میں نزول من السماء سے نعوذ باللہ پستیٔ و ذلت مراد لینا ہوگی)[ع]

---

ع فائدہ زائدہ: حق تعالٰے نے سُورۂ آلِ عمران میں دو لفظ جمع کیے ہیں توفّی، یعنی اپنی چیز کو وصول کر لینا، اور رفع (یعنی اُٹھا لینا) اور سورۂ نساء اور مائدہ میں ان دونوں لفظوں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

[1] النساء: ۱۵۷

ء ۵

بخلاف "ما زید بشاعر ولکنہ کاتب" کے کہ یہاں مقابلہ بلحاظ خصوصیتِ مقام کے ہے (کیونکہ متکلم اور مخاطب دونوں اس پر متفق ہیں کہ زید شعر و کتابت کے دونوں اوصاف سے متصف نہیں، بلکہ صرف ایک وصف اس میں پایا جاتا ہے، لیکن متکلم و مخاطب کا اس میں اختلاف ہے کہ زید میں جو وصف پایا جاتا ہے وہ شاعری ہے یا کتابت، مخاطب کا زعم ہے کہ وہ شاعری ہے کتابت نہیں، اور متکلم کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ شاعری نہیں بلکہ کتابت ہے۔ اس لیے وہ مخاطب کے

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کو تغییر کر دیا۔ چنانچہ سورۂ نساء میں ——— لفظ "رفع" مقابلہ قتل کے ذکر فرمایا، اور مائدہ میں لفظ "توفی" بمقابلہ "ما دمت فیهم" کے ذکر کیا۔ اس تقسیم و مقابلہ سے ان دونوں لفظوں کا مفہوم پورے طور پر واضح ہو گیا کہ آلِ عمران میں "توفی" کے معنی ہیں "اپنی چیز کو وصول کر لینا اور واپس لے لینا" جو مقابل ہے ان کے درمیان ٹھہرنے اور رہنے کے۔ اور "رفع" ایک ایسا امر اور ایسی چیز ہے جو قتل کے مقابل ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ توفی اور رفع کا مفہوم اور مصداق الگ الگ ہے) یہ نہیں کہ توفی اور رفع تغایرِ مفہوم کے باوجود مصداق میں متحد ہوں، کہ دونوں سے طبعی موت مراد ہو، کیونکہ (اگر قرآن کریم کا مقصد یہ ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ طبعی موت سے مرے تو پھر) قتل کے مقابلہ میں ایسا لفظ آنا چاہیے تھا جو خاص طور سے صرف طبعی موت پر ہی دلالت کرتا۔ ذکر کرتی عام اور مبہم سا لفظ (جس سے طبعی موت کے معنی تیرہ چودہ صدی میں کسی ایک عالم نے بھی نہیں سمجھے) کون نہیں جانتا کہ "رفع جسمانی" کے لیے تو یہی ایک لفظ "رفع" ہے۔ جبکہ "موت" کے لیے یہ لفظ موضوع نہیں۔ بلکہ اس کے لیے دوسرے صریح الفاظ موجود ہیں، کیونکہ اگر "رفع" کے معنی "ان کے درمیان سے اٹھا لینا اور غائب کر دینا" بھی لیے جائیں تب بھی اس سے خاص موتِ طبعی کا مفہوم کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔

اور "رفع" کے معنی طبعی موت لینا اس لیے بھی غلط ہے کہ اس صورت میں لفظ "رفع" "نزول" کے مطابق نہیں رہتا۔ حالانکہ حدیث میں "نزول" "رفع" کے مقابلہ میں بطور صنعتِ طباق کے آیا ہے (یعنی قرآن کریم تو اعلان کر رہا ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھا لیا۔ ادھر حدیث متواتر آپ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زعم کو رد کرنے کے لیے قصرِ قلب کے طور پر کہتا ہے کہ زید شاعر نہیں، بلکہ وہ کاتب ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بلحاظ خصوصیت مقام کے شاعری اور کتابت کے درمیان تدافع اور تبادُل فریقین کو مسلّم ہے۔ لہٰذا مقابلہ صحیح ہے) مختصر یہ کہ یہ ترکیب (جس میں 'لکن' سے قبل نفی اور مابعد اثبات ہو) لامحالہ مقابلہ کے لیے ہے، باعتبار دلالتِ وضع کے بھی، اور باعتبار افادہ عبارت از جانب متکلم کے بھی۔

---

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) نزول من السماء کا اعلان کر رہی ہے اب اس 'رفع' اور 'نزول' کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھو تو کون کہہ سکتا ہے کہ آیت میں 'رفع' کے معنی 'طبعی موت' کے ہیں)

اور سیاقِ کلام سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کریم دراصل اُس سبب کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں پر اصل واقعہ مشتبہ ہو کر رہ گیا (چنانچہ قرآن کریم نے پہلے تو یہود کا یہ بے بنیاد دعویٰ نقل کیا کہ "انھوں نے مسیح بن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا" پھر اُن کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ "انھوں نے نہ تو آپ کو قتل کیا، نہ صلیب دی، بلکہ انہیں اس معاملہ میں اشتباہ اور دھوکا ہوا، اور اس اشتباہ کا اثر ہے کہ جو لوگ اس بارے میں مختلف باتیں بناتے ہیں وہ شک شبہہ کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں، انھیں حقیقت واقعیہ کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل پچو قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔"

اب اس کے بعد موقعہ تھا کہ انہیں کھول کر بتا دیا جائے کہ ان لوگوں کے اشتباہ و حیرانی کا منشاء اصلی کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ یعنی لوگوں کے حیرت و اشتباہ میں مبتلا ہونے کا اصل سبب یہ ہے) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ اس کے بجائے انہیں اٹھا لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ طبعی موت کبھی اشتباہ کا موجب نہیں ہوتی۔ (ہر شخص مرنے کو آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ فلاں شخص مر چکا ہے) اشتباہ کا موجب اگر تھا تو موت سے قبل آپ کا گم پایا جانا ہو سکتا تھا۔ اور (اسی کو قرآن نے بل رفعه الله کہہ کر ذکر فرمایا۔ پس اگر 'رفع' کے معنی طبعی موت کے لیے جائیں تو چونکہ موت سے قبل کی گمشدگی (جو موجب اشتباہ تھی) یہاں مذکور نہیں (تو گویا قرآن کریم نے اشتباہ کا اصل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۲۲ـــ ـــــ پھر کسی کی مُہر استعمال کرنا خیانت ہے، مُہر کو خود صاحبِ مُہر استعمال
کیا کرتا ہے، اور اس کی مُہرِ خاص دوسرے کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے
آپ کے نقش پر نقش بنانے سے ممانعت آئی ہے[1]۔ اس تقدیر پر کہ مُہر خود
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں صاحب مُہر حق تعالیٰ شانہٗ ہیں، اور مہرِ نبوت محسوس
بھی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر (دونوں شانوں کے درمیان)
ثبت تھی[2]، اور ابو داؤد طیالسی کی روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ 'مہرِ نبوت'

---

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سبب بیان کرنا چاہا، مگر نعوذ باللہ اس کے بیان کرنے سے قاصر رہا کہ (جو چیز موجب
اشتباہ تھی اس کو ذکر نہیں فرمایا اور جس کو ذکر فرمایا وہ موجب اشتباہ نہیں) حالانکہ اصل مقصود کو
ترک کر دینا اور اس سے تعرض نہ کرنا اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے مرادف ہے اور اصل مقصود
کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی غیر متعلق باتوں کو لے دوڑنا بلاغت نہیں، بلکہ کوتاہ بیانی اور ما فی الضمیر
کے ٹھیک ٹھیک اظہار سے عجز و درماندگی ہے۔ (تعالی اللّٰه عن ذالك علواً كبيراً)
اور (پھر یہاں آیت کریمہ میں تو 'قتل' اور 'رفع' کے درمیان تقابل قائم کر کے اول الذکر کی
نفی اور مؤخر الذکر کا اثبات کیا گیا ہے، حالانکہ 'قتل' کا تقابل لفظ 'موت' کے ساتھ بھی دائمی نہیں
(بلکہ موت کا لفظ قتل پر بھی بولا جاتا ہے) چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے تھے، مگر
قرآن کریم نے اسے 'یوم یموت'[3] سے تعبیر کیا ہے، (اس سے ثابت ہوا کہ اگر 'رفع'
کے معنی 'موت' لیے جائیں تب بھی 'قتل' اور 'رفع' کے درمیان تقابل صحیح نہیں لہٰذا 'رفع' کے معنی موت
کسی طرح نہیں ہو سکتے، بلکہ 'رفع جسمانی' کے معنی متعین ہیں، ورنہ قتل کی نفی اور 'رفع' کے اثبات کے کیا معنی تھے؟
الغرض قرآن کریم نے وجہ اشتباہ کو ذکر فرمایا۔ اور (وجہ اشتباہ تھی حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کا اٹھا لیا جانا) اسی مقصد کے لیے قتل کی نفی کرتے ہوئے 'یقیناً' کا لفظ بڑھایا
ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری بیان کرنا قرآن کریم کا مقصد نہیں۔ موت طبعی (موجب
اشتباہ نہیں ہو سکتی کیونکہ موت) تو اس وقت تک (قادیانی ملاحدہ کے نزدیک بھی واقع) نہیں
ہوئی تھی اور زمانہ مابعد کی موت کو (اگر وہ بالفرض واقع ہوئی ہوتی) اس اشتباہ میں
کیا دخل تھا جو اس کا تذکرہ کیا جاتا) موت دنیا میں سبھی کو آتی ہے، اس سے آخر کونسا اشتباہ

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۷۷ [2] مشکوٰۃ ص ۵۱۷ [3] مریم: ۱۵

دراصل اس امر کی علامت تھی کہ نبوت آپ پر ختم ہو چکی۔ یہ نہیں کہ آپ سے بعد والوں کے لیے ہوتی، کیونکہ وہ تو آپ پر لگائی گئی تھی (اور اگر وہ بعد والوں کے لیے ہوتی تو آپ پر نہیں بلکہ ان پر لگائی جاتی)

۲۲ ــــــ اور خاتم یعنی مُہر، مُہر شدہ شئے کی حفاظت اور اس میں کسی دوسری چیز کو داخل ہونے سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ جس کے لوازم میں سے ہے اس کا متعارف و مشہور اور واحد بالعدد ہونا۔ اگر کسی کی مُہر کسی دوسرے کے پاس برآمد ہو تو وہ خائن اور چور ہے، کیونکہ کسی شخص کی مُہر اس کی شخصیت اور نام کے قائم مقام ہوتی ہے۔ خاتم کا لفظ دراصل (مُہر کے معنی میں نہیں بلکہ) مُہر سے عام معنی کے لیے موضوع ہے یعنی وہ چیز جو مُہر کے لیے استعمال کی جائے، مثلاً وہ مٹی جو مُہر کے لیے استعمال ہوتی ہے' زمانۂ قدیم میں رواج تھا کہ لفافے کی پشت پر بیرونی جانب مُہر لگاتے تھے نہ کہ اندر (کے کاغذ پر) بعد ازاں یہ رواج تبدیل ہو گیا (اور لفافے کے اندر کی دستاویز پر مُہر لگانے لگے)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) پیدا ہو جاتا ہے یا اشتباہ کا موجب تو وہ رفع جسمانی تھا جو اس وقت وقوع پذیر ہوا خوب سمجھ لو۔

اور چونکہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن لوگوں کے درمیان اپنی موجودگی کو بیان فرما رہے ہیں ان سے) ملک شام کے بنی اسرائیل مراد ہیں، نہ کہ کسی اور ملک کے لوگ۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں جو فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي فرمایا اس تقابل سے اس کی مراد بھی متعین ہو گئی کہ یہاں توفّی سے مراد موت نہیں، بلکہ معنی مذکور (یعنی قبض کر لینا اور اپنی چیز کو وصول کر لینا) مراد ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت تو اس ملحد کے نزدیک ایک طویل مدت کے بعد کسی دوسرے ملک (کشمیر) میں ہوئی، (اب اگر توفّی سے مراد موت ہوتی تو پھر وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا کے مقابلہ میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي وا غلط تھا، اس کے بجائے فلما سرت الی الکشمیر جیسے الفاظ فرماتے تاکہ تقابل صحیح ہوتا)

ـــــــــــــــ

۱؎ مسند طیالسی ص ۳۵۴

مہر لگانے کا یہ عمل مجموعی طور پر اس شئے کی حفاظت، اسے سربمہر کرنے اور اس کے تعارف کے لیے تھا اور اس مجموعہ سے اس ملفوف کا معتبر ہونا لازم آتا تھا' یہ نہیں کہ خاتم کا لفظ موضوع ہی اعتبار کے لیے تھا (جیسا کہ قادیانی ملاحدہ نے سمجھا ہے) اور خاتم بمعنی انگشتری بھی اصل نہیں ہے بلکہ فرع ہے جو (آیت ختم نبوت میں) مناسب مقام نہیں ہے۔

۱۲۴ــــ اور لفظ خاتم قرآن مجید میں باعتبار ماضی کے تھا، اس مخذول نے اس کو مستقبل کے لیے رکھا اور درحقیقت (اس کا مصداق فرد واحد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، لیکن اس ملحد کی تعریف کے مطابق) یہ جزئی نہ رہا۔ بلکہ جنس ہو گیا۔ کیونکہ اس کے نزدیک انبیاء سابقین کی اتباع سے نبی بھی ہوتے رہے ہیں اور محدث بھی، پس خاتمیت حضرت خاتم الانبیاء کی خصوصیت نہ رہی اور وہ اپنے ہذیان میں خاتم کو کبھی اجراء کے لیے رکھتا ہے۔ اور کبھی انقطاع کے لیے۔ دیکھئے سودائے مرزا ص ۲۲ ، رسالہ ترک مرزائیت ص ۸۰ وص ۳۸ ، حقیقۃ الوحی ۲۸۔

۱۲۵ــــ حاصل کلام یہ کہ تحریف انعکاس خارج میں کوئی وجود نہیں رکھتی، بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے اس کے باوجود اس تحریف کی بناء پر اس ملحد کا اپنے منکروں کو کافر کہنا خود اس کے حق میں موجب کفر ہے۔ بتعداد منکروں کے کہ کل اُمت حاضرہ ہے (چونکہ یہ ملحد ایک بے معنی بات کو کفر و ایمان کا مدار ٹھہرا کر کل اُمتِ حاضرہ کی تکفیر کرتا ہے۔ اس لیے اُمت کی تعداد کے مطابق اس کی طرف کفر عائد ہوگا)

اور یہ تحریف کہ "نبوت تشریعیہ کا دروازہ بند ہے، نبوت غیر تشریعی بند نہیں" نصِ قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ خاتم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لفظ رسول سے لفظ نبیین کی طرف کلام کو جو تبدیل فرمایا۔ اس سے اصل مدعا اور محطِ فائدہ اسی خصوصیت کا ارادہ تھا کہ صرف صاحبِ شریعت رسولوں ہی کا نہیں بلکہ عام طور پر تمام نبیوں کا ختم ہونا سمجھا جاتے، خواہ ان کی نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی، جیسا کہ اس کی تقریر بوضاحت گذر چکی ہے۔

اور خاتم کی یہ تحریف کہ آنحضرتؐ اعتبارِ نبوت کی مُہر ہیں جس پر آپ کی مُہر لگے گی آئندہ وہی نبوّت معتبر ہوگی" یہ ان محذوراتِ باطلہ کے ساتھ ساتھ، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، کلام کے ربط و اتساق کے لیے فرت کنندہ ہے۔

اور ظلیت و بروز اور ہم قسم دیگر الفاظ سے مراد اگر انعکاس ہے تو اس کا حال گذر چکا کہ یہ ایک سنے حقیقت سراب ہے۔ جو سفہاء اور ملاحدہ کو راستہ سے بھٹکانے والا ہے۔ اور اگر کوئی اور چیز ہے تو محض لقلقۂ لسانی اور زبانی جمع خرچ ہے کہ ملحدین اس زعیت کے دعاوئ بسیطہ اور جہل مرکب سے اپنے مریدوں کی راہ مارا کرتے ہیں۔ پس اس شقی کی تمام تحریفات اس کے ہمراہ اس کی قبر میں، کہ بادیہ ہے، دفن ہوکر رہ گئیں۔ وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

۱۲۶۔۔۔۔ بعد ازاں جاننا چاہیے کہ عالم قدیم بالنوع نہیں، جیسا کہ یہ ملحد (قادیانی) اور اس کا ناخلف (مرزا محمود) نغرالاپتے ہیں۔ بلکہ آسمانی دینوں کے عقیدے کے مطابق ماضی و مستقبل دونوں طرف سے محدود ہے۔ کیونکہ مستقبل تمام قوت سے فعل میں آچکا ہے اور مسئلہ تجدّدِ امثال بھی، جو عارفین کے حقائق میں سے ہے صحیح اور درست مسئلہ ہے۔ باقی رہا ماضی، پس اگرچہ بداہت وہم حکم کرتی ہے کہ وہ غیر متناہی بالفعل ہے۔ اور فیض کا معطل ہونا نامعقول۔ لیکن حقیقت یوں نہیں بلکہ عالم دونوں دونوں جانب سے غیر متناہی بمعنی لا یقف عند حدٍّ ہے، اور بس۔ اس لیے کہ قِدَم کی وسعت کو غیر متناہی حوادث پھیلا پھیلا کر پُر کر دینا، جیسا کہ فلاسفہ کا مذہب ہے، غیر معقول ہے۔ کیونکہ اس سے دو باتیں لازم آتی ہیں (حادث زمانی کا ازلی ہو پایا جانا اور قدیم کا حوادث سے متقدم ہونا (اور یہ دونوں) ناممکن بھی ہیں اور مقدمہ حقہ ثابت قدمہ امتنع عدمہ کے خلاف بھی۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جب ہم باری تعالیٰ سے

---

مد رسالہ ترک ص ۴۴ (مگر ظلّی نبوت جس کے معنی ہیں کہ فیض محمدی سے وحی پانا، وہ قیامت تک باقی ہے) صفحہ ۲۹ حقیقۃ الوحی۔ منہ

زمانہ کو رفع کرلیں ۔ جو عرفاء و عقلاء کے درمیان متفق علیہ ہے ۔ تو حوادث اپنے موطنِ حدوث میں ایک جانب سے آتے اور دوسری جانب جاتے ہیں ۔

ع "ازیں در درآئے وازیں در خرام"

ہم نے آمد کی جانب کا نام مستقبل اور رفت کی جانب کا نام ماضی رکھ چھوڑا ہے اور بس ، پس ماضی و مستقبل دونوں کوئی حقیقت واقعیہ نہیں رکھتے ، بلکہ محض اعتباری و اضافی ہیں یعنی ہماری بہ نسبت ، کہ ہم خود حادث ہیں ، جو پہلے گذر چکا وہ ماضی ہے اور جو ہنوز پردۂ غیب میں ہے وہ مستقبل کہلاتا ہے ۔ اور زمانہ خود بھی کوئی حقیقتِ واقعیہ نہیں رکھتا : بلکہ ایک امر انتزاعی ہے جو حوادث کے تجدد اور نو بنو پیدا ہونے اور ختم ہونے سے اخذ کیا جاتا ہے اور بس سبحان الذی لا یتغیر ولا یتغیر ۔ اس حالت میں اگر ارادۂ ازلیہ کسی حادث کے پیدا کرنے سے متعلق ہو جائے تو وہ حادث اپنی حقیقت کے مقتضیٰ کے مطابق عالم میں آموجود ہو گا تا کہ انقلاب حقائق لازم نہ آئے ، جیسا کہ واجب تعالےٰ اگر کسی مخلوق کو پیدا کریں تو لامحالہ وہ چیز ممکن ہو گی نہ کہ واجب ۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ عالم کا ہر فرد تو حادث ہو ، مگر مجموع من حیث المجموع قدیم ہو ۔ بلکہ یہاں کُلِ افرادی اور کُلِ مجموعی کا حکم یکساں ہے ۔

۱۲۷ ـــــ اور جب حکماء نے تصریح کر دی کہ جس چیز کے لیے بدایت ہے اس کے لیے نہایت بھی لازم ہے ۔ اور دوام مستقبل کا ہم نے جواب دے دیا ہے کہ وہ صرف تجدد و امثال ہے ، تو حدیثِ نبوی کے مطابق عمارتِ نبوت بھی آغاز و انجام رکھتی ہے کہ اسے آدم علیہ السلام سے شروع کر کے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اس عمارت کی آخری اینٹ ہیں ، ختم کر دیا گیا ۔ اور اب تو صرف اس امر کی انتظار ہے کہ عالم کے کوچ کا نقارہ بجا دیا جائے ۔ گویا نظامِ عالم کی مثال ایک ایسے جلسہ کی تھی جو مجلس استقبالیہ کے طور پر منعقد ہوا ، اور صدر جلسہ کی آمد آمد کا اعلان ہوا ، چنانچہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :) "اور میں خوشخبری سُناتا ہوں ایک رسول کی ، جو میرے بعد آئے گا ۔ اس کا نام نامی 'احمدؐ' ہو گا ۔"[1] اور صدر کبیر کی تشریف

[1] الصف : ۶

آوری ہوتی ، انھوں نے خطبہ پڑھا اور جلسہ برخاست کر دیا گیا لہ

۲۸ لہ ۱۔ احقر ایک نعت میں کہتا ہے : اسے وہ ذات ! جو اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ سراپا رحمت ہے ، بارش کی طرح اور سمندر کی مانند برسنے والا بادل ہے۔

۲۔ آپؐ کی معراج سات آسمانوں اور کرسی تک ہوتی ، عرشِ بریں آپؐ کے قدموں کا فرش ، اور سدرہ تخت گاہ ہے۔

۳۔ جہان کی چوٹی پر آپؐ کے پاؤں کا نقش ثبت ہوا ، آپؐ صدر کبیر بھی ہیں اور بدر منیر بھی۔

۴۔ رسولوں کے ختم کنندہ ، راستوں کے لیے ستارہ ، ہدایت کی صبح ، واللہ آپؐ بشیر ہیں اور الحق کہ آپؐ نذیر ہیں۔

۵۔ میدان محشر میں حضرتِ آدمؑ اور اولادِ آدمؑ آپؐ کے جھنڈے کے سائے میں ہوگی کہ آپؐ ہی امام و امیر ہیں۔

---

لہ اسمہٗ احمد کا مصداق وہ ذات گرامی ہے جس کے ذریعہ دنیا نے یہ نام ، اور اس کے ساتھ نام رکھنا سیکھا ، آپؐ کا یہ اسم مبارک بمنزلہ لقب کے ہے ، اور محمدؐ بمنزلہ اسم محض کے ۔۔۔ آیت میں اسی مقصد کے لیے ، یعنی لقب مبارک ۔ احمدؐ ۔ کی اطلاع دینے کے لیے اسمہ کا لفظ بڑھایا گیا ، اسی طرح یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (سورہ مریم ۷) میں یحییٰؑ کا اسم مبارک بمنزلہ لقب کے ہے ، ورنہ آپ کی قوم میں آپؐ کا نام 'یوحنا' مشہور تھا ، اور اسی نہج پر یہ آیت ہے ، اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ الایۃ (آل عمران : ۴۵) مسیح لقبِ گرامی ہے ۔ ان آیات سے مقصود ان اسمائے لقبی کی اطلاع دینا ہے ، تاکہ یہ اسماء مبارکہ بھی قوم کو معلوم ہو جائیں۔ اور تم نے یہ مسئلہ کہ اسم ، مسمّی کا عین ہوتا ہے یا غیر ؟ سمجھ رکھا ہے تو معلوم رہے کہ ان آیات میں اسم ، مسمّی کا غیر ہے ، اور آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ (الفتح : ۲۹) میں عین ہے ۔ خوب سمجھ لو ۔ منہ

۶۔ ایسا یکتا، جو ہر دائرہ یکتا کا مرکز ہو، مرکزِ عالم تک آپؐ کی ذات گرامی ہے اسے بے مثل و بے نظیر۔

۷۔ آپؐ کی اس اُمّت میں کوئی شخص نہیں جرا حقیر کی طرح کالا منہ اور سفید بال لے کر آیا ہو۔

۱۲۹۔۱۔ میں نے تجھ سے صحیح اور سچی بات کہی ہے، تاکہ تو راہ چلنے میں سست نہ رہے۔

۲۔ اے مخاطب! مجھے میرے درد میں تنہا نہ چھوڑ! کیونکہ یہ دین میرا اور تیرا مشترک دین ہے۔

۳۔ اہلِ حق کے لیے ہمیشہ فتح قریب ہے۔ بس ہمت مردانہ سے کام لینا چاہیے۔

۴۔ میں اور تُو تو درمیان میں محض بہانہ ہیں، ورنہ اوّل و آخر سب کچھ وہی ہے۔

۵۔ دیکھو کہ اس ویرانہ دنیا میں پھول اور کانٹے باغ میں یکجا پیدا ہوتے ہیں۔

۶۔ شبِ تاریک ہی مشک تاتاری کو کم نہیں کیا اُس شخص نے جس نے (اس کی) خوشبو کو تلاش کر لیا۔

۷۔ کل ہاتف نے میرے کان میں کہا کہ یہ دو حرفی بات یاد رکھو۔

۸۔ حق کا جھنڈا بلند ہمیشہ رہے گا ۔ عاجز بندو کے ہاتھ میں رہے گا۔

۹۔ جس نے اپنے مقصد میں کامیابی کا ارادہ کیا وہ اگر مقصد کو پہنچا تو راہِ راست ہی سے پہنچا۔

۱۰۔ اے رب! اس بندۂ ملامت کو قیامت کے دن بائیں راستے نہ لے جائیو۔

۱۱۔ بطفیل حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو انبیاء کے ختم کرنے والے رسول اور نبی ہیں۔

۱۲۔ آپؐ عالم کے امام بھی ہیں اور خاتم بھی، آپؐ پر حق تعالیٰ کی جانب سے بیشمار درود و سلام۔

۱۳۔ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں، سراپا رحمت، پیدائش میں سب سے اوّل

اور بعثت میں سب سے آخر۔

۱۴۔ محشر میں تمام مخلوق کے سردار، کائنات کے آقا اور تمام مخلوق سے بہتر۔

۱۵۔ بروزِ قیامت آپؐ ہی صاحب حمد اور خطیب ہوں گے، آپؐ کی حمد ہی سے مقامِ محمود اور لواء الحمد کی عظمت عیاں ہو گی۔

۱۶۔ آدم علیہ السلام اور ان کے سوا ساری مخلوق بغیر فرق کے آپؐ ہی کے جھنڈے تلے ہو گی۔

۱۷۔ نبوت کے فاتح و خاتم آپؐ ہیں، رفعت و بلندی کا مبدا، و منتہا آپؐ ہیں۔

۱۸۔ جو جلسہ کہ اہم امور کے لیے منعقد ہوا وہ صدر جلسہ کا منتظر تھا اور پھر خاتمہ ہے (یعنی آپؐ کی آمد کے بعد بس بساطِ عالم لپیٹ دینے کا وقت ہے)

۱۹۔ اہلِ عرف (جو کسی عالم کو خاتم المحدثین کہہ دیتے ہیں وہ) اس ختمیت کو نہیں سمجھتے، کیونکہ اول سے ہی نظام کو نہیں جانتے۔

۲۰۔ چونکہ آپؐ مراتبِ جود میں فاتح تھے، وہ بھی وجود کا ایک موطن تھا

۲۱۔ خاتم کمال ہونا بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کا شرف ہے اس کو نقص کہنا الحاد ہے۔

۲۲۔ تمام سابقین کا آپؐ کی قیادت میں ہونا آپؐ کی سیادت کے لیے کافی ہے۔

۲۳، ۲۴۔ چونکہ آپؐ کمالات میں منتہٰی تھے، اس لیے عالمِ ظہور میں اس کی یہ علامت ٹھہری کہ تمام سابقین آپؐ کے جلو میں ہوں اور آپؐ کے بعد کوئی آپؐ کے منصب کو پانے والا نہ ہو۔

۲۵۔ جب کوئی صاحبِ اختیار اپنے کام کو ختم کر دے تو کیا یہ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ تو نقص ہے؟

۲۶۔ پہلے جو کچھ تھا بطورِ تمہید تھا، آخر وہ غایتِ کمال اور مقصدِ تخلیقِ کائنات آپہنچا

۲۷۔۔یہ بدیہی بات ہے کہ ختم کمال بذات خود کمال ہے اس میں سوال و جواب اور چون وچرا کی گنجائش نہیں۔

۲۸۔۔یہ کمال اگر (کسی کج فہم کے نزدیک) کسی دوسرے کمال کے معارض ہے (تو ہوتا رہے) متلاشیٔ حق کے نزدیک یہ عیب نہیں بلکہ ہنر ہے۔

۲۹۔منصب نبوت محض عنایتِ خداوندی سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ تولید سے کہ پریشانی کا موجب ہوتا۔

۳۰۔حق تعالےٰ کی جانب سے منصب نبوت پر فائز کیا جانا حصول نبوت کی شرط ہے : جیسا کہ خلیفہ کا تقرر بیعت سے ہوتا ہے۔

۳۱-۳۲۔۔یہی معنیٰ ہیں اس حدیث کے کہ "جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔[1] یعنی خلیفہ کی بیعت کے بغیر وہ احمق جنین کی طرح جہالت کی تاریکیوں میں پیدا ہوا ہے۔

۳۳۔آپؐ نے ایسے شخص کے لیے جاہلیت کا عنوان اس لیے اختیار فرمایا کہ ایسا شخص اہل جاہلیت کی طرح ہدایت سے بے بہرہ ہے۔

۳۴۔اہلِ جاہلیت کے یہاں ایسی امامت معروف نہ تھی کہ اسکا مصرف تلاش کیا جانے۔

۳۵۔سلسلہ سلطنت جاری ہوجانیکے بعد غلط فہمیوں کی بناء پر تجھے یہ تشریح بعلاوہ فہم نظر آتی ہے۔

۳۶۔اس کے سوا اس حدیث سے کوئی باطنی معنیٰ مقصود نہیں، امام سے مراد وہی خلیفۂ معہود ہے

۳۷۔نبی سے تھا لحاظ استحقاق کا۔پس اشکال سے رستگاری حاصل ہوتی۔

۳۸۔۔بہت سے بزخود غلط مدعی امامت کے جھوٹے دعویدار ہوتے ہیں۔اس سلسلہ میں حق شناسی تیرا کام ہے۔

۳۹۔پھر ہر شخص اپنے ذوق پر نہیں چلا کرتا، اور زمانے کے اہل حق دعقدسے

---

[1] کنزالعمال ج ۶ ص ۶۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۳ھ

سرتابی نہیں کیا کرتا۔

۴۰۔ انبیاء کرامؑ کی سیرت، فطرت پر ہوتی ہے، ان کے یہاں فلسفہ آرائی، بناوٹ اور حرص و آز نہیں ہوتی۔

۴۱۔ مگر اس کو وہی شخص جانے جو کسی چیز کی تمیز رکھتا ہو اور انبیاء کرامؑ کے علم و عمل کا دوسروں سے امتیاز کر سکے۔

۴۲۔ پس قرآنِ کریم سے انبیاء کرام کا طریق، جو اُمتوں کے ساتھ ان سے سوال و جواب میں مذکور ہے، معلوم کرو گے تو تمہیں اُن کا طریق مبنی بر توکل نظر آئے گا۔

۴۳۔ انہیں نہ سامانِ دنیا جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے، نہ ان کی باتوں میں تناقض ہوتا ہے، نہ لاف و گزاف اور نہ مکر و فریب۔

۴۴۔ ان کا سب کچھ دین کے لیے ہوتا ہے، صبر و اخلاص اور یقین ان کا طریق ہے۔

۴۵۔ خدا کا فضل، سرایت کا مسئلہ نہیں، نبوت بھی بجز عنایت کے حاصل نہیں ہوتی۔

۴۶۔ نبوّت بارگاہِ رحمانی کا فضل ہے، جیسا کہ بادشاہ کی جانب سے لقب یا خطاب ملتا ہے۔

۴۷۔ اور وہ لقب چونکہ بذاتِ خود نہایت عالی شان تھا، کمالات سے اور بھی دوبالا ہو گیا۔

۴۸۔ بغیر مادہ کے بلا مثال پیدا کرنا بھی قدرت میں ہے۔ ہمیشہ مادہ و صورت کے ساتھ ہی اشیاء کا وجود وابستہ نہیں۔

۴۹۔ پس حق تعالیٰ کی جانب سے کسی کو منصب نبوت پر فائز کرنے سے نبوت ملتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حق تعالیٰ کے ارشاد "کُن" سے

چیزیں وجود پذیر ہوتی ہیں۔

۵۰۔ اور یہ نہ سمجھنا کہ نبوت محض لقب دینے کا نام ہے، نہیں! بلکہ میں نے جو کچھ لکھا یہ سب تقریب الی الفہم کے لیے ہے۔

۵۱۔ نبوت اور کمالاتِ نبوت کے درمیان، از روئے تحقیق، نوعی اختلاف ہے۔ (کہ نبوت اور کمالاتِ نبوت الگ الگ چیزیں ہیں پس نبوت تو بند ہے کمالاتِ نبوت جاری ہیں)

۵۲۔ اس نے فاتح و خاتم ایک ہی شخصیت کو بنایا۔ تجھے خدا پر ایمان ہے یا کہ اس سے جنگ ہے؟

۵۳۔ فتح و ختم دونوں اس کی مشیت سے وابستہ ہیں، اے ایمان دوست! اس میں چون و چرا کیسی؟

۵۴۔ مشیت کا تعلق تمام زمانوں کے ساتھ یکساں ہے، پس اس میں زمانوں کا کیا سوال (یعنی خدا نے جب تک چاہا نبوت کو جاری رکھا، اور جب چاہا بند کر دیا)

۵۵۔ تمام انبیاء سابقین آپؐ کے جھنڈے تلے ہیں، پس اس سے زیادہ تجھے کیا بحث ہے۔

۵۶۔ نبوت کسبی ہے یا کہ وہبی، اس فضول بحث سے تیرا کیا مطلب؟ (جبکہ نبوت کا دروازہ ہی بند ہے تو ظاہر ہے کہ نبوت نہ کسب سے حاصل ہو سکتی ہے نہ موہبت سے)

۵۷۔ جا! تو آپؐ کی سیادت پر ایمان رکھ، خدا کا کام خدا پر چھوڑ دے۔

۵۸۔ خصائص میں شرکت کیسی؟ وہبی کمالات سے کسبی کمالات کو کیا مناسبت؟

۵۹۔ جس نے کہا کہ "نبی، نبی ساز ہے" وہ مشیت الٰہی میں شریک بننا چاہتا ہے (کہ خدا کی مشیت کے خلاف وہ نبوت کو جاری رکھنا چاہتا ہے)

۶۰۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف لاتے ہوتے تو شاید یہ بات درست ہوتی، مگر آخر میں نہیں۔[1]

---

[1] اس شعر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس امت کے اندر دورِ اول میں کوئی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۴۰۔ ولایت چونکہ نبوت کا جزوِ اخیر ہے، اس لیے اسے شاہی انتخاب سے بھی برتر سمجھو۔

۴۲۔ اگر اب بھی تم نے اس مقام کو نہیں سمجھا تو پھر قصۂ آدم و ابلیس پر غور کرو (ابلیس کو یہی اعتراض تھا کہ آپ نے آدم کو کیوں چن لیا، کمالات تو مجھ میں زیادہ ہیں)۔

۴۳۔ البتہ ولایت جو کہ نبوت کا گویا ایک شعبہ اور جزو ہے، وہ اُمّت کو نصیب ہے (مگر اس جزو کے حصول سے آدمی 'ولی' تو بن سکتا ہے، مگر نبی تو نہیں بن سکتا)

۴۴۔ لیکن نبوت کا خطاب اور لقب جو حق تعالےٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے اس میں قطعاً شراکت نہیں،

۴۵۔ نبوت کے علاوہ اگر کوئی کمال حاصل ہو تو انکار نہ کرو، کیونکہ وہ خطابات میں سے نہیں، نہ وہ القاب میں سے ہے۔

۴۶۔ قطب الولایت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے[1] انھوں نے فرمایا کہ "اے انبیاء کرام کی پاکیزہ جماعت! تمہیں لقب دیا گیا ہے"۔

۴۷۔ 'فتوحات'[1] میں یونہی نقل کیا ہے اور 'یواقیت'[2] میں ایک لفظ زیادہ کیا ہے۔

۴۸-۴۹۔ اور یہ جو اس کے بعد فرمایا کہ "ہمیں وہ چیز دی گئی جو تم کو نہیں دی گئی"۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جو نبوت سے نیچے کی سطح کا ہے۔ یعنی تمہاری تقسیم کے وقت جو کچھ پیچھے رہ گیا تھا، وہ عنایت الٰہی نے ہمیں عطا کر دیا ہے۔

۵۰۔ حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ مجھے حق پر قائم رکھے اور مجھے آنحضرتؐ کی نسبت اُمّتی کی طرح شمار کرے (گو کہ اُمّتی کہلانے کے بھی لائق نہیں)

۵۱۔ آپکے دین کی شوکت فراواں ہو جیوے، تا کہ بندہ، بندِ غم سے آزاد ہو جائے۔

---

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ) نبی پیدا ہوا ہوتا تب تو واقعی آپ کو نبی ساز کہنا درست ہوتا، مگر جب تیرہ سو سال تک اُمّت میں کوئی نبی نہیں ہوا تو صرف مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت سے آپؐ کو 'نبی ساز' بن جانا کسی طرح بھی درست نہیں، بلکہ یہ صراحۃً مدعی نبوت کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔

[1] باب ۳، ج ب ۱۵، ص ‏ [2] الیواقیت والجواہر للشعرانی ص ۲۹/۲

۱۳۰ـــــ یہاں پہنچ کر انبیاء کرام کی سیرت مقدسہ کا قرآنِ کریم اور کتبِ خصائص و سیر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ قرآن حکیم میں جو کچھ ان کے خطاب (سوال) و جواب کے سلسلہ میں آتا ہے اسے بغور پڑھو تو معلوم ہوگا کہ کس طرح ان حضرات کے معاملہ کی بنیاد امور ذیل پر قائم تھی، یعنی توکّل و یقین، صبر و استقامت، اولوالعزمی و بلند ہمتی، وقار و کرامت، انابت و اخلاص، فضل و اختصاص، یقین کی خنکی اور سینے کی ٹھنڈک، سفیدۂ صبح کی طرح انشراح و اعتماد، صدق و امانت، مخلوق سے شفقت و رحمت، عفت و عصمت، طہارت و نظافت، رجوع الی اللہ، وسائل غیب پر اعتماد، ہر حال میں لذاتِ دنیا سے بے رغبتی، سب سے کٹ کر حق تعالےٰ شانہٗ سے وابستگی، سامانِ دنیا سے بے التفاتی۔ مال و دولت سے بے توجہی، علم و عمل کی وراثت جاری کرنا اور مال و متاع کی وراثت نہ جاری کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہے: "ہم وارث نہیں بنایا کرتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہے"[1] ترک فضول اور اس سے زبان کی حفاظت، ہر حالت اور معاملہ میں حق کا ساتھ دینا اور اس کی پیروی کرنا، ظاہر و باطن کی ایسی موافقت کہ اس میں کبھی بھی خلل اور رخنہ واقع نہ ہو۔ انہیں اتمامِ مقصد کے لیے باطل عذر، فاسد تاویلات، اور حیلے بہانے تراشنے کی ضرورت نہیں ہوتی (کیونکہ یہ کذابوں کا سرمایہ اور نقد وقت ہے، چنانچہ کہا گیا ہے) کہ: "کسی شخص نے کبھی اپنے دل میں کوئی بات نہیں چھپائی، مگر اللہ تعالےٰ نے اس کے رخسارے کے صفحات اور اس کی زبان کی لغزش سے صادر شدہ الفاظ میں اسے ظاہر کر ہی دیا۔" اور ان حضرات کے کسی بھی معاملہ میں تہافت و تساقط اور تعارض و تناقض راہ نہیں پاتا، بلکہ پردۂ غیب اور کمین گاہِ قضاء و قدر سے ان کے سامنے حق اس طرح کھل جاتا ہے جس سے پوری طرح شرح صدر ہو جائے۔ انہیں اطلاعاتِ الٰہیہ اور مواعید ربِّ ذوالجلال کے پورا ہونے میں کبھی رجوع اور تبدیلیٔ خیال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (جس طرح مرزا محمدی بیگم انجامِ آتھم، ڈاکٹر عبدالحکیم کی موت وغیرہ وغیرہ میں بھٹکتا رہا) ان کے باطن کے پاک اور طبیعت کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے ان کی روش میں ایسی یکسانیت ہوتی ہے کہ

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۵۔ مشکوٰۃ: ص ۵۰۵

تعارض و توفیق میں کسی حیلے بہانے کی حاجت نہیں ہوتی، جانبِ خدا کو جانب اغراض پر ترجیح دینا، مادی علائق اور رشتوں سے بے تعلقی اور اعراض، تمام حوادث و پیش آمدہ حالات میں حمد و شکر، یادِ حق اور ذکر الٰہی میں ہمہ دم مشغول رہنا، رب العالمین کے زیرِ عنایت علم لدنی کے ذریعہ فطرت سلیمہ کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کرنا جس میں کسی قسم کی فلسفہ آرائی اختراع اور تکلف کا شائبہ نہ ہو۔ تسلیم و تفویض، عبدیت کاملہ، طمانیتِ زائدہ، استقامتِ شاملہ، ان کے دین کا تمام ادیان پر غالب آنا اور ان کے ذریعہ ایمان اور خصائلِ ایمان کا چار دانگ عالم میں پھیل جانا۔ ان حضرات نے دنیا میں رہ کر کبھی چاپلوسی کا راستہ نہیں لیا، اور کیا مجال کہ کفار و جبابرہ کے مقابلہ میں اپنی ایک بات سے بھی کبھی تنزل فرمایا ہو۔ یا فراعنہ کی تخویف و تہدید اور ان کے ہجوم کی بناء پر اپنے راستہ سے انحراف کیا ہو، یا حرص و طمع اور سامانِ دنیا جمع کرنے کا معمولی دھبہ بھی ان کے دامن مقدس تک پہنچا ہو، یا حرص و ہوا اور حُبِ ماسوا نے کبھی انہیں اپنی طرف کھینچا ہو، اور ممکن نہیں کہ ان کے آپس میں، علم و عمل کا اختلاف ہوا ہو، یا ایک دوسرے پر ردّ و قدح یا ایک دوسرے کی ہجو اور کسرِ شان کی ہو، نا ممکن ہے کہ انہیں اپنے کمالات پر کبھی ناز اور عُجب ہو، یا وہ اپنے تمام حالات میں کبھی بھی کبر و تعلّی اور نفس کے فریب میں مبتلا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ بھی تھا عطیاتِ ربّانیہ سے تھا۔ انسانی کسب و ریاضت کے دائرے میں نہیں تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے "اللہ خوب جانتا ہے جہاں رکھتا ہے اپنے پیغام[1]" نیز ارشاد ہے: "لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے"[2]

پہلی آیت میں نبوّت و رسالت کو ایک امر ایجابی یعنی علم الٰہی کے حوالے فرمایا۔ اور دوسری آیت میں ایک امر غیر ایجابی یعنی مشیّت خداوندی کے ——— اور بیشتر دیکھا گیا ہے کہ جو امور کہ حق تعالیٰ کی جانب سے تخصیص اور اصطفاء و اجتباء کے باب سے ہوں، وہ امر الٰہی کے حوالے کیے جاتے ہیں؛ جس میں اس امر پر تنبیہ ہوتی

---

[1] الانعام: ۱۲۴     [2] آل عمران: ۱۷۹

ہے کہ یہ امور کسبی نہیں ہیں۔

۱۳۱ــــــــ مخفی نہ رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جو اجمالی سیرت اوپر لکھی گئی ہے یا کسی دوسرے نے کچھ اور چیزیں لکھی ہیں ان سے یہ نہ سمجھنا کہ حقیقت نبوت بس اسی قدر ہے اور یہ کہ جو کچھ علماء نے لکھ دیا ہے وہ حقیقت نبوت کی تفہیم کے لیے کافی ہے۔ اور یہ نبوت کی حقیقت وہ نہیں جس کو یہ مخذول اصرار و بتکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے اور درحقیقت علماء سے سیکھ کر چکی چلاتا ہے کہ "نبوت عبارت کثرت مکالمہ الٰہیہ سے ہے": بلکہ یہ تمام امور نبوت کی ادھوری سی علامات ہیں جو راستہ کا پتہ نشان دیتی ہیں، اور کچھ سراغ بتاتی ہیں۔ ورنہ حقیقتِ واقعیہ کو سوائے انبیاء کرام کے، جو خود موصوف بہ نبوت ہیں، کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ نہ کسی کی مجال اور طاقت ہے کہ اس قسم کے امور الٰہیہ کی کنُہ تک پہنچ سکے اور ان معاملات الٰہیہ و مقاماتِ ربانیہ تک اس کی رسائی ہو سکے۔ اس مضمون کو فتوحات باب ۳۰۲ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "پس نبی کی آنکھ مشاہدۂ نبوت کے لیے کھلی ہے، اور ولی کی آنکھ مشاہدۂ ولایت کے لیے کھلی ہے اور مشاہدہ نبوت سے بند ہے۔ الخ "کسی کو خبر نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اس قدر ہے کہ گھنٹی کی آواز آتی ہے۔" جس طرح کہ صلصلۃ الجرس (وحی کی حقیقت نہیں بس ایک علامت تھی)

۱۳۲ــــــــ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ایک ایسی حقیقت ہے جو بہت سے اجزاء رکھتی ہے، مگر ان اجزاء کی تفصیل نہیں بتائی گئی، ہاں! ان میں سے بعض اجزاء پر انقطاع کا حکم (ضرور) فرمایا ہے، اور مبشرات کے قبیل سے کچھ حصہ باقی ہے اور یہ حکم باعتبار جزء اخیر علت تامہ کے ہے، ورنہ وہ تمہیدی کمالات کہ نبوت ان کی کرسی پر جلوہ آرا ہوتی ہے، یا مانند صورت مادہ پر، یا مثل حروف صاف تختی پر منقش ہوتی ہے یا مثل مشروط موقوف شرط اور موقوف علیہ پر مرتب ہوتی ہے وہ کمالات جاری و ساری ہیں اور آیت کریمہ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین[۱] مع آیت کریمہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین[۲]

---

[۱] الفاتحہ   [۲] النساء: ۶۹

میں جس انعام کا ذکر ہے اسے ویسا ہی سمجھنا چاہیے جیساکہ آیت: وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ[1] میں مذکور ہے، اور معیت ایسی سمجھنی چاہیے جیسی حدیث: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ[2] میں اور آیت: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[3] میں مذکور ہے۔ اور خود آیت بالا میں فرمایا ہے: وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔ اور اس آیت نسا کو موضح القرآن میں خوب سمجھایا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، جس طرح کہ خدام کو امراء کے ساتھ، کیونکہ صدرِ کلام میں اطاعت مذکور ہے، جو اوّل مرحلہ ہے۔ اور انھی کمالات کی سرایت ہے جس نے اس جھول و مخذول (مرزا غلام احمد قادیانی) کو راستہ سے بھٹکا دیا، اور (ان کے متعدی ہونے کو اس نے از راہِ حماقت) نبوت کا متعدی ہونا سمجھ لیا۔

۳۴ـــــ اگر کوئی شخص فلسفہ بگھارتے ہوئے یہ کہے کہ ایک ہی حقیقت ہے جو (انبیاء کرام میں پائی جاتے تو وہ نبوت کہلاتی ہے اور وہی جب غیر انبیاء میں پائی جاتے تو) ولایت کی طرف تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وحی و الہام، عصمت و محفوظیت اور معجزہ و کرامات (کو سمجھنا چاہیے) جس طرح کہ سورج کی روشنی (ضیاء) چاند کے کرہ میں پہنچ کر نور بن جاتی ہے یا جس طرح کہ اشیاء خارج میں اعیان ہیں۔ ذہن میں صورتیں ہیں، اور آئینوں میں عکس ہیں۔ یا جس طرح کہ ایک ہی نوع کے اشخاص کے وجودات میں باہمی تفاوت ہے، جس کے رفع کرنے کی تمنا کرنا جہل ہے: یہ فلسفہ آرائی بھی چنداں قابلِ وثوق و لائق اعتماد نہیں کیونکہ تمام اشیائے مذکورہ مرتبۂ قطعیت سے گر کر مرتبۂ ظنیت میں آ گئی ہیں، گویا وجوب سے امکان کی طرف پہنچ گئی ہیں۔ پس (اس قدر بیّن تفاوت کے بعد یہ فیصلہ کرنا کہ) یہ اختلاف عوارض کا اختلاف ہے؟ یا اختلافِ حقیقت، اور ان تمام اشیاء کا تفاوت آیا اسی طرح کا ہے جس طرح کہ اتحادِ حقیقت کے باوجود کسی نوع کے اشخاص میں تفاوت ہوا کرتا ہے یا کیا صورت ہے؟ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی اصل کنہ کو علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا ـــ کیا تم جانتے نہیں کہ ایمان میں کمی بیشی کے مسالہ میں آج تک تصفیہ نہیں

---

[1] الاحزاب: ۳۷ [2] مشکوٰۃ ص ۴۲۶ [3] الانفال: ۴۶

ہو سکا، کہ آیا یہ کمی زیادتی عوارض میں سے ہے یا نفسِ ماہیت میں ؟

۱۳۴ ــــــ اور جیسا کہ متاخرین اہلِ معقول نے حصول اشیاء میں حصول باشباحہا کا فیصلہ کیا ہے، کسی دوسرے کی صفاتِ نفسیہ کے حصول کا اس کے ماسوا یقیناً کوئی راستہ نہیں ہے، الّا یہ کہ حصول اپنے ذاتی استحقاق سے ہو، بطور استفادہ نہ ہو۔ پس استفادہ بھی، جس کا یہ مخذول راگ گاتا ہے۔ اپنی ذات ہی کی طرف راجع ہوا۔ اور 'واسطہ فی الثبوت' جس میں واسطہ اور ذو واسطہ دونوں موصوف ہوتے ہیں اس میں عقلاً کا معرکہ ہے بعض نے یہ بھی ہے کہ فعل جو فاعل سے صادر ہوتا ہے اس کا دوسرا سرا مفعول بہ پر پہنچ جاتا ہے، جس کا نام مفعول مطلق رکھا گیا، وہ کوئی علیحدہ حقیقت نہیں، البتہ فعل کا اثر ایک جداگانہ چیز ہے۔ پس ان مغالطوں میں پڑنا اور ان کی وجہ سے دین کی ضروریات و متواترات کو توڑ پھوڑ دینا الحاد و زندقہ کا کام ہے۔

۱۳۵ ــــــ اور معلوم رہے کہ اس اُمت کے اندر نبوت جاری ہونے میں نہ تو اس اُمت کا کوئی خصوصی کمال ظاہر ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کیونکہ پہلی اُمتوں میں اس کی نظیر موجود ہے، اور استفادہ و عدم استفادہ کا فرق۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا محض لغو ہے، خارج میں کوئی امتیاز و نشان نہیں رکھتا۔ صرف ایک ذہنی اختراع ہے جس کی حیثیت طفل تسلّی سے زائد نہیں[1] پھر آخر کس معنی کی بناء پر خاتم النبیین، صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کو فرمایا گیا ؟۔ اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بایں معنیٰ خاتم النبیین ہیں کہ آپ کمالاتِ نبوت کے خاتم ہیں یعنی آپ نے کمالات و اجزاء نبوت کی مسافت کو اختتام تک پہنچا دیا اور ختم کر دیا ہے اگرچہ نبوت کا دور اور زمانہ ابھی باقی ہے ؟ تو یہ بے معنیٰ تقریر نصِ قرآن کے خلاف ہے اس لیے کہ نصِ قرآن میں کہاں ہے کہ خاتم کمالات' کا لفظ فرمایا ہو؟ اور یہ کس کو حق ہے کہ قرآن کی نصِ صریح سے باہر نکلے ؟ قرآن نے تو اشخاص انبیاء کے ختم کرنے

---

[1] مفتی محمد عبداللہ صاحب لدھیانوی نے فتح مبین ص ۱۱ میں اس طرح کی بعض عبارتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں۔ منہ

والا فرمایا ہے اور یہ امر خود بھی ختم کمالات کی فرع ہے، اور اس بات کی علامت ہے کہ ختم زمانی کے ساتھ ختم کمال فرمایا گیا، اور اس قسم کی خاتمیت عالم تقدیر میں متقرر و ملحوظ بھی ہے اور (خارج میں) رائج و معمول بھی یہی ہے کہ ختم صوری کو ختم معنوی کی علامت قرار دیتے ہیں، اور یہ امر، واقع میں یا تو فتح کے ساتھ ہوتا ہے یا ختم کے ساتھ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں کو جمع فرما دیا گیا کہ آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی چنانچہ خسرو فرماتے ہیں:

شاہِ رُسل و شفیع مرسل　　　خورشید پسین و نور اوّل

اور اس خاتمیت کی نظیر پہلوں میں موجود نہیں، پس اب انصاف فرمایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا) امتیازی کمال یہ (خاتمیت صوری و معنوی) ہے یا سابق نبیؐ پر چھوٹا؟

۱۳۶۔۔۔اگر صاحب اختیار مالک کہے کہ میں فلاں منصب کو فلاں جگہ سے شروع کر کے فلاں کامل ترین فرد پر ختم کر دوں گا (مثلاً منصب نبوت کو آدم علیہ السلام سے شروع کر کے اکمل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دوں گا) تو آیا یہ امر اہل عرف کے نزدیک بالبداہت کمال نہیں ہے؟ (اگر ہے اور یقیناً ہے تو آخر کیا وجہ ہے) کہ یہ ملاحدہ ایک بدیہی (صاف اور سیدھی سی) بات میں بھی شک اندازی کرتے ہیں (کہ نعوذ باللہ یہ تو نقص ہے) اور گزر چکا ہے کہ کسی کو 'خاتم المحدثین' جو کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ شخص محدثین کی جماعت میں سے خاتم کمالات ہے، نہیں بلکہ یہ بھی 'خاتم اشخاص محدثین' کے معنی میں ہے، البتہ کلام الٰہی اور اس ..... محاورہ عامیہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ محاورہ مسامحت اور ظن و تخمین پر مبنی ہے، جبکہ ملک علام کا کلام اس سے پاک ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

۱۳۷۔۔۔بالآخر آیت کریمہ کے خلاصہ کا دوبارہ اعادہ کرنا مناسب ہے کیونکہ حق جل شانہٗ کے کلام معجز نظام کے خصائص، اعتبارات مناسبہ اور لطائف و نکات کا سمجھنا اہل زمانہ کے لیے نہایت دشوار ہے۔ بلکہ انسانی طاقت سے بعید ہے الا

من اتی اللہ بقلب سلیم۔

۱۳۸ـــــــ پس خود سمجھ لو کہ اس آیت کریمہ میں اہلِ جاہلیت سے خطاب نہیں کہ یہ آیت مدنی ہے اور نہ یہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ[1] کے مدعا پر ہے جو کہ مکی ہے اور اہلِ جاہلیت کے ردّ میں نازل ہوئی ہے، البتہ یہ آیت اس معروف رسم کی اصلاح کے لیے آئی ہے کہ لوگ تبنی (لے پالک بنانے) کو وراثت پانے کے لیے مفید سمجھتے تھے، اور یہ رسم اِس زمانہ میں بھی تھوڑی بہت باقی ہے، اور نزول آیت کے وقت آپؐ کا کوئی صاحبزادہ بقید حیات نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم ابھی تولد نہ ہوئے تھے، اور دیگر صاحبزادگان گرامی اس سے پہلے گذر چکے تھے، پس بظاہر تبنی کی رسم کا ابطال اس لفظ سے ہو سکتا تھا کہ تبنی کچھ نہیں اور اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا۔[2] مگر اس کے بجائے قرآن کریم میں ایک عام مضمون کی طرف انتقال کیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور نہ آپؐ پسری اولاد کے سلسلہ کو جاری کرنے اور صاحبزادوں کے خاندان کو باقی رکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ البتہ آپ خدا تعالے کے رسول اور انبیاء کے ختم کنندہ ہیں۔

۱۳۹ـــــــ اور سلسلۂ کلام میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف جو مناسبِ مقام ہو یا اخص سے اعم کی طرف چلے جاتے ہیں، پس یہ آیت صرف مسئلہ تبنی تک محدود نہیں رہی بلکہ خاندانی وراثت کے سلسلہ میں پہنچ گئی۔ جہاں تک خصوصی طور پر شانِ نزول کے واقعہ کا تعلق ہے اس مسئلہ پر کلام آیت: فَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ[3] اور لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ میں پورا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام مطلق توریث کی طرف آ نکلا، جیسا کہ معالم التنزیل میں ابن عباسؓ کا قول گذر چکا ہے۔ البوت اپنے مفہوم میں دو جز رکھتی تھی ایک باپ بیٹا ہونے کا تعلق، اس کے بدل میں رسالت کو رکھا گیا، دوم وراثت جاری ہونا، اس کے بدل میں ختم نبوت کو رکھا گیا۔ پس یہ وجہ ہے دو لفظ لانے کی۔

---

[1] بیشک تیرا دشمن ہی نسل بریدہ ہے۔ (الکوثر: ۳) [2] الاحزاب: ۴ [3] الاحزاب: ۳۷

۱۴۰ــــــ اور معلوم ہے کہ آپؐ سے پسری خاندان کو باقی رکھنا اور پھر ان کے اندر سلسلۂ نبوت کو باقی رکھنا ان دونوں باتوں کے درمیان کوئی عقلی یا شرعی تلازم نہیں، لیکن اہلِ عرف اور محبانِ صادق یہی چاہا کرتے ہیں کہ خاندان میں سلسلۂ وراثت باقی رہے اندریں حالت یہ خیال ذہنوں میں آسکتا تھا کہ نہ معلوم خاندانِ نبوت میں کونسا سلسلہ رہتا ہے۔ سلسلۂ نبوت، یا سلسلۂ خلافت و ولی عہدی، یا وراثتِ مال کا سلسلہ، وغیرہ۔ یہاں کسی قسم کا لزوم نہیں تھا، لیکن تناسب ضرور تھا اور بہت ممکن ہے محبین کی تمنا بھی ہو اور ان کے اذہان میں یہ خیال گذر بھی رہا ہو، جیسا کہ علم میں بھی خاندانی وراثت نہیں، لیکن اگر خاندان میں علم باقی رہے تو اسے خاندانی علم کہا کرتے ہیں، اور یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ باپ کی جگہ بیٹا عالم ہو، اور اسی نہج و طریق پر ہے آیت یرثنی ویرث من آلِ یعقوبؑ[1] اور آلِ ابراہیم، آلِ یعقوب، آلِ عمران، آلِ یٰسین اور آلِ داؤد کا عنوان بھی اسی کے پیشِ نظر آیا ہے، موضح القرآن میں سورۂ اعراف میں منصب خلافت و امامت اور امامت کے خاندان ہارونؑ میں رہنے کے بارے میں کچھ ذکر فرمایا ہے، اور اسی طرح آیت وورث سلیمانُ داودَ[2] میں وراثتِ علم و نبوت مراد ہے۔ اور معالم التنزیل میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ "جب اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کر دیا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو آپؐ کو پسری اولاد ہی عطا نہیں فرمائی جو بلوغ کو پہنچتی۔"

۱۴۱ــــــ پس فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارے ذہنوں میں جو یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ وہ پسری خاندان کو جاری کرنے اور کسی نوعیت کی وراثت باقی رکھنے کے سبب ہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ ہماری تقدیر میں وہ سلسلۂ نبوت کے ختم کرنے کے سبب ہیں، اس لیے پسری خاندان میں ولی عہدی کا سلسلہ نہیں ہوگا، پس نبوت کا سلسلہ ظاہر ہے کہ بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگا، اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ اس آیت سے توریثِ نبوت بالاستفادہ کے سلسلہ کی نفی بدرجۂ اولیٰ ہو جاتی ہے بہ نسبت بلا واسطہ

---

[1] سورہ مریم : ۹ [2] سورہ النمل : ۱۶

کے، کیونکہ ابوت اولیٰ لذکر صورت میں زیادہ دخیل ہے۔

۱۴۲۔۔۔ حاصل یہ کہ "محمد صلے اللہ علیہ وسلم اجراء کے لیے نہیں بلکہ ختم کے لیے ہیں" اور آیت کریمہ کسی لزوم پر مبنی نہیں، بلکہ تناسب وقوع پر مبنی ہے، اور وہ بھی اسی درجہ میں جو کہ اذہان میں گذر سکتا تھا۔ اگرچہ یہ خیال گذرنا مسلمانوں ہی کی جانب سے ہو۔

اور محطِ کلام میں یہ ضروری نہیں کہ ہم مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ میں اول وہلہ ہی سے اجرائے سلسلۂ نبوت کو محط ٹھہرائیں، بلکہ دوسرے مناسب سلسلوں کی نفی سے یہ بھی بطریق اولیٰ منفی ہو گیا اور ختم کلام یعنی وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ، اس امر کی جانب خصوصی اشارہ کر متضمن ہے کہ صدر کلام میں اسی کا ارادہ کیا گیا۔ جیسا کہ تفتازانی نے کہا ہے کہ:

"اگر تم کہو کہ جب قصرِ قلب میں دو وصفوں کے درمیان تنافی متحقق ہے تو ایک کا اثبات خود بخود دوسرے کی نفی کو مشعر ہو گا، پس بطور حصر ایک وصف کی نفی اور دوسرے کے اثبات سے کیا فائدہ ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں فائدہ یہ ہے کہ اس سے مخاطب کی غلطی رفع کرنے پر تنبیہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مخاطب اصل واقعہ کے برعکس کا معتقد تھا۔ چنانچہ ہمارا قول "زید کھڑا ہے" اگرچہ نفی قعود پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ مخاطب کو اس کے قعود کا اعتقاد ہے اور جب ہم کہیں کہ "زید بیٹھا نہیں بلکہ کھڑا ہے" تو اس سے پتہ چلے گا کہ مخاطب زید کو بیٹھا سمجھتا تھا، متکلم اس کی غلطی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے[۱]"

اور اسی سبب سے تمام طرق قصر کے ساتھ نفی کے اجتماع میں تفصیل پیدا ہوئی۔

۱۴۳۔۔۔ اور اگر کہا جائے کہ "لکن" ایک دوسری صورت میں بھی تلافی مافات کے لیے ہوتا ہے تو (جواب یہ ہے کہ) وہ بھی یہاں پوری پوری پائی جاتی ہے کہ ادنیٰ علاقہ کے بدلے میں اعلیٰ مذکور رکھا گیا۔ باقی نوع سے جنس کی طرف، یا جنس الاجناس کی طرف انتقال کرنا یہ تقاضائے مقام پر منحصر ہے، جیسا کہ علماء نے استثنا مفرغ میں تقریر کی ہے خلاصہ یہ کہ مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ

---

[۱] مختصر المعانی ص ۱۹۰ بحث قصر بالعطف

اللہ و خاتم النبیین میں دو جملوں کا جمع کرنا (جن میں سے ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت) اس مقصد کے ادا کرنے کے لیے جو گذر چکا۔ ورنہ ان مسائل کا بیان الگ الگ بھی ہو سکتا تھا۔ یہ ہے خلاصۂ مراد آیت کریمہ کا کہ عمریں ختم ہو جاتی ہیں، مگر وہ جلوہ نہیں دکھاتا۔ (ترجمہ شعر)" تیرے حسن کے بارے میں ہر شخص ہر دم نئی بات کرتا ہے۔ اگر تیرے رُخِ تاباں کی جلوہ نمائی ہو تو یہ قصے نہ رہیں۔"

# خاتمہ

۱۴۴ــــ جاننا چاہیے کہ حق طلبی، حق پسندی اور حق نیوشی کا طریقہ یہ ہے کہ کلامِ معجز نظام کے قیود، کلامِ ملکِ علام سے ہی لیے جائیں، بلکہ ہر ایک حاضر الحواس متکلم کے کلام میں یہی طریقہ ہے، اپنی جانب سے اتباعِ ہویٰ اور اغراضِ نفس کی خاطر قیدیں لگانا، تعیینیں نکالنا اور پھر کلامِ معجز نظام کے ٹکڑے کر کے اسے ان پر چسپاں کرنا الحاد و زندقہ کی اصل بنیاد ہے۔ پس جب حق تعالےٰ نے ایک بار تصریح فرما دی کہ "محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں" تو شیوۂ ایمان یہ ہے کہ تمام حیلوں بہانوں کو چھوڑ کر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "تمام نبیوں کا ختم کرنے والا" یقین کریں اور اسی پر ایمان لائیں۔ کیونکہ اسی عقیدہ کو سکھانے کے لیے تو یہ آیت آئی ہے۔ اور جب اللہ تعالےٰ نے کسی جگہ تقسیم و تقیید نہیں فرمائی تو ہمیں حق نہیں کہ زیغ و الحاد کے شبہات کی بناء پر آیت کے عموم اور اطلاق کو خیرباد کہہ دیں، کیونکہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کو پیش کرنا ہے اور قیاس سے نص کا مقابلہ و معارضہ سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔ پھر اجماع بلا فصل بھی اس عقیدہ پر منعقد ہے اور دورِ نبوت سے آج تک مسلسل یہی عقیدہ چلا آتا ہے، پس یہ عقیدہ ہمیشہ قطعی الثبوت رہا ہے اور یہ آیت اس کے اثبات میں قطعی الدلالت رہی ہے۔

۱۴۵ــــ اور جو کچھ یہ ملحد اور اس کے چیلے چانٹے اس عقیدۂ حقہ (ختم نبوت) کی مخالفت میں پیش کرتے ہیں وہ سب رُسوا کن مغالطے ہیں، یہ لوگ بارہا مناظروں

میں لاجواب اور ذلیل و رسوا ہوئے، مگر صد حیف کہ انہیں ہدایت نہ ہوئی، بلکہ اپنی انجمن سے مشاہرے لے کر ایمان کے بدلے کفر خریدتے رہے، ان کا طریقہ یہ ہے کہ محکمات و قطعیات کو شبہات و متشابہات کے ذریعہ مکدر کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ ایمان سے خارج کر دیتے ہیں، کوئی دلیلِ عقلی یا سمعی ان کا متمسک نہیں ہے، بلکہ ان کا کل سرمایہ بس ملمع از شبہات ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض تم دیکھ سن چکے ہو کہ زندقہ سے زیادہ نہیں ہیں، اور یہ آیت ان تمام شبہات پر حاوی ہے اور پہلے ہی سے ان کا فیصلہ کر چکی ہے۔

۴۴ ا۔۔۔ مثلاً وہ سورہ اعراف کی آیت(۲۵): یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ الآیہ میں یہ سخن سازی کرتے ہیں کہ (یاتین استقبال کا صیغہ ہے اور) استقبال باعتبار زمانہ نزول کے ہے (گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارے پاس بہت سے رسول آئیں گے اس سے ثابت ہوا کہ) نبوت جاری ہے۔ حالانکہ (یہ آیت خود قادیانی دعویٰ کے خلاف ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آئندہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے واسطے سے ملا کرے گی، نہ کہ مطلقاً۔ جبکہ) اس آیت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوئی قید نہیں، جو انھوں نے آیت ختم نبوت میں ایجاد کی تھی۔

علاوہ ازیں یہ شبہ نہایتِ غباوت و الحاد سے پیدا ہوا ہے (تحقیق یہ ہے کہ) حق تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا (اور وہی بیان دور تک چلا گیا) اور درمیان میں کوئی کوئی جملہ لفظِ قُل کے ساتھ اُن امور کے بارے میں، جو بعد میں وقوع پذیر ہونے والے تھے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا، اور کسی ضمنی فائدہ کی جانب راہنمائی اور "تنبیہ فرمائی" تاکہ دوبارہ از سرِ نو "سلسلۂ سخن شروع کرنے" کی ضرورت نہ ہو اور معاملہ دست بدست طے ہو جائے اور چار بار یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کے عنوان سے خطاب فرمایا، یہ تمام کلام اعادۂ خطابِ اول کے ساتھ اسی عہد سے متعلق ہے۔ (جو عالمِ ارواح میں تمام ذریتِ آدم سے لیا گیا تھا) اور استقبال بھی اسی کے اعتبار سے

ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح (علیہم السلام) کا قصہ ذکر فرمایا (اس تقریر سے معلوم ہوا کہ آیت میں استقبال زمانۂ نبوت کے اعتبار سے نہیں بلکہ زمانۂ عہد کے اعتبار سے ہے)

اس آیت کریمہ جس میں بہت سے رسولوں کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مابعد کے زمانہ سے متعلق کرنا حضرت حق جل مجدہ کے ساتھ معارضہ و مقابلہ ہے کیونکہ اس نے ایک بار ختم نبوت کی نص قطعی نازل کر کے اپنی مراد کی تعلیم فرما دی ہے، سورۂ بقرہ کی ابتداء میں بھی اسی آیت کے قریب ارشاد ہوا ہے: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى [1] اسی طرح سورۂ طٰہٰ میں بھی [2]

اسی طرح ذکر فرمایا، اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کے حق میں قیامت سے متصل ہونا ذکر فرمایا اور (آپ کے اور قیامت کے) درمیان میں کسی امت کو نہیں رکھا ـــــــــــ

حضرت آدمؑ اور ابتدائے آفرینش کے حق میں استقبال مناسب تھا، چنانچہ واقعہ بھی یہی تھا اور آیات کریمہ بھی اسی طرز پر وارد ہوئیں۔ پھر حق تعالےٰ کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ زمانۂ لاحق میں زمانۂ سابق کے بارے میں خطاب فرمائیں، جبکہ حکم اس طرز کے مناسب ہو (بہر حال اس آیت سے اجرائے نبوت پر استدلال کرنا قادیانی ذہنیت کا اعجوبہ ہے، ورنہ تیرہ صدیوں کی) امت کے کسی شخص کا ذہن ان آیات میں (اجرائے نبوت کے) کسی وہم کی طرف نہیں گیا اور نہ ان آیات میں اس وہم کی کوئی ادنیٰ گنجائش ہے۔ اس ملحد کو تعلیم شیطان کی بنا پر جداگانہ نبوت کا دعویٰ کرنا تھا اس لیے (شیطان نے پہلے اسے دعویٰ نبوت تلقین کیا اور) بعد ازاں یہ تمام الحاد سکھائے اور اس کے اذناب و اتباع، علم و عمل اور نیت صحیحہ ہر چیز سے عاری ہیں، سوائے کفر و عناد، عداوت حق و اہل حق اور شر و فساد کے۔

۴۷ ـــــــ اور مثلاً یہ کہ آیت وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ [3] میں الحاد کرتے ہیں کہ یہ آیت اس امت پر اتمام نعمت کا اعلان کرتی ہے اور سب سے بڑی نعمت نبوت ہے، جب

[1] البقرہ: ۳۸ [2] طٰہٰ: ۱۲۳ [3] المائدہ: ۳

اس کو وہ نہ ملی تو نعمت پوری کیونکر ہوئی ؟) حالانکہ آیت کی مراد واضح ہے کہ "میں نے نعمت کا کوئی جز نہیں چھوڑا جو تم کو عنایت نہیں کر دیا" اور یہ منافی ہے اس بات کے کہ نعمت کا کوئی جزء جدید ابھی باقی ہو جو عنایت نہ کیا گیا ہو مگر جو نعمت عطا کی جا چکی اس کی بقاء کے منافی نہیں، بخلاف آیت 'خاتم النبیین' کے کہ وہ اشخاص انبیاء کے ختم ہونے کا اعلان کرتی ہے اور یہ کسی دوسرے شخص کی آمد کے منافی ہے۔ وہی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تا قیامت پوری انسانیت کے لیے نبی ہیں، اور آپؐ ہی کا دورِ نبوت باقی ہے۔ جس طرح آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا (تھا تو مسیلمہ کذاب ہی تھا) اسی طرح آپؐ کے مابعد کے زمانہ میں بھی کوئی دوسرا نبی نہ ہو گا (اگر ہو گا تو مسیلمہ کذاب کا بھائی ہو گا)

اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص پر ہم نے سلطنت کے تمام اجزاء پورے کر دیے تو یہ ایک الگ مضمون ہے جس کی مراد بالکل واضح ہے اور جب کہا جائے کہ فلاں شخص کو ہم نے خاتم سلاطین بنا دیا تو یہ دوسرا مضمون ہے کہ وہ بھی بجائے خود واضح ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اجزاءِ شیٔ الگ چیز ہے اور عمرِ شیٔ ایک دوسری چیز ہے۔ اجزاء کے پورا کر دینے سے اس کی عمر پوری نہیں ہو جاتی، بلکہ اجزاء کے پورا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ناقص نہیں رہی، اور ختمِ اشخاص کے ساتھ عمر ختم ہو گئی۔ اور وہ سلسلہ باقی نہ رہا۔ اور مالک کارپرداز نے وہ کام ہی چھوڑ دیا اور جب کوئی شخص اپنا کام چھوڑ دے تو اس کے ساتھ معارضہ کیسا؟ اور اس کی مراد کی تحریف کیوں کی جائے؟

۱۴۸۔۔۔۔ غرضیکہ ختمِ نبوت کو ایک بار سیکھ کر اسے دائمی اور پختہ عقیدہ بنا لینا چاہیے اور پھر اسے ہر قسم کی بحث و تمحیص سے بالاتر سمجھنا چاہیے۔ اس کے بعد جو چیز بھی ذخیرۂ سمع و نقل سے سامنے آئے اس کی تفسیر و تشریح اسی کے موافق کرنی چاہیے، کیونکہ ختمِ نبوت کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ یعنی ان امور میں سے جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ سے ہر خاص و عام تک

---

۱؎ المائدہ : ۳

پہنچ چکے ہیں — اس قسم کے امور، دین کے اندر ایک طے شدہ مفہوم اور ایک ثابت شدہ حقیقت رکھتے ہیں کہ کسی کے ظن وتاویل پر ان کے مفہوم کا مدار نہیں، اور نہ ان میں تاویل اور قیاس آرائی کی گنجائش ہے (بخلاف ظنیات کے کہ ان میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور ہر مجتہد کے نزدیک جو مفہوم طے ہو وہی اس کے لیے واجب العمل ہوتا ہے) اور اگر دین کی ہر چیز (لوگوں کے ظن وتخمین اور تاویل پر) دائر رہا کرے تو دین کی کوئی حقیقت محصّلہ ہی باقی نہیں رہتی۔

اور کسی حکم کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا نقلِ متواتر اور اشتہار واستفاضہ کے ساتھ ہوتا ہے (کہ صدرِ اوّل ہی سے وہ حکم مشہور ومستفیض اور متواتر نقل ہوتا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ قطعی الثبوت ہوگیا) حکم خواہ کوئی ہو، خواہ فرض کا ہو، خواہ استحباب کا، خواہ اباحت کا۔

اور کبھی قطعیت، دلیل عقلی قائم ہونے سے بھی، جو دلیل نقلی کے مساعد ہو، پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ لازمی نہیں ہے، بلکہ جب کوئی عقیدہ اُمت میں طبقۃً بعد طبقۃٍ متواتر رہا اور اہل حل وعقد کے درمیان اس عقیدہ میں کوئی اختلاف رُونما نہیں ہوا بلکہ سب کے یہاں متفق علیہ رہا، تو وہ قطعی ہے۔

اور تواتر کبھی اسناد کے ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی طبقہ وتوارث کے ساتھ، اور کبھی قدر مشترک کے ساتھ۔ یہ تمام تواتر کی قسمیں ہیں اور یہی متواترات "سبیل المؤمنین" ہے جو قرآن کریم نے آیت ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔[1]

ترجمہ: "اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے۔ اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔"[2]

---

[1] النساء: ۱۱۵ [2] بیان القرآن از حکیم الامت تھانویؒ

۴۹ا ـــــ بعد ازاں مخفی نہ رہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ "فلاں عمارت کو میں نے ختم کر دیا" تو چونکہ اس نے یہ بات اپنی حالت کے مشاہدہ اور اپنے ارادہ کے پیشِ نظر کہی ہے، کیونکہ وہ مالک مختار ہے، پس اس کی مراد میں تحریف کرنا (اس کے مطلب کو بگاڑنا) صادق اور راست باز لوگوں کا کام نہیں، مگر کسی کا یہ کہنا کہ "فلاں شخص خاتم المحدثین ہے" اس نے آخر کس چیز کا مشاہدہ کر کے یہ بات کہی ؟ کیونکہ نہ تو وہ علمِ غیب رکھتا ہے، اور نہ اسے حالات پر احاطہ حاصل ہے۔ لا محالہ یہ بات محض تخمینہ اور مجازؔ و مسامحہ کے طور پر ہو گی۔ بخلاف علام الغیوب اور مالک الملک کے، (کہ اس کا ارشاد سراسر تحقیق اور خود اپنے فعل سے متعلق ہے) پس غور کیجئے کہ اس قسم کے تفاوت اور حالات کے مختلف ہونے سے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے ؟ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرادِ لفظ کی تعیین اس بناء پر نہیں ہوتی کہ لفظ اسی معنی میں منحصر ہے، بلکہ حالات و اغراض کی بناء پر اور بغیر کسی اختلاف کے اس معنی میں کثرتِ استعمال و تکرار وغیرہ کے ساتھ بھی محاورات کے معنی متعین ہو جاتے ہیں۔ اور محاورات میں روز مرہ (ان امور سے سابقہ پیش آتا ہے، مگر ان لوگوں کو وہاں) کیوں یہ تباہی پیش نہیں آتی، صرف نصوص ہی میں یہ آفت رُونما کیوں ہوتی ہے ؟ بہر حال توفیق خداوندی درکار ہے ـــــ اور اگر اس قسم کے امور میں بھی کوئی شخص فہم رسا نہیں رکھتا اور دعویٰ ہمہ دانی کے با وصف کفر و ایمان میں تمیز نہیں کر پاتا تو اس سے ہاتھ اٹھا لینا چاہیے، کیونکہ جیسا کہ حدیثؔ میں ہے، یہ زمانہ، غالیوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے غلط دعووں کا ہے۔

۵۰ا ـــــ ان محدّوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حق تعالیٰ قسم کھا کر بھی فرماتے کہ میری مراد یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی بھی نہیں بھیجوں گا۔ (نہ تشریعی، نہ غیر تشریعی، نہ حقیقی، نہ نقلی یا ظلی) تو یہ کہیں گے کہ جی ہاں ! لفظ تو یہی ہیں جو آپ نے فرمائے، لیکن آپ کی مراد یہ ہے کہ فلاں طریقہ سے آپ اس سلسلہ کو جاری

لہ مشکوٰۃ ص ۳۶

ہی رکھیں گے"۔ اور اگر فرماتے کہ نہیں یہ بھی نہیں۔ تو یہ کہیں گے کہ "جی ہاں بظاہر تو ایسا ہی ہے، لیکن آپ کے باطن میں یہ ہے"۔ بتائیے ہر بات کی اُلٹ توجیہ کا سلسلہ کہیں جا کر رکنے کا ہے؟ اور جب مخاطب یہ فیصلہ کر چکا ہو کہ اسے بہر حال متکلم کی ہر بات کو اُلٹ معنی پر محمول کرنا ہے تو حق تعالےٰ کسی بھی حقیقت کے ادا کرنے سے (نعوذ باللہ) قاصر رہیں گے اور کسی مطلب و مدعا کو ادا کرنے کا راستہ ہی بند ہو جائے گا، اندریں صورت اگر کوئی شخص قرآن کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ آخری کتابِ الٰہی ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں، اور اس کی مراد آخریتِ حقیقی ہو مگر اس کے ہاتھ میں اس مراد کے ادا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہو گا (کیونکہ قادیانی ملاحدہ اس میں بھی تاویل کا کوئی چکر چلا دیں گے) واللہ ولی التوفیق۔

۱۵۱ ــــ اور اب نبوت کو ختم اور سربمہر کرنے کی حکمت سمجھنا چاہیے، معلوم رہے کہ اس حقیقت (یعنی نبوت) کو مالک ملک اور صاحب اختیار نے آدم علیہ السلام کے عہد سے شروع کیا، جہاں سے بنو آدم کا آغاز ہوا ہے اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو خاتمۂ دنیا پر تشریف لاتے ہیں، پورا فرما دیا، اور دین کے کامل اور نبوت کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس ختم سے مقصود، جیسا کہ ابن کثیرؒ اس حقیقت کو پہنچے ہیں۔ یہی ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی ملحد و زندیق اور دجال و کذاب درمیان میں نہ گھسے، یا سربمہر خزانہ میں سے کوئی چیز نہ اُٹھاتے، جب تک اُمت اس عقیدہ پر قائم رہے گی، رحمتِ الٰہی کے زیرِ سایہ رہے گی اور جب انحراف کرے گی تو یہ امر موجبِ تفرقہ ہو گا اور اس سلسلہ میں تشریعی و غیر تشریعی کا کوئی فرق نہیں، بلکہ بلا استثناء ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے) اس لیے کہ جب (نئے نبی کے آنے سے) ایمان میں اضافہ ہو سکتا ہے (کہ نئے نبی پر ایمان لانا دین کا ایک نیا رکن بن جاتے) تو (شریعتِ جدیدہ کے ذریعہ) اعمال میں اضافہ کیا دشوار ہے! پس (اُمتِ محمدیہ میں) اگر دو پیغمبر آئیں اور منکروں کی تکفیر کریں تو (ظاہر ہے کہ اُمت میں افتراق پیدا ہو گا، اور) یہ اختلاف اختلافِ رحمت نہیں، بلکہ اس میں اُمت

مرحومہ کے اتحاد کی بیخ کنی، ان کی خیر و برکت کا ابطال، صلاح و فلاح اور کامیابی کا خاتمہ، ایک دوسرے کی تکفیر کا فتح باب، اتفاق و اتحاد کا سدِّ باب اور مقصد الٰہی کا۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی دجّال درمیان میں نہ گھسے — معارضہ و مناقضہ ہے (ترجمہ شعر) "میں اس حالت میں سفر کرتا ہوں کہ میں نے اپنے دل پر تیری محبت کی مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی دوسرا اس میں نہ سما سکے۔" اور اسی سبب سے ختم کا اعلان فرمایا" تاکہ دجل و زندقہ کی رگ کٹ جائے، یہ اُمت ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ایمان کو پارہ پارہ نہ کرے، فتنہ و فساد، لڑائی دنگا، خونریزی و غارت گری اور شقاق نفاق میں نہ پڑے، اور فساد فی الارض اور فتنۂ طویل و عریض کا موجب نہ ہو۔

۱۵۴ — پس اس حکمت کا اس شقی کے وسوسہ سے کہ "نبوت نبی ساز ہونی چاہیے" موازنہ کرو، اور پھر انصاف کرو کہ اُمتِ مرحومہ کے حق میں (رحمت قادیاں کی جعلی نبوت سے پاک) در حقیقت یہ اعلانِ ختمِ نبوت رحمت تھا جس کو الحاد و غباوت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھا، کیونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھنے کے باوجود اس نبوتِ جدیدہ کے منکروں کی تکفیر کرنا ان کے حق میں رحمت کی نفی کرنا ہے (قادیانی نظریہ "اجرائے نبوت رحمت ہے" کے مطابق چودہ صدیوں میں صرف ایک مرزا غلام احمد قادیانی مَوردِ رحمت بنا، جب کہ اس فردِ واحد کے مَوردِ رحمت بننے سے اُمت کے کروڑوں افراد جو قادیانی نبوت کے منکر ہیں، موردِ لعنت ٹھہرے) پس ایک طرف ان اشقیاء کو رکھو جن کو اس نے نام نہاد نبی بنایا ہے (اور وہ صرف مرزا کی ذات ہے) اور دوسری طرف جماہیر اُمت کی تعداد کو رکھو اور پھر دیکھو کیا موازنہ ہے (آیا اجرائے نبوت کے قادیانی نظریہ سے اُمتِ مرحومہ کے حق میں رحمت کا پلہ بھاری ہوا یا لعنت کا؟) اُمت کے حق میں جس چیز کو رحمت کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ پوری اُمت کا ایک ہی دین و ایمان ہو، ایک ہی کتاب و نبی ہو، ایک ہی دستورِ ہدایت، ایک ہی ملت ہو، ایک ہی سبیل المؤمنین ہو، اور وہ سب ایک ہی راستے پر چلیں۔ اور یہ بات سابقین کے حق میں متعذر نہ تھی۔ ابن کثیرؒ اسی مضمون کو بیان

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف میں سے ہے کہ آپ کو خاتم النبیین بنایا۔ اور آپ کو تمام مخلوق کی جانب مبعوث کیا گیا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نبوت ختم ہو جانے کو ابن کثیر شرف نبوی قرار دیتے ہیں، اور پہلے گذر چکا ہے کہ یہ امر بالکل واضح اور بدیہی ہے، اور ان مخذول کی شکانداز ی بدیہیات میں شک اندازی ہے۔ طبرانی نے ابو مالک اشعری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ: "یہ دین نبوت و رحمت کی شکل میں شروع ہوا، اور خلافت و رحمت ہونے والا ہے۔"

درحقیقت، رحمت میں خیر عام مقصود ہوتی ہے، اس کے مقابلہ میں معدودے چند افراد کی تکمیل کوئی وزن نہیں رکھتی (اور قادیانیوں کے نظریہ اجرائے رحمت سے تو معدودے چند افراد بھی مستفید نہ ہو سکے، بلکہ صرف فرد واحد کے لیے یہ نظریہ ایجاد کیا گیا، کیونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غلام احمد کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا، اور غلام احمد کے بعد بھی قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا، گویا خاتم النبیین مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ الغرض قادیانی جو نعرہ زور شور سے لگاتے ہیں کہ "امت محمدیہ میں نبوت کا جاری ہونا رحمت ہے" اس کی حقیقت صرف یہ نکلی کہ فرد واحد یعنی مرزا غلام احمد قادیانی مورد رحمت ہوا اور کروڑوں کی تعداد میں امت کا افراد مورد لعنت ٹھہری۔ اب انصاف فرمائیے کہ ایک فرد کی خاطر کروڑوں افراد امت کو کافر اور خارج از ایمان ٹھہرانا کیا امت کے حق میں رحمت ہے؟) جب بات موازنۂ رحمت پر پہنچی (کہ آیا اسلامی عقیدۂ ختم نبوت موجب رحمت ہے یا قادیانی عقیدۂ اجرائے نبوت؟) تو اس نکتہ کا خوب وزن کر لینا چاہیے۔

۱۵۳ــــ باقی رہا معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کا پس وہ کوئی امر زائد نہیں (جس پر نئے سرے سے ایمان لانا فرض ہو) بلکہ وہ پہلے ہی سے ایمانیات میں شامل ہے۔ لہٰذا ان کی تشریف آوری سے ایمانیات میں اضافہ نہ ہوا (جبکہ مرزا کے دعویٰ سے ایمان میں ایک نئی نبوت کا اضافہ ہوا، اور

(اس نبی نبوت کے نہ ماننے والے کافر ٹھہرے) اور مقصود بالذات عام ہدایت اور عام انسانوں کی تربیت ہے، رسولوں کی بعثت (اسی غرض کے واسطے ہے، گویا وہ) بالواسطہ مقصود ہے۔ اور معلوم ہے کہ جس وقت مختلف جوانب سے کشاکش اور مصالح کے درمیان تعارض ہو (کہ ایک جانب کی مصلحت کا تقاضا کچھ ہے، اور دوسری جانب کی مصلحت کا تقاضا اس کے برعکس ہے) تو اس وقت ان تمام امور میں سے خوب سے خوب تر اور مناسب سے مناسب ترین کو لیا جاتا ہے۔ (اس اصول تجاذب کے پیش نظر، دیکھنا ہوگا کہ اُمت مرحومہ کے حق میں عقیدۂ ختم نبوت کی برکت سے اوّل سے آخر تک پوری اُمت کا ملتِ واحدہ، دین واحد اور نبی واحد پر متفق و متحد ہونا ارفق و انسب ہے یا غلام احمد قادیانی کی نبوت سے کروڑوں اربوں افرادِ امت کا کافر بن جانا زیادہ بہتر و موزوں ہے۔)

۱۵۴۔۔۔آیاتِ قرآن حکیم کی بناء، کلماتِ تنزیل کا مطمعِ نظر اور ان سب کا محیط فائدہ اور مستقطِ اشارہ یہی ہے کہ قرآن کے بعد ایسی کوئی کتاب، کوئی وحی اور کوئی خطاب موجود نہیں جس پر کہ ایمان لانا باقی اور واجب ہو، جو وحی کہ انبیاء کرام سے مخصوص ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں رکھی بلکہ بطورِ مفہوم مخالف کے، جو دلالت کی ایک قسم ہے، اس کی نفی فرمائی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ [1]

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ [2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ [3]

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ [4]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

---

[1] البقرہ: ۴ [2] النساء: ۱۶۲ [3] النساء: ۱۳۶ [4] الزمر: ۶۵

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ [1]

كَذٰلِكَ يُوْحِىْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [2]

(ان تمام آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی وحی کا ذکر ہے اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے مگر آپؐ کے بعد کی وحی کا کہیں ذکر نہیں، نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا، حالانکہ اگر آپؐ کے بعد بھی وحی نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو اس کا ذکر بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے تھا تاکہ اُمت گمراہ نہ ہوتی)

اور (ختم نبوت پر) استدلال کی یہ نوع (شیخ ابن عربیؒ نے) فتوحات میں ذکر فرمائی ہے، جس پر یہ قادیانی ملاحدہ افترا کرتے ہیں کہ وہ (حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی) بقاء نبوت کے قائل تھے، شیخ نے باب کے سوال ۱۰ کے وصل میں تصریح کی ہے کہ نبوت سے ان کی مراد شرعی اصطلاح نہیں بلکہ معنی لغوی ہے۔

۱۵۵ــــــ پھر معلوم رہے کہ یہ غیر تشریعی نبوت، جو (شیخؒ کی اصطلاح میں) فیوض و کمالات اور ولایت و مبشرات سے عبارت ہے، وہ شیخؒ کے نزدیک نبوت کی کوئی قسم نہیں، بلکہ اس کا ایک جز ہے، اسی طرح تشریعی نبوت بھی (ان کے نزدیک نبوت کا) ایک جز ہے۔ (لہٰذا فرداً فرداً ان میں سے کسی پر نبوت شرعیہ صادق نہیں آتی، کیونکہ) کہ جب تک تمام اجزاء جمع نہ ہوں کُل صادق نہیں آیا کرتا۔ یہ مقسم کلی کی مانند نہیں جو اپنی اقسام پر صادق آتا ہے، جیسا کہ ان ملحدین نے سمجھا ہے اور شیخ نے خود بھی اس کی تصریحات فرمائی ہیں، حاصل یہ کہ شیخ کے نزدیک نبوت کا ایک جز باقی ہے، جو کُل کا مصداق نہیں ہوتا۔ نبوت کی کوئی جزئی یا اس کی کوئی قسم باقی نہیں (جس پر نبوت صادق آتی)

۱۵۶ــــــ آیاتِ (ختم نبوت) کی ایک اور قسم وہ آیات ہیں جن میں اول سے آخر تک اس اُمت کی وحدت کو ملحوظ رکھ کر اسے امتِ واحدہ فرمایا، مثلاً مندرجہ ذیل آیات۔

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ [3]

---

[1] النساء: ۶۰ [2] الشوریٰ: ۳ [3] آل عمران: ۱۱۰

(۲) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ ۱؎

(۳) فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۲؎

۱۵۷۔۔۔۔۔۔اور دلائل ختم نبوت کی ایک اور قسم وہ ہے جو مندرجہ ذیل نوعیت کی آیات میں ہے:

(۱) وما ارسلنا من قبلک من رسول الآیہ (النساء ۲۵)

(۲) وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الآیہ (الحج: ۵۲)

(۳) وما ارسلنا قبلک من المرسلین (الفرقان ۲۰)

(جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل رسول بھیجنے کا ذکر ہے بعد میں نہیں) اور بطور طرد و عکس کے (اس قسم کی آیات بھی دلیل ختم نبوت ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی پیروی کرنے اور اس کے غیر کی پیروی نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ مثلاً) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف: ۳)

۱۵۸۔۔۔۔۔۔اور معلوم ہے کہ اگر آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت مقدر ہوتی اور اس کے انکار پر کفر کا فتویٰ جاری ہوتا تو یقیناً خدا تعالیٰ کی جانب سے مؤکد وصیت ہوتی کہ دیکھو! بعد میں بھی انبیاء آئیں گے، ایسا نہ ہو کہ اس وقت (ان پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہلاک ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ انبیاء گزشتہ کے ذکر سے زیادہ اہم بعد میں آنے والا انبیاء کا تذکرہ تھا، کیونکہ سابقین پر تو اجمالی بھی ایمان کافی ہے۔ خواہ ان کی تعداد کچھ ہی ہو، مگر بعد میں آنے والوں سے تو اس امت کو معاملۃً ایمان درپیش تھا (کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم انبیاء سابقین کا تذکرہ تو بار بار کرتا ہے، لیکن بعد میں آنے والے کسی نبی کی طرف ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ تک نہیں کرتا۔ چلیے یہ بھی نہ سہی) اس سے کم کیا ہوگا کہ (رسولوں پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) "من قبل" کی قید ہی کو حذف کر دیا جاتا (کیونکہ اگر بعد میں بھی رسولوں کی آمد باقی تھی تو ظاہر ہے) کہ یہ

قید بے موقع اور موجب مغالطہ تھی۔

اس نوع کی آیات (جن میں "من قبل" کی قید لگا کر بعد میں آنے والے رسولوں کی نفی کر دی گئی ہے) کافی سے زیادہ ہیں [1] اجمالاً مفتاح کنوز القرآن میں دیکھ لی جائیں کہ ان میں ایک آیت اس مغالطہ کے مقابلہ میں، جو ان ملاحدہ نے آیت فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللّٰهُ الآیہ (النساء: ۶۹) میں تراشا ہے، کافی ہے، اور باقی تعداد اہل حق اور اہل ایمان کے لیے فاضل رہ جاتی ہے، واللہ المستعان۔

۱۵۹ــــ پس ایک طرف اس قدر آیات بینات، جو عقیدہ ختم نبوت پر مبنی اور اس مقصد کی خبر دیتی ہیں اور ناظرین نے جن کی تعداد یک صد تک پہنچا دی ہے، نازل کرنا اور دوسری طرف زمانۂ ما بعد کی جانب کوئی اشارہ و التفات نہ کرنا منشاء خداوندی اور مطمح نظر الٰہی کا پتہ دیتا ہے کہ زمانۂ ما بعد میں کسی قسم کی کوئی نبوت باقی نہیں ہے، زمانۂ ما بعد کی نبوت اور "وحی نبوت" کا قرآن میں (کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا بلکہ وہ یکسر) گم اور ناپید ہے، ورنہ اگر نبوت کی کوئی قسم باقی ہوتی تو ناممکن تھا کہ قرآن نہ صرف اسے چھوڑ جاتا، بلکہ ہر جگہ "من قبل" کی قید لگا کر اس کی نفی کرتا جاتا، کیونکہ) یہ طریق بندوں کی ہدایت و راہنمائی کا طریق نہیں ہے۔ (ترجمہ شعر) "اور میں نے لوگوں کے تمام عیوب میں اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آدمی قدرت کے باوجود ادھوری بات کہے۔"

۱۶۰ــــ اور اسی طرح ذخیرۂ احادیث ہیں جو دو صد احادیث ختم نبوت کے موضوع میں وارد ہیں اور جو (اس قدر مشہور اور متواتر ہیں کہ صدر اسلام سے لے آج تک) برسر منبر علی رؤس الاشہاد تمام لوگوں کو سنائی جاتی رہی ہیں ان میں بھی کسی قسم کی نبوت کے جاری رہنے کی طرف اشارہ نہیں — ان میں بعض احادیث میں تو علی الاطلاق انقطاع نبوت کا اعلان کیا گیا ہے (مثلاً انّ خاتم النبیین، لا نبی بعدی)

---

[1] المعجم المفہرس لالفاظ القرآن میں "من قبلك" والی آیات کی تعداد (۴۲) لکھی ہے۔

[2] اس کے لیے حضرت اقدس مفتی محمد شفیع مہتمم دار العلوم کراچی کا رسالہ "ختم نبوت فی القرآن" قابل دید ہے۔ مترجم

اور بعض علی الخصوص غیر تشریعی نبوت کے انقطاع میں وارد ہیں، مثلاً بخاری و مسلم اور مسندِ احمد وغیرہ کی حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بنو اسرائیل کی سیاست و قیادت انبیاء علیہم السلام کے سپرد تھی، جب ایک نبی کا انتقال ہو جاتا اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ عرض کیا گیا۔ پس آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: جس سے پہلے بیعت ہو جائے پس اس کی بیعت کو پورا کرو، ان کو ان کا حق ادا کردو، (اپنا حق ان سے نہ مانگو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی ماتحت رعیت کے بارے میں ان سے خود ہی بازپرس کرے گا۔" (مشکوٰۃ ص ۳۲۰)

(یہ حدیث دو وجہ سے غیر تشریعی نبوت کے انقطاع کی دلیل ہے، اوّل یہ کہ) یہ انبیاء، بنی اسرائیل، جو بنی اسرائیل کی سیاست، و قیادت کرتے تھے، شریعتِ تورات پر عامل تھے، کوئی دوسری شریعت نہیں رکھتے تھے (گویا غیر تشریعی نبی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اب میرے بعد اس قسم کے انبیاء بھی نہیں ہوں گے، اس سے ہر ادنیٰ فہم کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس حدیث میں غیر تشریعی نبوت کے انقطاع کو بیان فرمایا گیا ہے ـــــــ دوم یہ کہ) اس حدیث میں اُس چیز کو بھی ذکر فرما دیا جو نبوت کے بدل میں باقی رہنے والی تھی، اور وہ ہے خلافت، نہ کہ کسی قسم کی نبوت ـــــــ (اب اگر کسی قسم کی نبوت اس اُمت میں جاری ہوتی تو لامحالہ اس کا ذکر فرماتے) ۱۹۱ ـــــــ اور پہلے گزر چکا ہے کہ نبوت بھی استخلاف ہے، اسی بناء پر عورتوں میں نبوت نہیں رکھی گئی، نبوتِ انبیاءِ کرام کی تکمیلِ ذات کے لیے نہیں ہوتی، کیونکہ یہ تکمیل، نبوت کا ایک جزء ہے جو اس کے تحت مندرج، اور ساری و متعدی ہے، پس جو کمالات کہ بطورِ تسبیب متعدی رکھے گئے ہیں وہ اب بھی متعدی ہیں اور پہلے بھی متعدی تھے۔ بخلاف استخلاف، اختصاص اور تشریف کے، کہ یہ عطیۂ خداوندی پر منحصر ہیں۔ اس

حقیقت کو نفی کرنا دراصل ایجاب بالذات و بالطبع کا عقیدہ ہے، جو دین سماوی کے سراسر مخالف ہے۔

۱۶۲ ـــــــ پس (حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات و نزول سے قطعی مسئلہ ہیں) شبہات اٹھانا، مثلاً مسیح ابن مریم کے اور اس دین کے درمیان بیگانگی اور اجنبیت پیدا کرنا، مسیح ناصری اور مسیح محمدی میں تفریق کرنا، اور یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طویل حیات اور ان کا رفع جسمانی آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی فضیلت کا موجب ہے اور اس کو ہماری غیرت برداشت نہیں کرتی، یہ تمام شبہات شیطان کی تعلیم سے ہیں، جو ان حرماں نصیب لوگوں کے سینوں میں چارزانو بیٹھ کر القا کرتا ہے اور یہ لوگ اس قسم کے شبہات کے ذریعہ احمقوں کو ایمان سے خارج کر دیتے ہیں۔ ورنہ یہ امور نہ موجب فضیلت ہیں، اور نہ خدا تعالےٰ کے ساتھ اس کے اختیارات میں منازعت ہو سکتی ہے۔

(ترجمہ اشعار" بابرکت ہے وہ ذات جس نے جاری کیے تمام امور حکمت کے ساتھ جیسے چاہے۔ نہ ظلم کا ارادہ کیا، نہ کسی کی حق تلفی کا۔ پس نہیں تیرے لیے اس چیز کے سوا جو اللہ تعالےٰ نے چاہی، اب تجھے اختیار ہے خواہ خوش رہ، یا غم سے گھٹ کر مرجا۔"

۱۶۳ ـــــــ پھر سمجھنا چاہیے کہ کسی شخص کی آخریت، و خاتمیت متعدد وجوہ سے ہو سکتی ہے (اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز ایک اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے اور دوسرے اعتبار سے مقدم) مثلاً کسی محل میں لوگ یکے بعد دیگرے جمع ہو رہے ہیں، جو شخص کہ سب سے آخر میں پہنچا وہ آمد کے لحاظ سے آنے والوں میں سب سے آخر ہے اگرچہ باہر جانے میں وہ سب سے اول رہے گا۔ جیسا کہ (حدیث نبوی) نحن الآخرون السابقون میں (اس مضمون کی جانب اشارہ ہوا ہے کہ آنے میں ہم سب سے آخر میں آئے، لیکن فضل و کمال اور دخولِ جنت میں ہم سب سے آگے نکل گئے) اور اسی طرح جو مُہر کہ ملفوف پر لگائی جاتی ہے۔ وہ وضع میں مؤخر ہوتی ہے اور کھولنے میں سب سے مقدم (کہ سب سے پہلے مہر کو توڑا جاتا ہے) اسی مضمون کی جانب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مسند طیالسی (ص ۳۵۴) کی حدیث میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔ (دیکھئے پیراگراف

(۳۹)

۱۶۴۔۔۔۔۔اور حدیث شفاعت (میں آتا ہے کہ تمام انبیاء کرام شفاعت کبریٰ سے گریز فرمائیں گے اور بالآخر یہ منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آ ٹھہرے گا، شفاعت کے اس مفصل واقعہ) سے اور تمام انبیاء کرامؑ کے (شفاعت کبریٰ کے منصب کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کرنے سے (ایک اہم ترین نکتہ) معلوم ہوا (وہ یہ) کہ جو شخصیت کہ منتہائے کمال ہو اس کا باعتبار زمانے کے بھی سب سے مؤخر ہونا سنتِ الٰہیہ میں اس کے منتہائے کمال ہونے کی علامت ہے اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (کی خاتمیت و آخریت) میں یہی امر ملحوظ ہے (یہی وجہ ہے) کہ جتنے جتنے (اہم ترین) واقعات کے ضمن میں آپ ہی کی ذاتِ گرامی پر معاملہ کا توقف ظہور پذیر ہوتا رہا۔ یوں آپؐ کی خاتمیتِ زمانی ایک اور حقیقت کو ادا کرنے کے لیے ایک صورت اور پیرایہ بن گئی اور وہ تھا آپؐ کا کمالات میں انتہاء کے آخری مرتبہ پر فائز ہونا۔ اور یہی صورت لیلۃ الاسراء کی نماز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ظہور پذیر ہوئی (کہ تمام انبیاء کرامؑ (غالباً اپنی بعثت کی ترتیب سے) بیت المقدس میں جمع ہوتے رہے اور سب سے آخر میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف ارزانی ہوئی، اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس محفل میں امامتِ کبریٰ کے لیے جبریل امین نے ہاتھ پکڑ کر آپؐ کو آگے کر دیا جس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ پہلے آنے والے تمام حضرات، سب سے بعد میں آنے والی شخصیت کے منتظر اور چشم براہ تھے، جس طرح کہ تمام حاضرین جلسہ "مہمان خصوصی" کے منتظر ہوا کرتے ہیں۔ دوسرے انبیاء کرام کی امامت کبریٰ "سب سے آخر میں آنے والے" پر موقوف تھی۔ جب تک خاتم الانبیاءؐ کا ورودِ مسعود نہیں ہوا نماز شروع نہ ہو سکی۔ تیسرے جو سب کے بعد آیا تھا وہی سب کے آگے کیا گیا۔ یہ گویا نحن الآخرون السابقون کا عملی ظہور تھا۔ ان تمام وجوہ سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی آخریت و خاتمیتِ زمانی دراصل آپؐ کے علوِ مرتبت اور سیادت و برتری کا ایک حسین ترین مظہر ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۶۵ــــــ پس نبوت کوئی تولیدی محکہ نہیں، جیسا کہ یہ ملحد(قادیانی) باکتساب ذکر خاتم الانبیاء کی مہر سے نبی پیدا ہوا کرتے ہیں) بلکہ یہ منصب نبوت، رب العزت کی جانب سے استخلاف (خلیفہ سازی) اور ولی عہدی (نامزدگی) ہے۔ عقد بیعت اور اخذ بیعت میں خاتم الخلفاء پر مقصد کا اتمام ہوتا ہے اور تولید میں استخلاف ــــ جو عظیم تر منصب اور اعلیٰ شرف ہے ــــ معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ استخلاف میں اہل حل و عقد اور سابقین کی حاضری ہوا کرتی ہے، جبکہ تولید باعتبار مؤخر کے ہوتی ہے۔ اور استخلاف کا حق یہ ہے کہ خلیفہ نامزد کرنے والا یہ کہے کہ "میں نے فلاں شخص کو ان پر خلیفہ مقرر کر دیا"۔ اور یہی امر استخلاف، آیت کریمہ: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ (آل عمران: ۸۱) میں ظاہر ہوا۔ جو سلسلۂ نبوت کو بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل کی جانب منتقل کرنے میں کام آیا۔

۱۶۶ــــــ اور (آیت کریمہ: واذ اخذ اللہ میثاق النبیین میں جس نبی کیلئے عہد لینے کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ "النبیین" سے انبیاء بنی اسرائیل مراد ہیں اور آنے والے نبی کو ان سب کا "مصدق" فرمایا گیا، اور جیسا کہ آیت میں فرمایا گیا) وہ مُصَدِّق باہر سے آیا نہ کہ ان کے درمیان سے (اور ظاہر ہے کہ ایسا رسول صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو بنو اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے باہر سے یعنی بنو اسمٰعیل سے ہیں) اور یہی تورات کی تصریح ہے کہ:

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | "نابی | مقربخ | متخیخ | کاموخ | یاقیم |
| ترجمہ: | ایک نبی | تیرے قرب سے | تیرے بھائیوں سے | تیری مانند | قائم کرے گا |
| | لخ | الوھخ | الاو | تشماعون" | |
| | تیرے لیے | تیرا خدا | اس کی طرف | تم سنو گے۔ | |

اور اسکندرانی، جو علمائے یہود میں سے تھے بعد ازاں مشرف باسلام ہوئے، انہوں نے بشارات کتب مقدسہ میں بنی یشماعیل کا لفظ نقل کیا ہے جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی صاف تصریح ہے۔

اور اگرچہ (مصدق کا لفظ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کے حق میں) بھی آیا ہے، چنانچہ (وہ) فرماتے: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ (آل عمران: ۵۰) لیکن زیر بحث آیت میں "آنے والے رسول" کا مصداق نہیں ہو سکتے، کیونکہ اول تو وہ خود اسرائیل میں، نہ کہ باہر سے آنے والے۔ دوسرے، حق تعالیٰ اس آیت میں) تمام نبیوں کو ایک طرف رکھ کر اس "آنے والے رسول" کو لاتے ہیں، اور اسے کسی مخصوص کتاب کا نہیں بلکہ تمام ما معھم کا مُصدّق قرار دیتے ہیں اور یہ وصف صرف خاتم الانبیاء پر صادق آتا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ (آیت: ۸۹) میں فرمایا: وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ۔ (ترجمہ: "اور جب آئی ان کے پاس ایسی کتاب اللہ کی جانب سے جو تصدیق کرنے والی ہے ان تمام کتابوں کی جو ان کے پاس ہیں۔" اور اسی سورہ کی آیت: ۱۰۱ میں ارشاد ہے:) وَلَمَّآ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (ترجمہ: "اور جب آیا ان کے پاس وہ رسول، اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرنے والا ہے ان تمام کتابوں کی جو ان کے پاس (پہلے سے نازل شدہ) ہیں۔" اور یہ عنوان (مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ) دعوت میں زیادہ مؤثر ہے بہ نسبت (سورہ بقرہ کی آیت ۹۷ میں اختیار کردہ عنوان) فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کے۔ کیونکہ مؤخر الذکر آیت میں کتاب کا حال مذکور ہے، ان لوگوں سے اسے زیادہ تعلق نہیں، اسی طرح کا عنوان سورۂ انعام (آیت: ۹۲) میں اختیار فرمایا، تاہم یہ عنوان بھی بلفظِ عام ہے۔ اور سورۂ بقرہ (آیت: ۴۱) میں ہے:- وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ (اور آیت: ۹۱ میں ہے) وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ۔ اور سورۂ نساء (آیت: ۴۷) میں ہے: اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ یہ تمام آیتیں "ما مع" کے عنوان سے ہیں اور سورۂ مائدہ (آیت: ۴۸) میں ہے: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ۔ یہاں "الکتاب" سے عام کتبِ سابقہ مراد ہیں۔ اور (اس کے برعکس) عیسیٰ السّلام کے حق میں سورۂ مائدہ (آیت: ۴۶)

سورہ صف (آیت : ۶) اور سورۃ آلِ عمران (آیت : ۵۰) میں (مصدق کا لفظ) من التوراۃ کی قید کے ساتھ آیا ہے نہ کہ من الکتاب کی قید کے ساتھ۔ (خلاصہ یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام تورات کے مصدق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام کتبِ سابقہ کے مُصدق ہیں، اس لیے آیتِ "میثاق النبیین" میں جس رسولِ مصدق کا ذکر ہے اس سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں) پھر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء سابقین کے لیے مصدق ہونا کسی جگہ تو) 'مامع' کے عنوان (سے ذکر فرمایا) اور (کہیں) ما بین یدیہ من الکتاب کے عنوان (سے۔ اور جیسا کہ ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ ان دونوں عنوانوں) کے درمیان بھی (ایک دقیق و لطیف) فرق ہے، جسے ملحوظ رکھا گیا ہے ــــــ محل میں جمع ہونے والوں کی مذکورہ بالا مثال میں، جب کوئی شخص اندر بیٹھ کر کسی ضرورت کے لیے باہر نکل آتے اور رفعِ ضرورت کے بعد پھر واپس آجاتے پس اگر دوبارہ آنے کی حرکات کا شمار کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ آخری آمد، اس شخص کی آمد ہے، مگر چونکہ یہ آمد مقاصد میں لائقِ اعتبار نہیں، اس لیے محافل و مجالس میں پہلی آمد ہی کا اعتبار کرتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ سب سے آخر میں فلاں شخص آیا تھا، اس شخص کو (جو مجلس سے اُٹھ کر کسی ضرورت کے لیے باہر گیا تھا اور پھر واپس آگیا) آخر میں آنے والا نہیں کہتے ہیں۔ اور جب یوں کہیں کہ فلاں 'خاتم النبیین' ہے تو یہ باعتبار پیدائش اور بعدیتِ اشخاص کے ہے، جیسا کہ اس کا اجمالی بیان پہلے گذر چکا ہے اور اس میں شک اندازی کرنا بدیہیات میں تشکیک ہے جو لائقِ التفات نہیں اور جب بات اشخاص پر پہنچی۔ اور ان کا تعدد ہر ایک کی شکل و صورت اور چہرہ مہرہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ استقلال و اتباع ایسے ذہنی و معنوی امور کے اعتبار سے، جو تمایزِ وجوہ میں لغو ہے۔ تو یقیناً کسی نئے شخص کا آنا آیتِ خاتم النبیین کے منافی ہے، کیونکہ وہ ایک الگ شخص

ہے اور چہرہ مہرہ اور قالب الگ رکھتا ہے، اور اسی تغایر اشخاص کے اعتبار آیت ختم نبوت آئی ہے، اور اس مراد میں تحریف کرنا زندقہ و الحاد ہے۔ البتہ پہلوں میں سے کسی شخص کا جس سے مراد حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام ہیں، دوبارہ لانا آیت خاتم النبیین کے منافی نہیں کیونکہ کسی نئے شخص کو تو نہیں لایا گیا۔ بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے) ایک شخص کا دوبارہ لانا ہوا، کیونکہ یہ تو وہی پہلا شخص ہے اور اس کا دوبارہ لانا ختم نبوت کے منافی نہیں ــــ بلکہ یہ) اس امر کی علامت ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ انبیاء کا کوئی نیا فرد باقی نہیں رہا، اس لیے تکرار و اعادہ کی ضرورت لاحق ہوتی۔ خاتم کی خاتمیت اس امر کو مقتضی نہیں کہ پہلے کے سب لوگ مر کر فنا ہو گئے، جیسا کہ آخر المہاجرین اور آخر الاولاد کا لفظ پہلوں کی فنا کو مستلزم نہیں۔

۱۶۸ ـــــ پس ان امور میں شک اندازی کرنا دراصل بدیہی امور میں شک اندازی ہے۔ اس طرح کے شبہات ڈال کر شیطان رجیم احمقوں اور بے ایمانوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ الاصابہ میں لکھا ہے کہ: "لا نبی بعدی" کی نفی کو اس معنی پر محمول کرنا واجب ہے کہ آئندہ کسی شخص کے حق میں نبوت جدیدہ کا انشاء نہیں ہوگا، اس سے کسی ایسے نبی کے موجود ہونے کی نفی نہیں ہوتی جو آپؐ سے قبل منصب نبوت سے سرفراز کیا جا چکا ہو۔[1] واللہ یختص برحمتہ من یشاء

۱۶۹ ـــــ بعد ازیں معلوم رہے کہ علماء کلام کو "فضیلت" کی تفسیر میں بحث ہے۔ اکثر علماء اس کو کثرت ثواب کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور شاید ابن حزمؒ نے کچھ اور ہی سمجھا کہ انھوں نے یہ مسئلہ نقل کر کے کہ "ازواج مطہرات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت کے ایک ہی مکان میں ہوں گی"۔ اس پر ایک ایسی تفریع بٹھاتی ہے جسے جمہور علماء تسلیم نہیں کرتے۔ دراصل مکان و منزل میں اشتراک اور چیز ہے، اور منزلت و مکانت میں اشتراک امر دیگر ہے۔ چونکہ یہ حقیقت فی نفسہا موجود بھی ہے اور مقصود بھی ہے ـــ اس لیے اس کو لغو قرار دینا اور اس کے لفظ کو اس کی نوعیت سے خالی

---

[1] الاصابہ: ابن حجر ص ۴۲۵ - ج ۱ - ترجمہ خضر علیہ السلام

کر دینا یقیناً تحریف ہے۔

اسی طرح صراط الذین انعمت علیہم (میں جس انعام کا ذکر ہے وہ) ایک مستقل حقیقت ہے، جو حصولِ نبوت کو نہیں چاہتی (ورنہ اگر یہ انعام حصولِ نبوت کو مستلزم ہو تو دو باتوں میں سے ایک لازم آئے گی، یا یہ کہ انبیاءؑ کے سوا کوئی شخص منعَم علیہ نہیں، یہ نصِ قرآن سے باطل ہے یا یہ کہ جس قدر منعَم علیہ ہوتے وہ سب نبی تھے، اور یہ بھی بالبدا ہت باطل ہے) اور اس کو اپنے موضوع سے نکالنا (اور اس سے حصولِ نبوت پر استدلال کرنا) ایک موجود اور اٹل حقیقت کو مٹانا ہے۔ ظاہر ہے کہ بلا دلیل ایسا کرنا الحاد کی ایک قسم ہے۔

اسی طرح رفع و نزول کے الفاظ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن و حدیث میں وارد ہیں، (وہ) صنعتِ طباق کی بناء پر مکشوف المراد ہیں (یہی وجہ ہے کہ تمام کی تمام اُمت اسلامیہ نے قرآن کریم کے لفظ ورافعك الیّ اور بل رفعه اللہ الیہ سے رفعِ جسمانی سمجھا ہے، اور رفع کے مقابلہ میں احادیثِ متواتر میں نزول، رجوع اور ہبوط کے الفاظ وارد ہیں، بیشتر لفظ نزول استعمال ہوا ہے، جس کے معنی تمام اُمت نے آسمان سے اُترنے کے سمجھے ہیں اور رفع و نزول کے مفہوم میں اُمت کے کسی ایک لائق اعتبار فرد کو بھی اختلاف نہیں ہوا، ایسے قطعی المراد اور واضح المعنیٰ الفاظ کو) ان کے موضوع اور ان کی نوعیت سے خالی کرنا (اور یہ کہنا کہ رفع سے مراد رفع درجات ہے اور نزول سے مسیح علیہ السلام کے کسی مثیل کا پیدا ہونا مراد ہے، یہ خدا و رسول کے منشاء کی عین ضد اور اجماعِ اُمت کے قطعی مخالف ہے، جو بدترین) الحاد ہے۔

۱۷۰ــــــ اگر بادشاہ کی دعوت کریں تو حشم و خدم اور نوکر چاکر بھی (خدمت کے لیے) اسی منزل و مکان میں رہیں گے۔ لیکن عزت و وجاہت اور منزلت و مکانت میں وہ شریک نہیں، پس ضیافت اور رہائش گاہ میں شریک ہونا بھی ایک حقیقت ہے، جو (بادشاہ کے طفیل دوسروں تک بھی) ساری و متعدی ہے۔ لیکن وجاہت

و منزلت میں شرکت نہیں، نہ یہ ساری و متعدی ہے۔

اور معیت کے بھی بے شمار مراتب ہیں، آیت کریمہ فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم[1] میں جس معیت کا ذکر ہے اس سے یہی معیتِ متعدیہ مراد ہے، اور وہ بھی مراتب کثیرہ رکھتی ہوگی۔ وجاہت مختصہ میں معیت مراد نہیں۔ اور کسی کو کسی کے ساتھ رکھنا اور اس کے متعلقین میں سے شمار کرنا ایک وسیع و عریض میدان رکھتا ہے، وہ اختصاصات خاصہ کیا تو بھی جمع ہو سکتا ہے پس جیسا کہ مثال مذکور میں بادشاہ کا امتیاز خشم و خدم کی معیت کے باوجود محفوظ ہے اسی طرح فیوضِ نبوّت کے حال کو، جو متعدی ہیں، اور اصلِ نبوّت کو جو متعدی نہیں، سمجھ لینا چاہیے۔

تولیدِ نبوّت (بایں معنی کہ ایک نبی اپنے فیضانِ نبوّت سے دوسرے کو نبی بنا دے) سابقین میں بھی نہیں تھی، بلکہ حق تعالیٰ کی جانب سے متعدد انبیاء کرام کو مبعوث کیا جاتا تھا، کبھی وہ زمانے پر منقسم ہوتے تھے، کبھی اقوام پر، اور کبھی ایک ہی زمانہ اور ایک ہی قوم میں الگ الگ) وظائف و اعمال کے اعتبار سے (الگ الگ نبی بھیجتے تھے۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ امر مقدر نہ تھا۔ بلکہ تمام کمالات، تمام مکارم اخلاق اور تمام محاسن افعال ایک ذاتِ گرامی میں جمع کرکے کارِ نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔ پس جو چیز پہلوں میں متعدی تھی وہ اب بھی متعدی ہے۔ (یعنی نبوت کے فیوض و برکات) اور نفسِ نبوّت نہ اس وقت متعدی تھی اور نہ اب متعدی ہے۔

۱۷۔۔۔۔ اور آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم (واتممت علیکم نعمتی الآیۃ[2] میں جس اتمام نعمت کا ذکر ہے اس) نعمت کا اتمام حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی برکت سے پوری مجموعہ اُمّت کی جانب منسوب ہو سکتا ہے، نہ کہ ہر ہر فرد کی جانب۔ اس نکتہ کو بھی یاد رکھو۔

---

[1] "پس یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔" (النساء: ۶۹)

[2] "آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین، اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت۔" (المائدہ: ۳)

اور اسی آیت کریمہ سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اقتباس کرتے ہوئے کہا تھا:

"میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، قرآن کے امام و پیشوا ہونے پر، اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر بصدق دل راضی ہوا"

(ترجمہ شعر) آپ سے پہلے بہت سے انبیاء آئے اور آپ اگرچہ آخر میں تشریف لائے مگر سب کے پیشوا آپ ہی ہیں۔

## قادیانی دین و مذہب کے بارے میں چند سوالات اور ان بددینوں کی دعوت و ملت کی مکاریوں کا بیان

۱، ۲ــــــ سوال ۱: تمہارا دین کیا ہے؟ سوال ۲: اور وہ تم لوگوں کو کس طریقے سے پہنچا: تواتر سے یا کسی اور طریق سے؟

سوال ۳: ایمان و کفر کی تعریف کیا ہے۔ سوال ۴: اور اس کی دفعات بطور معیار کون کون سی ہیں؟

سوال ۵: مرزا کا دعویٰ ہے کہ: "خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہیں ہوگا" (حقیقۃ الوحی ص ۳۹۱) سوال یہ ہے کہ: قادیانی وحی، جو بقدر بیس جزو کے (قرآن کریم سے) زائد ہے اس کا اضافہ کیا حکم رکھتا ہے؟ (کیا وہ بھی قرآن کی طرح قطعی ہے؟ کیا اس پر ایمان لانا بھی قرآن کی طرح فرض ہے؟ کیا اس سے بھی احکام شرعیہ ثابت ہو سکتے ہیں؟ کیا اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے؟ کیا اس کو بھی قطعی طور پر کلام اللہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا نماز میں اس کی بھی تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے کسی ایک لفظ یا فقرے کا منکر بھی کافر ہے یا نہیں؟)

سوال ۶: جب مرزا ہندوؤں کے وید کی بھی تصدیق کرتا (اور اس کے کلام الٰہی

ہونے کا قطعی عقیدہ رکھتا) ہے؟ تو قرآن پر اس کا کیا احسان ہوا اور اس کے ساتھ مرزا کو کیا خصوصیت ہوئی؟ سوال ۷۔ ایک طرف تو مرزا محمدی ہونے کا دعویدار ہے اور دوسری طرف ہندوؤں کے مذہبی راہنماؤں کا اوتار کہلاتا ہے، سوال یہ ہے کہ محمدی ہونے کے باوجود، کرشن وغیرہ (ہندو راہنماؤں) کا بروز ہونا کیونکر ممکن ہے؟

سوال ۸۔ مرزا نے حاشیہ تریاق القلوب میں 'بروز' کو 'جنم' کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اندریں صورت مرزا کے 'بروز' اور ہندوؤں کے 'آواگون' کے درمیان کیا فرق ہے؟ علاوہ ازیں مرزا نے بروز کے معنی 'اوتار' بھی ذکر کیے ہیں، دیکھئے عشرۂ کاملہ ص ۴۶ اور کاویہ ص ۳۹

۱۷۳ــــــ سوال ۹۔ تمہارے نزدیک تواتر (کی تعریف، اس) کا اور اس کے منکر کا کیا حکم ہے؟ سوال ۱۰۔ اور قرآن کریم کا تواتر کس نوعیت کا ہے؟ سوال ۱۱۔ تمہارے نزدیک وہ کون سا ضابطہ ہے جس سے (کسی آیت یا حدیث کی) قطعی مراد ثابت ہو سکے؟ سوال ۱۲۔ تمہارے نزدیک دین محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) یا نصوص میں سے کوئی چیز ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے قطعی بھی ہے یا نہیں؟

۱۷۴ــــــ سوال ۱۳۔ کیا مرزا کو جھوٹ بولنے کی عادت بھی تھی یا نہیں؟ اور اپنے مراقی ہونے کا اقرار بھی کیا یا نہیں؟ (اور یہ بھی فرمایئے کہ جو شخص جھوٹا اور مراقی ہو کیا وہ

---

ا؎ مرزا کا قول ہے کہ "ہندوستان میں ایک نبی گذرا ہے جس کا نام کاہن تھا" دیکھئے سوانح مرزا ص ۳۱، تتمہ چشمۂ معرفت ص ۱۰، فتح قادیان ص ۲۶ اور حقیقۃ الوحی ص ۲۰۹۔ اور اس سے قریب قریب تر مزدورہ الہام ص ۲۱ میں۔

نیز مرزا قادیانی لکھتا ہے:

"ہم وید کو بھی خدا کی طرف سے مانتے ہیں، خدا کی تعلیم کے موافق ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ وید انسانوں کا افترا نہیں۔ ہم خدا سے ڈر کر وید کو خدا کا کلام جانتے ہیں"۔ مرزا قادیانی کی آخری تصنیف "پیغام صلح" ص ۲۳، جو اپنی ہلاکت سے ایک دن پہلے لکھی۔ بحوالہ علم کلام مرزا ص ۹۸ اور تاریخ مرزا ص ۹۲۔ منہ

دل، مجدد اور مسیح ہو سکتا ہے؟) **سوال ۱۴** اور مرزا فحش کلامی بھی کیا کرتا تھا یا نہیں؟[1]
**سوال ۱۵** اور مرزا کو قرآن کریم بھی حفظ تھا یا نہیں؟ (اگر نہیں تھا تو بعثت ثانی میں کیوں بھول گیا؟) **سوال ۱۶** اور (مسیح ابن مریم کی علامات میں لکھا ہے کہ وہ حج کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ) مرزا نے حج بھی کیا یا نہیں؟ (اگر جواب نفی میں ہے تو وہ مسیح صادق ہوا یا مسیح کاذب؟) **سوال ۱۷** اور (اگر مرزا کے حج نہ کر سکنے کا یہ عذر پیش کیا جائے کہ مکہ و مدینہ کے لوگ مرزا کو کافر اور زندیق سمجھتے تھے اور اس کے قتل کے درپے تھے۔ چونکہ مرزا کو اپنی جان کا خطرہ تھا اس لیے فریضۂ حج ادا نہیں کر سکا تو اس عذر نامعقول کو پیش کرنے سے پہلے اس بات پر غور کر لیا جائے کہ) کیا مرزا نے یہ الہام بھی شائع کر رکھا تھا یا نہیں کہ "اللہ تعالےٰ تجھ کو (مرزا کو) لوگوں سے محفوظ رکھے گا"؟ (مرزا کا یہ نام نہاد الہام شائع شدہ ہے، اس کے باوجود حج کو کیوں ترک کیا؟ کیا مرزا کا یہ الہام غلط تھا؟ یا اسے قرآن و حدیث کی طرح اپنے الہام پر بھی ایمان نہیں تھا؟

علاوہ ازیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام حج و عمرہ کریں گے۔ ادھر مرزا کو حج و عمرہ کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوا، تو کیا مرزا کو 'مسیح بن مریم' ماننے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی غلط نہیں ہو جاتی؟ اور کیا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم نہیں آتی؟)

۱۷۵ ــــــ **سوال ۱۸** اور کیا مرزا نے یہ الہام بھی شائع کیا کہ (اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ) "میں رسول (یعنی مرزا) کے ساتھ ہوں، جواب دیتا ہوں، غلطی بھی کرتا ہوں اور درست بھی"؟ اور اس الہام کی جو احمقانہ طویل مرزا نے کی ہے اسے اشد العذاب (ص ۶۸) میں ملاحظہ فرمایئے اور اس کا اصل ماخذ اظہار الحق کے چھٹے باب سے ذرا پہلے دیکھئے۔
**سوال ۱۹** اور مرزا نے خدا کا بیٹا ہونے کا الہام بھی شائع کیا یا نہیں؟ مثلاً انت مني بمنزلة ولدي انت مني بمنزلة اولادي۔ یعنی خدا مرزا سے کہتا ہے کہ اے مرزا تو مجھ سے ایسا ہے جیسے میرا بیٹا۔ اور تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری اولاد

---

[1] مرزا کی فحش کلامی کے نمونے دیکھنے ہوں تو رسالہ "مغلظات مرزا" ملاحظہ فرمایئے۔ مترجم

(دیکھئے تذکرہ طبع دوم صفحات ۲۱۳ - ۳۰۴ - ۴۳۶) جبکہ مرزا کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس کے تمام دعوے حقیقت واقعیہ پر مبنی ہیں، نری شاعری نہیں۔

۱۷۶ا ــــــ سوال ۲۰ اور مرزا نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں ؟ [1]

سوال ۲۱ اور اسی طرح شریعت کا دعویٰ بھی کیا ہے یا نہیں ؟ (دیکھئے اشدالعذاب ص۳۷)

سوال ۲۲ اور (اپنے دعویٰ کے انکار پر) مرزا نے تمام اُمّت حاضرہ کو کافر ٹھہرایا ہے یا نہیں ؟ سوال ۲۳ اور انبیاء کرامؑ کی توہین بھی کی ہے یا نہیں ؟ سوال ۲۴ اور حضرت عیسیٰ (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام) پر اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے اور سینے کی آگ بجھانے کے لیے جو توہین آمیز تحقیقی و تعریضی فقرے چست کرتا ہے اُن میں اگرچہ بعض جگہ دوسروں کا حوالہ دیتا ہے (کہ مثلاً یہودی یوں کہتے ہیں . عیسائیوں کی کتابوں میں یوں لکھا ہے) لیکن در حقیقت خود اپنے ہی سینے کا زہر اُگلتا ہے چنانچہ جس بات کو ایک جگہ کسی کے حوالے سے نقل کرتا ہے اسی بات کو دوسری جگہ اپنی تحقیق کے طور پر پیش کرتا ہے (اور حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ایسے توہین آمیز کفریہ کلمات بکتا ہے جن سے انبیاء کرام کی نبوت اور خدا تعالیٰ کی خدائی باطل ہو جاتی ہے مثلاً) اخبار بدر (قادیان) مورخہ ۹ مئی ۱۹۰۸ء مرزا قادیانی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ:

"فرمایا ایک دفعہ حضرت مسیح زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دنیا میں ہوگئے - دوبارہ آکر وہ کیا بنائیں گے ؟ کہ لوگ ان کے آنے کے خواہش مند ہیں۔" (بحوالہ مرقع قادیانی ص۱۲)

مرزا کا یہ فقرہ اول تو خدا تعالےٰ پر اعتراض ہے (کہ نعوذ باللہ اس نے غلطی سے ایک ایسے شخص کو نبی بنا کر بھیج دیا جس کے آنے سے بجائے ہدایت پھیلنے کے دنیا کروڑوں مشرکوں سے بھر گئی - اب آئندہ خدا کو ایسی غلطی نہیں چاہیے کہ دوبارہ اسی شخص کو پھر دنیا میں بھیج دے ۔ استغفر اللہ) دوسرے ، یہ فقرہ دلالت

---

[1] کوئی انسان ذرا بے حیا نہ ہو تو اس کے لیے اس سے چارہ نہیں کہ میرے دعویٰ کو اسی طرح مان لے جیسا کہ اس نے آنحضرتؐ کی نبوت کو مانا۔" تجلیات مرزا ص۱۴ منہ

۲۳

کرتا ہے کہ نبوت کے معنیٰ مرزا کے نزدیک صرف قوم کا مصلح اور مدبر ہونا ہے، اور بس۔ (پس جن انبیاء کرام کی آمد سے ان کی قوموں کی اصلاح نہ ہوئی یا ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی قومیں بگڑ گئیں وہ مرزا کے نزدیک نبی نہ ہوں گے اور ان کی تشریف آوری عبث ٹھہرے گی) اور مرزا کی یہ فقرہ بازی تو دوسروں کے حق میں ہے اور خود اپنے بارے میں ایسی تعلی آمیز لافیں ہانکتا ہے جن سے ابلیس بھی شرمندہ رہ جاتے اور اخبار بدر مورخہ ۷ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱ میں مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"یحییٰ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حرام تھی مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی"

اور مرزا نے از روئے انجیل بھی شراب کو حرام قرار دیا ہے، اس کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کو شراب نوشی کا مرتکب قرار دیتا ہے۔ دیکھئے "مرزائیت کی تردید" ص ۹۵۔ اور ص ۱۰۳ میں مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہو گیا تھا" (ست بچن صفحہ ۱۷۱ کا حاشیہ)

۱۷۷ـــــــ سوال ۲۵ اور مرزا جیش پارے وحی کا قرآن کریم پر اضافہ کرتا ہے اور ان تمام ارشادات نبویہ کو، جو اس کی وحی کے موافق نہ ہوں، معاذ اللہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق سمجھتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر لائق اعتبار ہے جو اس کی وحی کے ذریعہ کی جائے (اس کے خلاف خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تفسیر ہو، یا صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کی، یا تمام ائمہ مفسرین کی، یہ سب غلط ہیں) سوال یہ ہے کہ مرزا کی ان لن ترانیوں کے بعد اسلام کی کوئی حقیقت واقعیہ باقی رہ جاتی ہے یا اس کی بیخ و بنیاد یکسر اکھڑ جاتی ہے؟

۱۷۸ـــــــ سوال ۲۶ ایک شخص قرآن و حدیث کے الفاظ کا سرے سے انکار کر دیتا ہے اور دوسرا شخص گو الفاظ کا انکار نہیں کرتا، مگر مرزا غلام احمد کی طرح) ان کے قطعی اور متواتر معنیٰ کا انکار کرتا ہے اور قرآن و حدیث کو اپنے خود ساختہ معنی پہنا کر ان کا مفہوم مسخ کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق

رہا ؟ اور نتیجہ کے لحاظ سے کیا تفاوت نکلا ؟ (چکڑالوی فرقہ بھی متواترات دین کا انکار کر کے قرآن کی من مانی تشریح کرتا ہے ، اور ٹھیک یہی تکنیک مرزا اور مرزائیوں کی ہے ، آخر) تمہارے درمیان اور اہل قرآن (چکڑالویوں) کے درمیان کیا فرق ہے ؟ اور اسماعیلی فرقہ اور دیگر ملاحدۂ باطنیہ کے (اور مرزا کے) درمیان اصل اصول میں آخر کیا فرق ہے ؟ کہ یہ سب لوگ بھی باطنی اور حلولی ہوئے ہیں (اور مرزا بھی۔ اب اگر ان باطنیہ کی تاویلیں کفر و زندقہ ہیں تو مرزا ان سے کس بات میں کم ہے ؟)

سوال ۱۲۷ جب مرزا نے قرآن کریم سے بیس پارے زائد وحی قادیان میں اتار لی ، اپنی وحی کے خلاف ارشادات نبویہ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا (اور قرآن کریم کی وہ تفسیریں جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں لکھی گئیں وہ سب غلط ٹھہریں کیونکہ وہ قادیانی وحی کی روشنی میں نہیں لکھی گئیں) اور تمام اُمت کو کافر و مشرک قرار دے ڈالا تو اس کے بعد اب مرزائیوں کی کون سی چیز اہل اسلام کے ساتھ مشترک رہ گئی ؟

۱۲۹ـــــسوال ۱۲۸ کیا مرزا کسی ایسی حرکت کا ، جس کو عرف عام میں بے ایمانی (دغا بازی اور مکاری) کہا جاتا ہے ، ارتکاب بھی کیا کرتا تھا یا نہیں ؟ مثلاً :

الف : محمدی بیگم (سے آسمانی نکاح) کی پیش گوئی کو تقدیر مبرم ٹھہرایا (اور بار بار اعلان کیا کہ یہ پیش گوئی اس کے صدق و کذب کا معیار ہے ، اگر یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی تو دُنیا گواہ رہے کہ وہ جھوٹا ہے) لیکن جب (آسمانی نکاح کی پیش گوئی کا) یہ سارا طومار دروغ بے فروغ نکلا (اور محمدی بیگم تو کجا ؟ اس کا سایہ دیکھنا بھی مرزا کو ساری عمر نصیب نہ ہوا) تو کیسی کیسی بے ایمانیاں دکیں اور کیسی کیسی رکیک تاویلیں تراشیں۔

ب : اسی طرح پادری آتھم کی (موت سے متعلق) پیش گوئی میں (مرزا نے دروغ بافی ، اور عیاری و مکاری کا مظاہرہ کیا کہ پندرہ دن تک مرزا آتھم سے مباحثاتی کُشتی لڑتا رہا ، جب دیکھا کہ میدان اس کے حریف کے ہاتھ میں ہے تو لے سے الہامی

حربے سے چت کرنا چاہا، اور اعلان کر دیا کہ اس کا حریف پندرہ مہینے کے اندر اندر بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اگر اس مدت میں نہ مرے تو مرزا کا منہ کالا کیا جائے گا، اس کے گلے میں رسہ ڈالا جائے گا، اور لوگ جس قدر چاہیں اس کے سر پر جوتے لگائیں، جو چاہیں سزا دیں۔ مگر آتھم نے مرزا کو الہام میں بھی شکست دے ڈالی اور مقررہ میعاد کے اندر مرنے سے انکار کر دیا۔ کوئی با حمیت ہوتا تو اس ذلت آمیز شکست پر ڈوب مرتا، یا کم از کم اتنی اخلاقی جرأت تو دکھاتا کہ اپنے حریف کے سامنے اپنی ناکامی کا اعتراف ہی کر لیتا۔ لیکن مرزا نے اپنی تجویز کردہ سزا سے بچنے کے لیے کیا کیا حیلہ سازیاں نہ کیں)

ج : اور اپنے قصیدۂ اعجازیہ کے جواب کا وقت مقرر کرنے میں مرزا نے بمقابلہ مولوی ثناء اللہ صاحبؒ کے کیسی کیسی بے ایمانیاں کیں؟

د : اور پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (کو مرزا نے مقابلۂ تفسیر نویسی کی خود دعوت دی، اور جب وہ مرزا کی شرائط کے موافق لاہور آ گئے تو مرزا کو ان) کے (سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی، اور جب) مقابلۂ تفسیر نویسی (سے گریز اختیار کرنے کا الزام عائد ہوا تو اس) کے جواب میں (مرزا نے کس قدر سخن سازیوں سے کام لیا؟) [1]

ہ : اور مرزا کے مخالفوں کو معمولی چھینک بھی آئی تو اس کو بھی مرزا نے اپنے معجزات کی فہرست میں ٹانک لیا۔

و : اور حضرت مسیح علیہ السلام کی زلزلہ اور طاعون کی پیش گوئیوں کو لغو اور مہمل قرار دیا، اور اپنے حق میں انہی کو معجزہ شمار کیا۔

ز : جب احادیث کی کوئی من مانی تحریف سمجھ میں نہ آئی تو انہیں ضعیف اور موضوع کہہ کر رد کر دیا اور جب کوئی تحریف سوجھ گئی تو انہی احادیث کو

---

[1] ان امور کی تفصیل کے لیے رسالہ "الہامات مرزا" مؤلفہ مولانا ثناء اللہ صاحب اور "رئیس قادیان" مؤلفہ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری کا مطالعہ فرمائیے۔ مترجم

مسخ کر کے استدلال میں پیش کر دیا۔

ح : دوسروں کے (دعوئی نبوت کو) رد کرنے کے لیے قاعدے تراشنا اور محض ہوائے نفس کی خاطر اپنی ذات کو ان قاعدوں سے مستثنیٰ اور مخصوص کر کے اپنی ذات کے لیے ان کی ضد اور نقیض ثابت کرنا۔ جیسا کہ آخر حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ میں کیا ہے۔ گویا عقل و نقل اور آدمیت و اخلاق کے سارے قوانین و اصول صرف دوسروں کے واسطے ہیں (خود اس کی ذات پر لاگو نہیں ہوتے) کیونکہ وہ سلطانی اختیارات رکھتا ہے، اور 'سائبہ' اور 'حام' ہے۔ دوسروں کے لیے فلسفہ بگھارنا اور علّتیں نکالنا۔ اور اپنے حق میں اختصاص و اصطفاء کی لافیں ہانکنا۔

ط : اور جب یہ بات تسلیم کرانا مقصود تھی کہ مثیل مسیح کی آمد کا دروازہ کھلا ہے اس وقت ہزار مثیلِ مسیح کا آنا بھی اس کے نزدیک جائز تھا۔ لیکن جب مطلب نکل آیا تو صرف ایک مخصوص شخص۔ یعنی خود بدولت مرزا۔ مثیل مسیح نکلا، اور پھر دروازہ بند ہوگیا۔ گویا یہی ایک بلّی تھی جو تھیلے سے باہر نکل آئی۔

۸۰ا ـــــ اجرائے نبوّت کے لیے قادیانی یہ مغالطہ پیش کیا کرتے ہیں کہ جس طرح شہنشاہِ اعظم کے ماتحت بہت سے بادشاہ ہوا کرتے ہیں، اور یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت انبیاء کا اس امت میں آنا آپ کی عزّت و قدر کو دوبالا کرتا ہے، مگر اس شہنشاہی اور شاہی کی مغالطہ آمیز مثال میں کھلا ہوا مغالطہ ہے اس لیے کہ اوّل تو نبوت کو بادشاہت پر قیاس کرنا ہی بالبداہت غلط اور مقام نبوت سے ناآشنائی کی دلیل ہے، دوسرے، بادشاہ کے ماتحت اس کے نائبوں کا ہونا اس کی عظمت کی دلیل نہیں بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس کا منشاء بادشاہ کا عجز و درماندگی اور کوتاہ دستی ہے، چنانچہ نائب کا تقرر اگر شہنشاہ کے بعد کے لیے ہے تو اس کا سبب یہی تو ہے کہ وہ خود (چونکہ موجود نہیں رہا (اس لیے بذاتِ خود کارِ سلطنت انجام دینے سے عاجز ہے) اور کار سلطنت کو

(چونکہ) جاری رکھنا ہے اسے ختم نہیں کرتا (اس لیے لا محالہ کسی نائب کی ضرورت لاحق ہوتی) اور اگر نائب کا تقرر خود شہنشاہ کے عہد میں ہوا ہے۔ پس اگر کاروبار سلطنت میں مدد لینے کے لیے ہے تو اس کے دستِ نارسا کے سبب ہے (کہ وہ بذاتِ خود یہ سارے کام انجام دینے سے قاصر ہے) اور اگر وہ سلطنت کو (مثلاً گورنروں یا شہزادوں پر) تقسیم کر دیتا ہے۔ تب بھی یہ اس کے دستِ نارسا کا نتیجہ ٹھہرا (الغرض بادشاہ کے ماتحتوں کا سلطنت میں دخیل ہونا اس کی عزت و توقیر کی نہیں بلکہ عجز و تقصیر کی علامت ہے) اور (اس تقریر سے معلوم ہوا ہوگا کہ) خاتمیت کو شہنشاہیت پر قیاس کرنا (اوّل تو) قیاس مع الفارق (ہے، پھر اس) کے (ساتھ) ساتھ یہ نہایت رکیک (سطحی اور بودا) قیاس ہے۔ (ایسی اٹکل پچو قیاس آرائی جھوٹے نبی کے "دانشمند" حواریوں ہی کا حصہ ہے، لطف یہ کہ) کسی زمانے میں یہ مُلّا (قادیانی) کہا کرتا تھا:۔

"اگر آپؐ کے بعد بھی اُمّت کے خلیفوں اور خلفاء پر نبی کا لفظ بولا جانے لگتا، جیسا کہ موسیٰ کے بعد کے لوگوں پر بولا جاتا رہا، تو اس میں آپؐ کی ختم نبوت کی ہتک تھی۔"

اخبار الحکم قادیان ۱۷ اپریل ۱۹۰۳ء ص ۹ کالم ۳۔ بحوالہ فتح مبین، مفتی عبداللہ لدھیانوی جس میں اس مضمون کے دیگر حوالے بھی قادیانی کتابوں سے نقل کیے ہیں

(مندرجہ بالا عبارت میں مرزا نے اعتراف کیا ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی شخص پر نبی کا لفظ بولا جانا آپؐ کی ختم نبوت کی ہتک کا موجب ہے، لیکن جب شیطان نے اسے دعوائے نبوت کی پٹی پڑھائی تو) اس کے بعد (خوفِ خدا اور مخلوق سے حیا کو بالائے طاق رکھ کر) اس کے برعکس کا نظریہ ایجاد کر لیا (کہ آپؐ کے بعد سلسلۂ نُبوّت کے جاری رہنے میں آپؐ کی عزت اور اس کے بند ہونے میں آپ کی توہین ہے۔ اور) اس (تناقض) کے ساتھ (مزید طرّہ یہ کہ) دورۂ محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے تیرہ سو سالہ طویل

عرصہ) میں (مرزا نے) اپنے نفسِ کافر کے سوا اب تک کسی (صحابی تابعی، غوث، ولی، قطب، مجدد) کو منصب نبوت میں جگہ نہیں دی۔ (گویا اب ساری مرزائی منطق کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرزا کو نبی مانو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت باقی رہتی ہے۔ ورنہ نعوذ باللہ آپ کی عزت کیا۔ نبوت بھی باطل ہو جاتی ہے۔)

۱۸۱۔ــــ اور (اول تو نبوت کو شہنشاہیت پر قیاس کرنا ہی غلط ہے جیسا کہ ابھی گذرا، دوسرے) یہ قطعی واضح اور بیّن بات ہے کہ شہنشاہی اور شاہی کے سلسلہ میں بھی (جس پر قادیانیوں نے نبوت کو قیاس کیا ہے) بادشاہ اپنی بارگاہ کے خصوصی امتیازات اور خصائص کسی دوسرے کے لیے تجویز نہیں کیا کرتا، بلکہ اگر کوئی شخص ان میں بادشاہ کی نقالی کرے تو اسے (بجرمِ بغاوت) سزا دیا کرتا ہے۔ اور یہاں خود نبوت خصائص میں سے ہے۔ پس اسی (نکتہ) میں تو کلام ہے (کہ مرزا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ کبریٰ کی۔ جو آپ کی اعلیٰ ترین خصوصیت ہے۔ نقالی کرتے ہوئے نبوت کا دعویٰ کر ڈالا، اب انصاف سے کہو کہ کیا وہ بجرمِ بغاوت دنیا میں کفر وارتداد کا مرتکب اور آخرت میں فی النار والسقر کی سزا کا مستحق نہیں ہے) اور (یہ بھی بتاؤ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور خصائص شرعاً وعقلاً غیر متعدی ہیں تو وہ مرزا کی طرف متعدی کیسے ہو گئے) ان اختصاصات کے غیر متعدی اور لازم ہونے میں (اور پھر مرزا کی طرف ان کے منتقل ہو جانے میں تو صریح تناقض اور قلبِ موضوع ہے۔ آخر اس عقدہ کے) حل کی کیا صورت ہے؟ (اور اگر کہو کہ ہم نبوت کو غیر متعدی تسلیم نہیں کرتے۔ تو اول تو یہ بداہتِ شرعی و عقلی کا انکار ہے، دوسرے اس کے باوجود بھی اشکال رفع نہیں ہوتا) کیونکہ (اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نبوت کے) بعض خصائص و امتیازات (ایسے) ہیں (جو نبی کی ذات سے مختص ہوتے ہیں، ورنہ اگر کسی غیر نبی میں وہ خصائص پائے جائیں تو پھر نبی اور غیر نبی کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہتا، اور یہ شرعاً وعقلاً محال ہے) اور اگر وہ خصائص متعین ہیں (مثلاً نبوت، وحی، عصمت

وغیرہ تب توظاہر ہے کہ کسی دوسرے میں ان کے پائے جانے کا اعتقاد باطل ہوگا) اور اگر متعین نہ بھی ہوں تب بھی ان کا اعتقاد تو ہے (کہ نبی کی بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جو غیر نبی میں نہیں پائی جا سکتیں) تو پھر انہی غیر متعین خصائص کے متعدی ہونے (یا نہ ہونے) میں کلام ہوگا۔ وعلیٰ ھذا القیاس (جس چیز کے بارے میں بھی تم دعویٰ کروگے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دوسرے کو بھی منتقل ہو سکتی ہے، اس کے بارے میں ہمارا یہی جواب ہوگا کہ پھر یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہ رہی، کوئی اور چیز پیش کرو۔ تھک ہار کر تمہیں تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ نبوتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتی۔ اور جب یہ تسلیم ہو لیا تو خود بخود یہ بھی مان لیا کہ مرزا قادیانی کا دعوائے نبوت بالاستفادہ سراسر دروغِ بے فروغ اور نبوتِ محمدی سے بغاوت ہے۔ وھو المراد)

پھر (یہ بھی فرمائیے کہ) یہ خصائصِ نبوی چونکہ عقلاً و شرعاً موجود ہیں، جیسا کہ مقدمۂ زاد المعاد میں ان کا کچھ حصہ قلم بند کیا گیا ہے، اور رسول اللہ اور نبی اللہ کی اضافت، بیت اللہ کی اضافت کی طرح (تشریف و تخصیص کے لیے) ہے۔ پس کیا ان خصائص کو نصوص اور منقولات سے تلاش کرنا چاہیے یا اپنی خواہشات اور قیاس آرائیوں سے تراشنا مناسب ہوگا؟ اور اس سلسلہ میں رجم بالغیب اور اندھیرے میں تیر تکے لگانا موزون ہوگا، یا مالک الملک اور صاحب اختیار کا فرمودہ سر آنکھوں پر رکھنا واجب ہوگا؟ (اگر اس سلسلہ میں عقل نارسا کے تیر تکے کافی نہیں بلکہ خدا و رسولؐ کے ارشادات کی ضرورت ہے تو مرزائیوں کو کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں وختم بی النبیون (اور ختم کیے گئے میرے ساتھ نبی) کو اپنے خصائص میں بیان فرمایا ہے، نبی تو آپؐ کی آمد کے ساتھ ختم ہوگئے، اب بتائیے کہ مرزا قادیانی کون ہوا؟ نبوتؐ کی جھوٹی نقالیؐ کرنے والا دجّال و کذّاب ہوا یا نہیں؟)

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۸۲۔۔۔۔۔۔ موضوعاتِ کبیر کے آخر میں حدیث: لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا[1] کے ذیل میں ملا علی قاری کی یہ عبارت کہ "تشریعی نبوت کا انقطاع مراد ہے" قادیانی ملاحدہ اسے اپنے کفر و الحاد کی سند میں پیش کیا کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ معلوم رہے کہ صوفیہ ہر (شرعی) نبوت کو تشریعی قرار دیتے ہیں۔ گویا نبوتِ تشریعیہ سے مراد ہے شرعی نبوت، اور غیر تشریعی نبوت سے مراد ہے غیر شرعی نبوت۔ یہ تعبیر عوام کے لیے زیادہ قابلِ فہم ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہؒ نے اصل حکم کو باقی رکھ کر اس کے اوصاف کو منسوخ کرنا "انبیاء سابقین کا وظیفہ قرار دیا ہے، مثلاً: مطلق کو مقید کرنا، عام میں تخصیص کر دینا، مجمل کی توضیح و تشریح کرنا، اور جزئیات کی تشریع کرنا۔ اگر ملا علی قاریؒ نے اسی (صوفیانہ) اصطلاح پر اپنی تقریر کی بنیاد رکھی ہو تو (مستبعد نہیں، کیونکہ ان پر حضرات صوفیاء اور ان کی اصطلاحات کا گہرا نقش ہے۔ اگرچہ) یہ ایک ایسا امر ہے جو اصطلاحِ مشہور کے خلاف ہے (تاہم ملا علی قاری کا کلام قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہیں، کیونکہ نبوت غیر تشریعیہ سے مراد احکامِ شرعیہ کی خبر اور اطلاع دینا نہیں بلکہ اسرار و معارف سے روشناس کرانا اور ان کی اطلاع دینا ہے۔

۱۸۳۔۔۔۔۔۔ اور یہی منشا، مدعائے شیخ (عبدالقادر) جیلانی (قدس سرہ) کے اس قول کا کہ: "اے انبیاء کی جماعت! تمہیں نام دیا گیا ہے اور ہمیں لقب۔" مطلب یہ کہ "نام" تو بغیر لحاظ کسی وصف کے ہوتا ہے، اور قیود سے معرا ہوا کرتا ہے"

---

[1] "اگر میرا بیٹا ابراہیم رض زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا۔" ابن ماجہ ص ۱۰۸

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ مرزا صاحب "ظلی نبوت" کے مدعی تھے، اور ظلی کے معنی "جھوٹی" مرزا صاحب نے ازالۂ اوہام میں بیان فرماتے ہیں، یوں بھی ظل عکس اور نقل کو کہتے ہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کی تفسیر کے مطابق "ظلی نبوت" کے معنی ہوتے "نبوت کی جھوٹی نقالی" (مترجم)

بخلاف لقب کے کہ وہ عارضی اور بلحاظ کسی وصف کے طاری ہوتا ہے۔ گویا اطلاق اور تقیید کے لحاظ کے علاوہ وہ القاب زائل بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ امیر المؤمنین خلیفہ کا لقب ہے، مگر اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ خلیفہ ہو۔ خلافت سے معزول ہو جائے تو امیر المؤمنین کا لقب بھی زائل ہو جائے گا۔ چنانچہ خلفائے عباسیہ کو، ان کے معزول ہونے کے بعد کسی نے امیر المومنین نہیں کہا۔ پس انبیاء علیہم السّلام کو اسم لازم، وہبی اور مطلق دیا گیا ہے اور اولیاء کو عارضی، مقید اور کسبی لقب ملا ہے جو کہ زائل بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح شیخ کا یہ قول کہ: "ہمیں وہ چیز دی گئی ہے جو تم کو نہیں دی گئی" یعنی ہمیں وہ چیز دی گئی ہے جو انبیاء کے منصب سے فروتر تھی، نہ کہ اس سے اعلیٰ وارفع۔ یا محض مغایر مراد ہے (یعنی نبوت اور اس کا میدان، ولایت سے بالکل الگ تھلگ ہے) اسی طرح ان کا قول کہ "ہم نے ایک ایسے سمندر میں غوطے لگائے ہیں کہ انبیاء علیہم السّلام اس کے (اگلے) ساحل پر بھی نہیں ٹھہرے" (اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دریائے ولایت انبیاء کرام کے لیے پایاب ہے، ان کا مقام اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ اسی کے ساحل پر ٹھہر جائیں)

۱۸۴ــــــ صوفیاء کرام نے نبوت بمعنی خبر دادن کو منقسم بنا کر شعبۂ خبر دہی ولایت کو بھی اس کے تحت درج کر دیا ہے اور اس کا سبب شاید اس حدیث کی مانند ہے کہ: "نہیں باقی رہا نبوت میں سے کچھ بھی سوائے بشارات کے۔"[۱] جبکہ استثناء غیر منقطع لیا جائے، یا اس حدیث کی مانند ہے کہ: "رویاء صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔"[۲] یا جیسا کہ آیت یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا میں تقریر کی گئی ہے کہ مراد بارگاہِ رحمانیت ہے[ع]

---

ع شیخ ابن عربی نے نبوت لغویہ بمعنی خبر دادن کی تصریح فتوحات کے باب ۷۳، سوال ۱۹ میں فرمائی ہے، نیز فصوص الحکم میں فص عزیری میں دیکھنا چاہیے۔ منہ۔

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۹۴ [۲] مرقم ۸۵

۱۸۵ ـــــــ متبادر یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ کی مراد یہ ہوگی ختم زمانی کو دو چیزیں لازم ہیں، ایک یہ کہ آپؐ کے بعد کسی قسم کی نئی نبوت وجود میں نہیں آئے گی۔ دوم یہ کہ اگر انبیاءِ سابقین میں سے کوئی فرد واپس آتا تو اس کی حیثیت وہی ہوتی جو کسی نبی کی دوسرے نبی کے ملک میں ہوتی ہے اور وہ اس شریعت کا تبع ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔[۱] کیونکہ ان کی اتباع کا موجب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ دورہ، دورۂ محمدی ہے اور یہ امر بھی مفروض و مقدر ہے نہ کہ محقق اور واقع۔ جیسا کہ مُلّا علی قاری نے 'مرقاۃ' میں باب فضائل علیؓ میں اس کی تقریر تام فرمائی ہے۔ پس ایک جزء مراد کو انھوں نے 'موضوعات' میں ذکر کیا ہے اور دوسرے جزء کو 'مرقاۃ' 'شرح شفاء' اور 'شرح فقہ اکبر' میں۔

۱۸۶ ـــــــ موضوعات میں ان کا کلام اس مفروضہ کی صورت بیان کرنے میں ہے کہ فرض کیجئے اگر حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) زندہ رہتے تو کس طرح کے نبی ہوتے (رہا یہ کہ وہ زندہ کیوں نہیں رہے تو) ان کی زندگی سے جو چیز مانع ہوئی اس کو انھوں نے (یہاں) ذکر نہیں فرمایا (البتہ ما قبل کی عبارت میں وہ اس کو بھی ذکر فرما چکے ہیں، جیسا کہ آگے تشریح میں ان کی تصریح نقل کی گئی ہے) اور وہ مانع حضرت ابراہیمؓ کے حق میں یہی ہے کہ نبوت منقطع ہو چکی جس کی طرف آیت کریمہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ابوت کے بجائے نبوت ہے۔ گویا مشیتِ الٰہیہ نے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابوت کے بجائے دائمی نبوت کو رکھا ہے، اور چونکہ آپؐ کے بعد نبوت مقدر نہ تھی اس لیے ابوت بھی مقدر نہ ہوئی (اور اسی لیے صاحبزادگان گرامی بقید حیات نہ رہے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ نے یہی سمجھا ہے (جیسا کہ ان کا قول) صحیح بخاری کتاب الادب میں (منقول ہے)

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۰

تشریح:۔ اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ گرامی حضرت ابراہیمؓ کی زیارت کی ہے، فرمایا: مات صغیراً، ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیٌ عاش ابنہ، ولکن لا نبیّ بعدہٗ۔ یعنی "وہ صغر سنی ہی میں خدا کو پیارے ہو گئے تھے۔ اور اگر تقدیر خداوندی کا فیصلہ یہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپؐ کے صاحبزادہ گرامی حیات رہتے، مگر آپؐ کے بعد نبی ہی نہیں (اس لیے صاحبزادے بھی زندہ نہ رہے)۔"

(صحیح بخاری باب من سمی باسماء الانبیاء۔ صفحہ ۹۱۴ جلد ۲)

اور یہی حضرت "ملا علی قاری" نے لکھا ہے، چنانچہ وہ موضوعات کبیر میں ابن ماجہ کی حدیث: "لو عاش ابراھیم" الخ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"الا انّ فی سندہٖ ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان الواسطی، وھو ضعیف لکن لہٗ طرق ثلثۃ یقوی بعضھا بعضًا، ویشیر الیہ قولہٗ تعالٰی: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"۔ فانہ یومی بانّہٗ لم یعش لہ ولدٌ یصل الی مبلغ الرجال، فانّ ولدہٗ من صلبہٖ یقتضی ان یکون لبّ قلبہ، کما یقال: "الولد سرّ لابیہ"۔ ولو عاش و بلغ اربعین، وصار نبیًّا لزم ان لا یکون نبیّنا خاتم النّبیّین۔"

(موضوعات کبیر حرف "ل" ص ۵۹ مطبوعہ مجتبائی قدیم)

ترجمہ:۔ "اس حدیث کی سند کا ایک راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی ضعیف ہے۔ تاہم اس کے تین طرق ہیں، جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں اور ارشاد خداوندی: "وخاتم النبیین" الخ بھی اسی جانب مشیر ہے، چنانچہ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آپؐ کا کوئی صاحبزادہ زندہ نہیں رہا جو بالغ مردوں کی عمر کو پہنچتا۔ کیونکہ آپؐ کا بیٹا، آپؐ کی صلب مبارک سے تھا، اور یہ امر اس کو مقتضی تھا کہ وہ آپؐ کا ثمرۂ دل (یعنی آپؐ کے محاسن و کمالات کا جامع) ہوتا۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے

"بیٹا باپ پر ہوتا ہے" اب اگر وہ زندہ رہتا اور چالیس کے سن کو پہونچ کر نبی بن جاتا تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ خاتم النّبیّین نہ ہوں۔"

مُلّا علی قاری رحؒ کی تصریح بالا سے واضح ہو جاتا ہے کہ :-

الف :- آیت خاتم النبیین میں ختم نبوت کے اعلان کی بنیاد نفی ابوّت پر رکھ کر اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ آپؐ کے بعد ہمیں کسی کو نبوت عطا کرنا ہوتی تو ہم آپؐ کے فرزندانِ گرامی کو زندہ رکھتے۔ اور انہیں یہ منصب عالی عطا فرماتے، مگر چونکہ آپؐ پر سلسلۂ نبوت ختم تھا۔ اس لیے نہ آپؐ کی اولادِ نرینہ زندہ رہی، نہ آپؐ کسی بالغ مرد کے باپ کہلائے۔

ب :- ٹھیک یہی مضمون حدیث : لوعاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً کا ہے، یعنی آپؐ کے بعد اگر کسی قسم کی نبوت کی گنجائش ہوتی تو اس کے لیے صاحبزادہ گرامی کو زندہ رکھا جاتا، اور وہی نبی ہوتے۔ گویا حدیث نے بتایا ابراہیمؓ اس لیے نبی نہ ہوئے کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ ہی بند تھا۔ یہ نہ ہوتا تو وہؓ زندہ بھی رہتے اور "صدیق نبی" بھی بنتے۔

ج : مُلّا علی قاریؒ برملا تصریح کرتے ہیں کہ "اگر صاحبزادہ گرامی سیدنا ابراہیمؓ زندہ رہ کر نبی بن جاتے تو اُس سے آپؐ کا خاتم النّبیّین نہ ہونا لازم آتا" حالانکہ علی قاریؒ ہی یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ "اگر وہ نبی ہوتے تو غیر تشریعی نبی ہوتے"۔ کیا مُلّا علی قاریؒ کا صاف مطلب یہ نہیں کہ غیر تشریعی نبی کی آمد سے بھی خاتمیت محمدیہ ________ باطل ہو جاتی ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص۔ بقائمی عقل و خرد۔ یہ کہہ سکتا ہے کہ مُلّا علی قاریؒ کے نزدیک غیر تشریعی نبوت کا دروازہ آپؐ کے بعد کھلا ہے؟

کتنی عجیب بات ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے "لخت قلب" کے غیر تشریعی نبی ہو جانے سے تو مُلّا علی قاریؒ کے بقول آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خاتمیت باطل ہو جاتی ہے، لیکن ایک قادیانی مغل بچہ کے۔ نعوذ باللہ۔ محمد رسول اللہ اور خاتم النّبیّین بن بیٹھنے سے خاتمیت کی مہر نہیں ٹوٹتی۔ قادیانیوں کے ظلم وستم بدعقلی و بدفہمی،

ضلال وگمراہی اور الحاد و تحریف کی کوئی حد ہے؟

۱۸۷ـــــ گویا حضرت ملّا علی قاریؒ اس امر کی تقریر کے در پے ہیں کہ اگر بالفرض حضرت ابراہیمؓ زندہ رہ کر نبی ہوتے تو کس طرح کے نبی ہوتے؟ یہ نہیں کہ انہوں نے آپؐ کے بعد نبوت غیر تشریعیہ کے وجود میں آنے کو جائز قرار دیا ہے (نہیں بلکہ) اس دلیل کے ساتھ انھوں نے نبوت تشریعیہ کے انقطاع کو ثابت کیا ہے اور دوسرے دلائل کے ساتھ نبوت غیر تشریعیہ کے منقطع ہو جانے اور اس کے وجود میں نہ آسکنے کو ثابت کیا ہے۔

۱۸۸ـــــ اور مخفی نہیں کہ حدیث نے اس مفروضہ میں زمانۂ ماضی کا ذکر کیا ہے مستقبل کا نہیں، حالانکہ مستقبل کی نفی ازبس ضروری تھی، اس کی وجہ یہی ہے کہ شریعت کی نظر میں زمانۂ مستقبل میں نبوت باقی نہیں ہے۔ پس ختم نبوت سے جو بات لازم ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی گذشتہ نبی دورۂ محمدی میں آئے تو صاحب شریعت نہ ہوگا۔ اور مستقبل میں کسی نئے نبی کی محض آمد بھی ممکن نہیں۔ حاصل یہ کہ بغیر تشریع کے نبوت کا باقی رہنا انبیاء گذشتہ کے حق میں ہے۔ اور مستقبل کے حق میں محض ایک مفروضہ ہے۔

۱۸۹ـــــ اور صاحب مجمع البحارؒ کہتے ہیں کہ اس عنوان میں مطمح نظر اور نقطۂ نگاہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے (کہ وہ قرب قیامت میں جب آسمان نازل ہوں گے اور چالیس سال تک دنیا میں تشریف فرما رہیں گے تو وہ اپنی شریعت نافذ نہیں کریں گے، بلکہ شریعت محمدی کی پیروی کریں گے) اور روح المعانی میں اس حدیث کی سند میں ابن ابی شیبہ واسطی کو ذکر کیا ہے، جو بالاتفاق ضعیف ہے، جیسا کہ فتح القدیر باب تراویح میں نقل کیا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ حدیث نہیں اور خیال ہوتا ہے کہ شاید (یہ) کسی صحابی (کا قول ہے جو انہوں) نے آیت کریمہ وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا سے اقتباس کیا ہے اور بس۔ پس جس شخص

لہ تذکرۃ الموضوعات ص ۳۱ ج ۲۲ کہ اور یاد کر کتاب میں ابراہیمؑ کو، بیشک وہ تھا سچا نبی۔ (مریم: ۴۱)

نے اس کی تصحیح کی ہے اس نے غلطی کی ہے۔

۱۹۰۔۔۔۔۔ ملا علی قاریؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ (اس حدیث میں) نبوت تشریعیہ کا انقطاع مراد ہے، اور نبوت غیر تشریعیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں، بعد از نزول، حالت بقاء ہے، ذکر نئی نبوت کا وجود میں آنا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں متقدر و مفروض ہے اور حضرت ابراہیم (صاحبزادہؓ) کے حق میں بھی مفروض ہے لیکن ان دونوں کے حق میں مانع جُدا جُدا ہے۔ ملا علی قاریؒ کا یہ مطلب نہیں کہ غیر تشریعی نبوت علی الاطلاق باقی ہے۔ نہیں! بلکہ یہ عہدہ اور منصب ہی بند ہو چکا ہے۔ یہ صورت نہیں کہ عہدہ تو باقی ہے، مگر کوئی شخص اس عہدہ سے سرفراز نہیں ہو گا، جیسا کہ انقطاع اجتہاد کی صورت ہے۔ (کہ اجتہاد مطلق کا دروازہ بند نہیں، لیکن قرنِ رابع کے بعد لوگوں میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں رہی۔ اس کے برعکس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ میں نبوت کی صلاحیت موجود تھی، مگر چونکہ بابِ نبوت مسدود ہو چکا تھا اس لیے ان کی حیات متقدر نہ ہوئی۔ ورنہ نبوت کا دروازہ اگر کھلا ہوتا تو وہ لازماً زندہ رہتے اور اگر زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے)

حاصل یہ کہ انہوں نے معین اشخاص کو مستثنیٰ کرنے کے بجائے ایک عنوان مقرر کر دیا، تاکہ محض استثناء غیر موجّہ نہ ہو جاتے (بلکہ اس کے عنوان کے تحت مندرج ہونے کی وجہ سے مدلّل اور موجّہ ہو جائے) اور یہ عنوان ان کی نیت میں تین اشخاص میں منحصر ہے، ایک محقق (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ کہ وہ بعد از نزول نبی ہوں گے، مگر متبع شریعت محمدیہ ہوں گے) اور دو متقدر و مفروض (ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ وہ بالفرض زندہ ہوتے تو متبع شریعت محمدیہ ہوتے، اور دوسرے حضرت صاحبزادہ ابراہیمؓ کہ اگر وہ بالفرض زندہ رہ کر نبی ہوتے تو متبع شریعت محمدیہ ہوتے۔ پس ان دونوں صاحبوں کے حق میں متبع شریعت محمدیہ نبی ہونا محض مفروض و متقدر ہے، محکی اور واقع نہیں) اور پھر دونوں کے حق میں ناممکن ہونے کی وجہ بھی الگ الگ ہے (موسیٰ علیہ السلام کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور

تک زندہ نہ رہنا اور صاحبزادہ رضؓ کے حق میں ختمِ نبوّت کی وجہ سے زندگی مقدر نہ ہونا)

پھر ملّا علی قاریؒ نے نبوت تشریع کو انقطاع کے زیرِ عنوان رکھا اور نبوت غیر تشریعیہ کو فرض کے زیرِ عنوان۔ تاکہ حدیث: لو عاش ابراھیم کے مقدم و تالی کے درمیان جو ملازمہ ہے اس) استلزام کی صورت بیان کر سکیں۔ گویا انھوں نے (تعبیر کے لحاظ سے) انقطاع میں دو مرتبے پیدا کر دیے ہیں (کہ ایک کو "انقطاع" کے ساتھ تعبیر کیا اور دوسرے کو "فرض و تقدیر" کے ساتھ) اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے امکانِ عقلی میں مرتبے متعین کیے ہیں، کیونکہ لفظ منضبط نہیں اور موہم ہے، بلکہ انھوں نے ایک قسم پر انقطاع کا اطلاق کیا ہے اور دوسری قسم پر فرض و تقدیر کا۔ کیونکہ یہ مفروض ان کے نزدیک واقع شدہ ہے پس انھوں نے یہ چاہا کہ انقطاع کے دونوں مرتبوں کو ایک ہی عنوان کے تحت شامل کر دیں۔

اور جیسا کہ نبوت کے وہبی ہونے اور اس کے مصاحب ریا جنس و کسب ہونے (کے حدود) کا ضبط دشوار ہے اور نبوت فی الواقع وہبی ہے۔ لیکن بے استحقاق نہیں، اور نہ ارادۂ اتفاقی کا کرشمہ ہے، اسی طرح امکانِ عقلی کے مراتب کا ضبط دشوار ہے (ملّا علی قاری کے کلام کی یہ توجیہ تو اصطلاح مشہور کے مطابق ہے) اور اگر وہ صوفیا کرام کی اصطلاح پر گئے ہوں تو (جیسا کہ پہلے گزرا) یہ بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ مرقاۃ میں التحیات کی بحث میں انھوں نے صوفیا کی تحقیق نقل کی ہے اور اکثر یہ عنوان انہی سے سرزد ہو کر علمائے ظاہر تک پہنچا ہے اور چونکہ یہ روایت فی الواقع ثابت نہیں اس لیے درست اور صحیح یہی ہے کہ اس کی تفسیر انقطاعِ نبوّت علی الاطلاق کے ساتھ کی جائے کہ آپ کے بعد نئی نبوت کا وجود نہیں ہوگا۔

۱۹۱ ـــــ اور معلوم رہے کہ یہاں دو مضمون ہیں، ایک یہ کہ یہ عُہدہ منقطع ہو چکا، دوم یہ کہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلّم اشخاص انبیاء کے خاتم ہیں، یہ دونوں مضمون نصوص میں وارد ہوئے ہیں۔ انقطاعِ عُہدہ کا مضمون مثلاً حضرت عائشہؓ

کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نبوت جاتی رہی اور مبشرات باقی رہ گئے" جو جامع ترمذیؒ وغیرہ میں مروی ہے۔ اور یہ مضمون کسی بھی شخص کے بعہدۂ نبوت آنے کے منافی ہے، خواہ کوئی نیا نبی ہو، یا پرانا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت نزول (بلاشبہ نبی ہوں گے، نبوت ان سے سلب نہیں کرلی جائے گی، مگر چونکہ ان کی نبوّت کا دَور ختم ہوچکا اس لیے) نبوت کے اختیارات نہیں رکھتے ہوں گے (جیسا کہ کوئی بادشاہ دوسرے ملک میں جائے تو ہر چند کہ وہ سلطنت سے معزول نہیں مگر اس ملک میں اس کے شاہی اختیارات نافذ نہیں ہوتے)

رہا ختم اشخاص کا مضمون، پس وہ کسی سابق نبی کی آمد کے منافی نہیں اور لفظ خاتم النّبیین سے یہی متبادر ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ ارشاد کہ: "آپؐ کو خاتم النّبیین کہو، مگر یہ نہ کہو کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں"[۲] اسی حقیقت پر مبنی ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ملحد ختم نبوت کی آڑ لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی نفی پر استدلال نہ کرے۔

۱۹۲ـــــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد نبوت کی تجدید نہیں، بلکہ وہی ذات ہے جو پہلے تھی اور وہی صفتِ نبوت ہے جو انہیں پہلے سے حاصل تھی۔ البتہ ان کے آسمان سے نازل ہونے کی حرکت نئی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی نبی اپنی عمر کے دوران کسی کام کے لیے کسی ملک میں جاتے آتے (رہا یہ شبہہ کہ اگر وہ بعد از نزول نبی ہوں گے تو ان کا صاحب شریعت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ان کی شریعت کا دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک محدود تھا اس لیے بلا شبہہ وہ صاحب شریعت ہیں، مگر اپنے دَور میں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزولِ آسمانی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے منافی

---

[۱] ترمذی ص ۵۱ ج ۲۔ ابواب الرؤیا
[۲] دُرِّ منثور ص ۲۰۴ ج ۵۔

نہیں) بلکہ ان کی آمد (ختم نبوت کی مستقل دلیل ہے کیونکہ یہ) اس امر کی علامت ہے کہ انبیاء کرام کا سلسلہ (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ختم ہو چکا ہے، اس لیے دجال، جس نے "مسیح" کا منصب اختیار کر رکھا تھا، اس کو قتل کرنے کے لیے مسیح ہدایت کو لایا گیا، جن کی آمد ایک شیئ کا بعینہٖ اعادہ وتکرار ہے، نہ کہ از سرنو کسی شیئ کا وجود پذیر ہونا۔

اس ملحد نے کسی کتاب کے حاشیہ میں منتخب کنزالعمال (ص۹۵) باب نزول عیسٰی و خروج یاجوج و ماجوج از قسم افعال سے اُرِیْتُ ابْنَ مَرْیَم کا لفظ نقل کر کے اسے رؤیا پر محمول کیا ہے، حالانکہ یہ حضرت نواس بن سمعان رضؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں مروی ہے اس میں کوئی مغالطہ نہیں، اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا قصہ بصیغۂ استقبال بیان فرمایا ہے جو اس کے رؤیا ہونے کے منافی ہے اور اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے

۱۹۳۔۔۔۔۔نیز ملا علی قاریؒ کا یہ قول: "یہ حدیث ارشاد خداوندی: خاتم النبیین کے خلاف نہیں، کیوں کہ معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا کہ آپؐ کے دین کو منسوخ کر دے، اور آپؐ کی اُمت سے نہ ہو۔" اغلب یہ ہے کہ اپنے قول "کیوں کہ معنی یہ ہیں" الخ سے وہ حدیث کے معنی بیان کر رہے ہیں، نہ کہ آیت کے۔ کیونکہ انھوں نے ماقبل میں حدیث پر ہی کلام کیا ہے، اور اسی سے یہ معنی اخذ کیے ہیں۔ آیت اسی معنی پر ہے جو اُمت نے اس سے سمجھا ہے۔ البتہ حدیث کے معنی خفی تھے جو انھوں نے ذکر دیے۔ آیت کریمہ نے مفروض صورتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، البتہ حدیث نے اس فرضی صورت سے آگاہ کیا، پس وہی بیانِ معنی کی محتاج تھی۔ یا ان کا مقصد مرادِ مقام کو بیان کرنا ہے اور یہ عنوان بھی عام نہیں، بلکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری کے پیش نظر ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم۔

۱۹۴۔۔۔۔۔سوال ۲۹ اور جب مرزا کرشن کا بروز ہے، اور وید کو خدا کا کلام

سمجھتا ہے تو اسے ہندو کتنا سزاوار ہے یا نہیں ؟ اسے محمدی کیوں کہا جاتے۔ ہندو کیوں نہ کہا جائے ؟ اور اس کے الہام کے مطابق اس کو جے سنگھ بہادر رودر گوپال" اور "برہمن اوتار" کیوں نہ کہیں ؟ دیکھیے کا دیہ صفحہ ۲۲۹۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵۔

۱۹۵۔ــــ سوال ۳۰ اور اگر پچاس کروڑ قوم ایک ٹولے کو کافر اور خارج از اسلام قرار دیتی ہو، اور یہ ٹولہ بھی اقل قلیل ہونے کے باوجود تمام جماہیر اُمت کو کافر کہتا ہو تو کیا یہ دونوں ایک قوم ہیں (مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مرزائیوں کے دونوں گروہوں کی مجموعی تعداد ان کے اخبار سے ۵۵ ہزار نقل کی ہے)

۱۹۶ــــ سوال ۳۱ (مرزا اپنی نبوت کے زمانے میں بارہ برس حیات عیسیٰ کا قائل رہا، اور بعد میں اسے شرک عظیم قرار دے دیا، گویا وہ نبی اور صاحب وحی ہونے کے باوجود شرک عظیم میں مبتلا رہا، اب سوال یہ ہے کہ) آیا نبی اپنی نبوت اور وحی کے زمانہ میں مشرک بھی ہو سکتا ہے ؟ اور اگر وحی کے معنیٰ سمجھنے میں وہ اپنی موت کے وقت تک مغالطہ میں رہا تو اس امر کا کیا یقین ہے کہ وہ صاحب وحی ہونے کے دعویٰ میں حق پر تھا ؟ (مرزا کے بہت سے "الہامات" ایسے ہیں جن کی تشریح اس نے ایک وقت میں کچھ کی، اور پھر ایک مدت کے بعد کوئی واقعہ رونما ہو تو کہہ دیا کہ بس میرے الہام کا یہی مطلب تھا، پھر کوئی اور واقعہ پیش آیا تو کہا کہ پہلے مجھ سے "الہام" کی تشریح میں اجتہادی غلطی ہوتی ہے دراصل الہام کا منشا یہ نہ تھا۔ اور بعض الہام تو ایسے ہیں کہ مرتے دم تک ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا، سوال یہ ہے کہ جس شخص کی الہامی تشریح قابل اعتماد نہیں، اس کے الہام پر کیا وثوق ہو سکتا ہے ؟ اور اس امر کی کیا دلیل ہے کہ ادعائے وحی میں اسے ٹھوکر نہیں لگی ؟)

۱۹۷ــــ سوال ۳۲ مرزا نے اپنے ادعائے نبوت کی مدت خود کیا بیان کی ؟ اور اپنے جس ناخلف کے حق میں "فخر رسل" ہونے کا الہام ذکر کیا (یعنی مرزا محمود)

وہ کیا کہتا ہے ؟ (مرزا نے "ایک غلطی کا ازالہ" میں لکھا ہے کہ اُسے نبی اور رسول کا خطاب براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانہ (۱۸۸۰ء) میں مل چکا تھا، مگر اس کا ناخلف مرزا محمود کہتا ہے کہ ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۲ء میں مرزا پر نبوت کی حقیقت کھلی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے مرزا بھی اپنے آپ کو "غیر نبی" ہی سمجھتا تھا)

۱۹۸ ــــ سوال ۳۳ نبوت کا معیار خود مرزا نے کیا مقرر کیا، اور اس کے اتباع واذناب نے کیا مجھ رکھا ہے ؟ یا بس یہی کہ اعتراضات میں انبیاء کے ساتھ مشارکت کافی ہے، یعنی اس کی نبوت کی بس یہی دلیل ہے کہ جو اعتراضات اس پر وارد ہوتے ہیں وہ دوسروں پر بھی وارد ہیں۔ ؟

۱۹۹ ــــ سوال ۳۴ بابی اور بہائی جو کہ مہدویت و نبوت کے دعویٰ میں بھی اور اکثر تعلیم میں بھی مرزا کے ساتھ شریک ہیں، بلکہ مرزا کی تعلیم انہی سے سرقہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم ان کی تصدیق نہیں کرتے ؟ حالانکہ ان کی تعلیمات و تحریفات تمہاری تعلیمات و تحریفات کے مماثل ہیں ؟

۲۰۰ ــــ سوال ۳۵ مرزا نے اپنی بعض کتابوں مثلاً براہین احمدیہ وغیرہ میں بعض عقائد مسلمانوں کے موافق درج کیے ہیں (مثلاً عقیدۂ ختم نبوت، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قرب قیامت میں دوبارہ نازل ہونے کا عقیدہ) حالانکہ انہی کتابوں میں الہام کا دعویٰ بھی پیٹ بھر کر کیا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد انہی عقائد کی نفی کر کے انہیں شرک قرار دیا، (گویا حضرت اس وقت بھی صاحب الہام تھے۔ جب ان عقائد کو اپنی الہامی کتابوں میں درج فرما رہے تھے، اور اس وقت بھی، جبکہ انہی عقائد کو شرک ٹھہرا رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مرزا کے الہامات حق و باطل کے درمیان فیصلہ کا معیار (ہیں یا نہیں ؟ اگر کہو کہ معیار حق و باطل ہیں تو ــــ یہ فرمائیے کہ ان کا معیار ہونا) کس وقت سے شروع ہوتا ہے ؟ اور اس کے مریدوں کو یہ تمیز کہاں سے حاصل ہوئی کہ فلاں تاریخ سے پہلے کے الہامات حق و باطل کے درمیان فیصلہ نہیں کرتے، اور بعد

کے الہامات سے حق و باطل کا فیصلہ ہوتا ہے؟ سوچ سمجھ کر جواب دیجئے)

۲۰۱ــــــسوال ۳۶ــــ مرزا کہتا ہے کہ "فقیر جلالی رنگ میں نہیں بلکہ جمالی رنگ میں آیا ہے، ممکن ہے کہ کوئی مسیح جلالی رنگ میں آئے اور مولویوں کی تمنا پوری ہو جائے" اور یہ کہ "مجھے مسیح ماننے سے کون سا تفاوت عظیم واقع ہو گیا۔ وہی دین ہے جو پہلے تھا" پس وہ علوم و معارف کونسے ہیں جو اس نے پیش کیے، اور جن سے محققینِ اُمت ناآشنا تھے؟ ان علوم کی فہرست پیش کر دو تا کہ دیکھا جائے کہ اگر اس نے کوئی صحیح بات کہی ہے تو محققین نے پہلے سے بیان کر رکھی ہے، اور اس بدوں ہمت نے سرقہ کیا ہے ورنہ اس نے جو کچھ کہا وہ لغو و باطل اور "کالائے بد بریش خاوند" کا مصداق ہے۔

۲۰۲ــــــسوال ۳۷ــــ بروز کے بارے میں اس کے خیالات (پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ) اگر اس نے کبھی نافہمی اور مآل نااندیشی کی بناء پر کوئی بات کہی ہو گی (تو کہی ہو گی ورنہ) بالآخر وہ تناسخ کی طرف راجع ہیں جو کہ ہندوؤں کا بنیادی اصول ہے۔ جیسا کہ البیرونی کی کتاب الہند میں ہے۔ پس اس کو ہندوکیوں دیکھیں۔ بروز کی تفسیر کادیہ میں ص ۱۰۹ براہین سے دیکھئے۔

۲۰۳ــــــسوال ۳۸ــــ تم لوگوں کو جمہور اہل اسلام کے ساتھ کون کون سے اصولی عقائد میں اختلاف ہے؟ اور حج و زکوٰۃ کا حکم کیا ہے؟

۲۰۴ــــــسوال ۳۹ــــ مرزا کے وہ الہامات، جو وعید پر مشتمل ہیں اور جن کا مصداق اور مقول لہٗ مذکور نہیں، وہ خود مرزا کے حق میں کیوں نہ سمجھے جائیں، جبکہ وہ وعدہ کے الہامات کو بدون صیغۂ خطاب کے اپنے حق میں سمجھتا ہے (تو اسی طرح ہم کیوں نہ سمجھیں کہ اس کے دعوئ نبوت کا ذبہ پر اس کو وعید کا الہام ہوا ہو) خاص طور پر وہ الہام جو بلفظ خطاب ہو، (وہ تو قطعاً مرزا کے حق میں ہی سمجھنا چاہیے) اور (اگر یہ شبہہ ہو کہ جب مرزا دعوئ نبوت کی وجہ سے کافر و مرتد ہوا تو اس کو وعید کا الہام کیسا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) خود مرزا کہتا ہے

---

۱ ص ۳۸
۱۴۴

کہ فاسق (کافر، اور چوہڑے چمار) بھی اخبار غیب کا مورد ہیں (اور ان کو بھی بعض وقت سچے خواب آجاتے ہیں، اور ان کو الہام ہو جاتا ہے) مثلاً الہام "پیٹ پھٹ گیا" رسالہ ترک مرزائیت ص ۸۸ میں دیکھئے اور عشرۂ کاملہ ص ۴۲ اور سودائے مرزا ص ۲۰۔

حالانکہ مرزا خود ہیضے میں مرا، (لہٰذا وہی اس الہام کا مصداق نکلا) "کمترین (یعنی مرزا) کا بیڑا غرق ہوگیا" (مرزا پر) دشمن کا خوب وار نکلا۔"

**۲۰۵ ــــ سوال نمبر ۴۰** اور اس کے خیالات جن کا نام اس نے علوم و معارف رکھ چھوڑا ہے، وہ اکثر یورپ کے جذبات کی ترجمانی، عقلی استبعادات اور ذاتی و طبعی فلسفہ مزاجی پر مشتمل ہیں، اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے علوم میں عقل و قیاس کے گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے بلکہ وہ اخبار بالغیب کیا کرتے ہیں اور کشف کونیات کے بارے میں مرزا سے جو کچھ کہا (کہ فلاں واقعہ یوں ہوگا) وہ اکثر و بیشتر غلط اور جھوٹ نکلا اور اس کے الہامات کا بیشتر حصہ اپنی تعلّی اور خودستائی پر مشتمل ہے۔ پس اس کو فلسفی منش، کاہن اور اٹکل بازیوں نہ کہا جائے؟ کیونکہ کہانت خلقی اور جبلی بھی ہوتی ہے جیسا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے[۱] (اور مرزا نے تو سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران اس کی مشق بھی بہم پہنچائی تھی، جیسا کہ رئیس قادیان میں مولانا رفیق دلاوری نے نقل کیا ہے) یا اس کو مراقی کہا جائے جس کا وہ خود بھی معترف ہے، (چنانچہ ملفوظات احمدیہ جلد دوم ص ۳۷۶ مطبوعہ ربوہ میں اخبار الحکم جلد ۵ نمبر ۴۰ ص ۵-۶ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۱ء کے حوالہ سے مرزا کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں پھر بھی آج کل میری مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کرکے بڑی بڑی رات تک

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ص ۸۸۔

بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں، حالانکہ زیادہ جاگنے سے
"مراق کی بیماری" ترقی کرتی جاتی ہے اور دَورانِ سَر کا دَورہ
زیادہ ہو جاتا ہے"۔)

یا اس کو ملحد و زندیق کہا جاتے، کیونکہ اس نے اپنے پوشیدہ قلبی عزائم کے اظہار میں تدریج اور سبج روی سے کام لیا۔ (عشرہ ص ۲۵) اور وقت کا منتظر رہا چنانچہ اوّلاً وہ بعض انبیاء پر اپنی تفضیل کا قائل تھا، رسالہ ترک مرزائیت میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "مسیح ابن مریم کے نام سے خاص طور پر مجھے مخصوص کر کے وہ میرے اوپر رحمت اور عنایت کی گئی جو اس پر نہیں کی گئی"۔ "تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۵۲۔ پھر خاتم الانبیاء پر برتری کا دعویٰ بھی کیا، تریاق القلوب ص ۱۰۳ مطبوعہ ۱۹۲۲ء۔ اور اس کے مشکلات (سے کے بارے میں اس کی عبارت) رسالہ ترک مرزائیت، ص ۳۶ میں ملاحظہ کی جاتے۔

۲۰۶ ـــــ اور کبھی کبھی وہ اپنے خیالات کی بنیاد اغراض مدسوسہ پر نہیں رکھتا بلکہ وقتی طور پر جو خیال ذہن میں آگیا ہانک دیا۔ چنانچہ کاویہ ص ۱۰۷ میں بدر ۱۹۰۳ء سے نقل کیا ہے کہ اس نے شیخ اکبر کا قول ترک کر کے انعکاس نبوت کو جاری رکھا ہے نہ کہ نبوت غیر تشریعیہ کو۔ حالانکہ یہ اس کے غیر تشریعی نبوت کے دعویٰ کے بعد کا زمانہ ہے، کیونکہ بقول اس کے ناخلف (مرزا محمود) کے اس کے دعویٰ نبوت کا زمانہ ۱۹۰۱ء ہے۔

۲۰۷ ـــــ اور معلوم رہے کہ ایک مدت تک وہ شریعت کے یہی معنیٰ سمجھتا رہا کہ وہ جدید احکام پر مشتمل ہو جیسا کہ علماء سمجھتے ہیں، اور یہ معقول المعنیٰ بھی ہے اور اس مدت کے دوران وہ قرآن کریم کی آیات و کلمات کا اپنی وحی کی حیثیت سے سرقہ کرنے کو شریعت نہیں سمجھتا تھا، اور "نئی شریعت" کی قید کے بغیر اپنے سے شریعت کی نفی کرتا تھا۔ بعد میں شیطان نے اسے تعلیم دی کہ اس سرقہ آیاتِ قرآنی ہی کو شریعت کہے اور اپنے تئیں صاحب شریعت

قرار دے۔ چنانچہ وہ اسی طرح کرنے لگا، اور اس وسوسہ کے القاء کے بعد تقیید کا محتاج ہوا کہ میں صاحب شریعت تو ہوں مگر شریعت جدیدہ نہیں رکھتا) اور اب (جبکہ اس نے صاحب شریعت ہونے کا دعوٰی کر دیا تو) یہ کہنا بھی کافی نہیں کہ نبوت غیر تشریعیہ باقی ہے، بلکہ (اس کے دعوٰی کے مطابق) نبوت تشریعیہ بھی باقی ہے مگر نئی شریعت نہیں۔

۲۰۸ ـــــ پس یہ نوعیت ہے اس کے "علوم و معارف" کی، کہ محض ہذا دقیق ہے یعنی آغاز و انجام کو سمجھے بغیر جس وقت جو جی میں آیا کہہ دیا، جس طرح کے وساوس و خطرات قلب میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ (انہیں وساوس کو وہ علوم و معارف سمجھتا ہے) کہ تحدی اور دعاوی کی بناء انہیں وساوس پر رکھتا ہے اور اس کے پسرِ ناخلف نے "حقیقۃ النبوۃ" میں اس ملحد کی بعض عبارتیں نقل کی ہیں (جن کا مضمون یہ ہے) کہ ہر نبوت میں نئے احکام کا ہونا ضروری ہے (مثلاً ذیل کی عبارت)

> "اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں، یا بعض احکامِ شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں، یا نبیٔ سابق کی اُمّت نہیں کہلاتے۔"

(اخبار الحکم قادیان جلد ۳ ۲۹ ۱۸۹۹ء)

اور اس وقت وہ اپنے لیے نبوّت کے دوسرے معنیٰ ایجاد کرتا تھا۔

اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ خود اپنے کلام کے انجام کو نہیں سمجھتا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر اس بات کا عذر بیان کرتے ہوئے کہ اس پر نبی کا اطلاق کیوں ضروری ہے۔ لکھتا ہے:

> "اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو بتلاؤ کہ کس نام سے اس کو پکارا جائے اگر کہو کہ اس کا نام محدث رکھنا چاہیے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے

معنیٰ لغت کی کسی کتاب میں اظہار غیب کے نہیں"۔

(ایک غلطی کا ازالہ)

گویا عندیہ ہے کہ سوائے نبی کے اور کوئی لفظ اس معنیٰ کے لیے اور اس کے دعویٰ کے لیے مناسب نہیں، اور لفظ محدث بھی مطابق نہیں۔ حالانکہ قبل ازیں اسی بنیاد پر اس نے محدثیت کا دعویٰ خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا چنانچہ لکھتا ہے "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا"۔ (عشرہ کاملہ بحوالہ ازالہ اوہام ص ۴۲۱)

پس یہ نہ سمجھا کہ جب محدثیت کا دعویٰ خدا کے حکم سے کر چکا ہوں تو محدثیت میرے دعوے کے غیر مطابق کیونکر ہو سکتی ہے؟ بہرحال اب تک وہ نبی کے اطلاق میں عذر معذرت اور حیلے بہانے کرتا تھا، بعد ازاں کھل کر نبوت کاملہ حقیقیہ کا دعویٰ کر دیا، اور اس نبوت کے منکروں کو کافر قرار دیا۔ پس اس کی عمر بھر کے اقوال و خیالات ایسے نہیں جس طرح کہ کسی پابندِ ضبط مصنف کا کلام ہوتا ہے کہ اگر تعارض نظر آتے تو توفیق و تطبیق تلاش کی جائے۔ اور نہ اس کے تمام اقوال تدریج پر محمول ہیں، جیسا کہ اس کا ناخلف راگ الاپتا ہے، بلکہ کم علمی اور قلتِ فہم کی وجہ سے متناقض ہیں کہ سانح وقتی کے طور پر جو خیال جس وقت ذہن میں آیا، ہانک دیا۔

۲۰۹ـــــ بہرحال مرزا نے نبوت تامہ کا دعویٰ کیا اور توبہ نہیں کی، پس کافر و مرتد مرا، اسی طرح اس کی دونوں جماعتیں بھی۔ کہ ایک جماعت تو اس کے متناقض دعاوی کو واردات غیبیہ کی تبدیلی اور تدریج پر تقسیم کرتی ہے اور دوسری جماعت ان متعارض و متناقض دعاوی میں توفیق و تطبیق کی جویاں ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت اندھے کی طرح سینہ زور ہے کہ دوڑتے وقت کچھ نہیں دیکھتا خواہ گڑھے میں گر جائے، ٹھوکر کھاتے یا کسی چیز سے ٹکرا کر سر پھوڑ لے وہ نت نئی تحریف پر جو ذہن میں آئے، اپنے دعووں کی بنیاد رکھ لیتا ہے،

اور کوئی حقیقت واقعیہ اس کے ذہن نہیں ہے، بلکہ جو کچھ خیال میں آجاتا ہے ایک مدت تک اسے گاتا رہتا ہے اور بار بار اسی کو دہراتا رہتا ہے، اور جب کوئی اور چیز ذہن میں آجاتی ہے تو ہذیان کی طرح اسی کو چلانا شروع کر دیتا ہے، پہلی اور پچھلی عبارتوں کے تفاوت اور تناقض کی جانب بسا اوقات اس کا ذہن ہی نہیں جاتا، نہ وہاں تک اس کے فہم کو رسائی ہے۔ اور اپنی اور دوسروں کی عبارتوں کے فرق کو اکثر وہ سمجھتا ہی نہیں۔ نہ امتیاز کر سکتا ہے، اور کبھی بعد کے زمانہ میں پہلے زمانہ کی باتیں کرنے لگتا ہے، جس سے یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ گویا تناقض و تہافت نہیں۔

۲۱۰ــــــاس کے چیلے چانٹے اب تک اس کے خبط و خلط، تہافت و تساقط، تعارض و تناقض اور جہل بسیط و مرکب کی اصلاح میں جان و ایمان کی بازی ہار چکے ہیں اور کئی فرقوں میں بٹ چکے ہیں، ایک دوسرے کی تکفیر بھی کرتے رہتے ہیں تاہم ان سے کچھ نہ بن پڑا، اور انہیں حقیقت حال کی خبر نہ ہوتی اس کی تعلیم اور ذخیرہ کتب اس فارسی شعر کا مصداق ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) "کتے کو سات دریاؤں میں نہلاؤ مگر وہ پاک نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس) جس قدر بھیگے گا اتنا ہی زیادہ پلید ہوگا۔" واللہ غالبٌ علی امرہٖ

۲۱۱ــــــاور درحقیقت وہ خود سابقین کی مراد کو نہیں سمجھتا، اور نہ اپنے مہمل کلام ہی کے مقصد و مدعا کو جانتا ہے اور اس کے مرید ہاویہ کے گڑھے میں گرے ہوتے ہیں۔ مرزا نے نقول اور حوالہ جات میں خود بھی بہت سے مغالطے کھائے ہیں اور دوسروں کو جان بوجھ کر بھی بہت سے مغالطے دیئے ہیں۔ حیات عیسٰی علیہ السلام کے مسئلہ میں اس نے امام مالکؒ، امام بخاریؒ، حافظ ابن حزمؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ پر یہ افترا کیا ہے کہ وہ موت کا عقیدہ رکھتے تھے، حالانکہ یہ قطعی خلاف واقعہ دروغ بے فروغ ہے، اور جب ان حضرات کی کتابوں کی صریح نقول سے عقیدۂ حیات دکھایا جاتے تو اس کے چیلے مجالس اور مناظروں

ہیں ذلیل اور رسوا ہو جاتے ہیں ، اور میدان خالی دیکھ کر پھر بھی الحاد و مغالطہ اور کذب بیانی سے باز نہیں آتے۔

۲۱۳ ـــــ مرزا قرآن کی مناسبت سے اس قدر محروم تھا کہ بڑی کثرت سے آیات کو محرف اور غلط نقل کرتا ہے اور قرآن کی جانب ایسے ایسے مضامین منسوب کرتا ہے ، جن کا رائحہ بھی قرآن میں موجود نہیں ، اور صحیح بخاری جیسی مشہور کتاب پر افتراء کیا کہ اس میں ھذا خلیفۃ اللہ المھدی موجود ہے ، جو اس کی ذلت و رسوائی کا موجب ہے ، اور اس نے اپنے معاصرین پر دیدہ و دانستہ بہت سے افتراء کیے اور ان تمام امور کو ناظرین نے ثابت کر کے شائع کیا ، مگر اس کے مریدوں کو کسی طرح ہدایت دستیاب نہ ہوتی ۔ "اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اسے کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی"۔

۲۱۴ ـــــ مرزا قرآن کریم کی بہت سی ایسی آیات کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں قرار دیتا ہے ، جو ان کی موت سے ادنیٰ مس تک نہیں رکھتیں ، اور اس نے جہل تام و عام کی بنا پر یہ نہ جانا کہ احادیثِ نزول ، جن کو اپنی غرض برآری کے لیے بحال رکھتا ہے ، وہ اسی قرآن سے مستفاد ہیں ، کسی اجتہاد سے یا اسرائیلیات سے ماخوذ نہیں ۔ پس ضروری ہے کہ قرآن کریم میں اس سلسلہ میں کچھ فرمایا ہو اور وہ تعبیرِ نزول کے مناسب ہوگا نہ کہ اس سے بے جوڑ ، پس قرآن کریم نے موت کا لفظ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں) ذکر نہیں کیا ، کیونکہ قرآن و حدیث کے درمیان اسلوب لفظی میں منافرت کا پایا جانا بھی بہت بڑا نقص اور زبردست مغالطہ ہے ۔ حدیث و قرآن کے درمیان شرح و متن کی نسبت ہونی چاہیے ، یہ نہیں کہ وہ کسی اور جہان کی بات کرے ، اور یہ کسی اور جہان کی ۔ یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم تو ان کی موت کا اعلان کرے اور حدیث ان کے رجوع و نزول کی تصریح کرے ، کیوں کہ اس صورت میں حدیث مرادِ قرآن کو بیان کرنے والی نہیں رہتی ، بلکہ نقیضِ قرآن کے مناقض ہو جاتی ہے (حالانکہ حدیث

تو مرادِ قرآن کو بیان کرنے والی ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے) "پھر بیشک ہمارے ذمّہ ہے اس کا بیان کرنا" [1] (نیز ارشاد ہے) "اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر کتاب مگر اس مقصد کے لیے کہ آپ بیان کریں ان کے سامنے اس چیز (کی اصل حقیقت) کو جس میں انھوں نے اختلاف کر رکھا ہے"۔ [2]

۲۱۴ـــــ حدیث کو لازم ہے کہ قرآن کے اسلوب کی اتباع کرے، اور اگر اسلوب تبدیل کرے تو اس کی اطلاع دے۔ کلام کو ایسے پوشیدہ اغراض پر جن کا کوئی شمّہ بھی مخاطب نے نہ سونگھا ہو اور نہ وہ کسی کے حاشیۂ خیال میں کبھی گذرے ہوں، مبنی کرنا ہدایت نہیں بلکہ دانستہ گمراہ کرنا ہے۔ نہ یہ بات کسی سلیم الفطرت سے کبھی وقوع میں آتی ہے اور نہ حدیث میں اس کی نظیر واقع ہوئی ہے کیا حرف میں ایک جگہ ہے کہ اُمت یہاں تباہ ہوئی، اور اسی جگہ جو اس ملحد کے الحاد اور اس کی نفسانی خواہش کی پیروی کا موقع ہے۔ کوتاہی ہوئی اور نزولِ عیسیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے کو اس ملحد کو چھوڑ دیا؟

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پے درپے احادیث ہیں۔ جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور جن کی تبلیغ علی رؤس الاشہاد تمام لوگوں کے سامنے کر دی گئی ہے ایک بار بھی اس مراد کی جانب اشارہ نہیں فرمایا کہ حضرت عیسیٰ سے مراد قادیان کا دہقان مرزا غلام احمد ہے، اور اس کے نزول سے مراد اس کا شکمِ مادر سے پیدا ہونا ہے) اور کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نے پوری اُمت کو باطل پر چھوڑ دیا (کہ تمام امت عیسیٰ سے سیدنا عیسیٰ ابن مریم صاحب انجیل ہی سمجھتی رہی) اور آپ نے (نعوذ باللہ) اس گھناؤنے امر کو روا رکھا؟ جو کام کسی کے ایک لفظ سے نکل سکتا ہو اور وہ اتنی زحمت بھی گوارا نہ کرے اس سے بڑھ کر باطل پرست کون ہو سکتا ہے۔

حالانکہ رفع و نزول میں قرآن و حدیث کے درمیان صنعت طباق ہے (کہ قرآن

---

[1] القیامہ: ۱۹ [2] النحل: ۶۴

نے رفع کا ذکر کیا اور حدیث نے اس کے بالمقابل نزول کو بیان فرمایا، جس سے واضح ہوتا کہ) نزول سے وہ معنی مراد ہیں جو مصداق رفع کا مقابل ہوں۔ بالفرض اگر نزول کا ذکر موت کے بعد ہوتا اس وقت اس کا محمل دریافت کیا جا سکتا تھا، نہ کہ اس وقت جبکہ نزول کا ذکر رفع کرنے کے بعد ہوتا ہے اور جے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ رفع کے بعد نزول کا ہونا) ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہے

۲۱۵ــــــ غرضیکہ یہ اسود کاذب، عیوب و نقائص کا مجمع اور معجون مرکب ہے اور شاید دنیا میں کم ہی کوئی شخص ایسا ساقط الحواس اور ماؤف لدماغ ہوا ہوگا، اور اس کے باوجود افضل الرسل ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔" اللہ بڑے زبردست صاحب انتقام ہیں"۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے مرض ہیضہ اور اسہال و قے کا قہر نازل کر کے، جو اس کی پرُخوری کا نتیجہ تھا، اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی جو اس کے ناخلف ہے کے بقول اس کے دعویٰ نبوت کے بعد ستائیس سال کے عرصہ میں ہوئی۔

۲۱۶ــــــ مخفی نہ رہے کہ اس زمانے کے ملحدین کوئی الحاد اور وسوسۂ شیطانی از خود گھڑ کر اسے بزعم خویش "ایک طے شدہ علمی حقیقت" ٹھہرا لیتے ہیں اور پھر اہل حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ (اگر ہمارا یہ نظریہ غلط ہے تو) اس کا صریح رد قرآن سے نکال کر دکھاؤ" اور چونکہ یہ بات ہر جگہ میسر نہیں کہ دنیا میں کسی کو جو وسوسہ بھی لاحق ہوا کرے قرآن کی نص صریح اس کی تردید کیا کرے اس لیے وہ اپنی جماعت میں بغلیں بجاتے ہیں (کہ دیکھو مولوی قرآن کی رُو سے ہمارے دعوے کو نہیں توڑ سکتے) گویا کسی الحاد کا ایجاد کر لینا ہی کافی ہے۔ خواہ وہ علم کا کوئی اثر و نشان اور دلیل و برہان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

اور کبھی کبھی ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ملحدین اہل حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے دعویٰ کی تردید علماء سابقین سے پیش کرو (حالانکہ اصولی طور پر یہ مطالبہ ہی غلط ہے، اس لیے کہ جب علماء سابقین کے زمانہ میں اس نظریہ کا کوئی قائل ہی نہ تھا تو وہ اس کی تردید کیوں کرتے؟ تاہم) جب پیش کر دیا جائے تو کہتے ہیں کہ

حدیث میں نہیں آیا، اور جب حدیث پیش کر دی جاتے تو کہتے ہیں قرآن میں نہیں آیا، اور جب قرآن سے پیش کر دیا جاتے تو کہتے ہیں کہ صرف ایک بار آیا ہے، مزید تاکید نہیں فرمائی، اسی طرح ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف فرار کرتے رہتے ہیں، چنانچہ احقر کو یہی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول من السماء کے سلسلہ میں پیش آیا تھا (مرزائیوں کی طرف سے کہا گیا کہ "من السماء" کی قید کسی حدیث میں نہیں آتی، اور جب) میں نے بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات سے یہ تصریح پیش کی تھی (تو کہنے لگے دوسری حدیثوں میں نہیں)

پس خوب یاد رکھنا چاہیے کہ کسی الحاد کے صحیح و صواب ہونے کے یہ کافی نہیں کہ اس کا ردّ قرآن سے میسّر نہیں، اور نہ اہلِ حق کو اس سلسلہ میں کوئی اضطراب اور پریشانی لاحق ہونی چاہیے، بلکہ کبھی نئے نظریہ کا ایجاد کرنا ہی بجائے خود الحاد ہوا کرتا ہے،

اور کبھی ملحدین اپنی جانب سے ایک عنوان اختراع کر کے اہلِ حق سے مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ لفظ اور یہ عنوان خاص قرآن وغیرہ سے پیش کرو، ورنہ ہمارا نظریہ ثابت ہے۔ حالانکہ حقیقت واقعیہ یہ ہے کہ کسی الحاد کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ ذخیرۂ دین اور نصوص شرعیہ میں اس کا کوئی وجود نہ ہو، یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی تردید قرآنِ کریم میں موجود ہو اور پھر اسی لفظ کے ساتھ ہو جو وہ چاہتے ہیں، اور یہ بھی نہیں کہ "احمق کو ٹوکا نہ جائے تو مامور بن بیٹھے"۔

۲۱۔ ــــــ اور مرزا، قلت علم، کثرت جہل، طبعی کبر و تعلّی، تنگ مزاجی، تنگ ظرفی، دوں فطرتی اور کم حوصلگی کے سبب معمولی قسم کے پیش پا افتادہ امور کو "غیبی عطیات" اور "آسمانی انعامات" سمجھ لیتا ہے اور پھر یہ تصور کر لیتا ہے کہ حقائق غیبیہ میں سے کوئی حقیقت اس کے علم و ادراک کی گرفت سے باہر نہیں ہے، اور اسی پندار اور خوش فہمی کے بل پہ وہ الٰہیات و نبوّات کے مسائل میں الجھتا ہے اور دریدہ دہنوں اور بازاریوں کا سا کلام کرتا ہے،

(ترجمہ اشعار) "خواجہ سمجھتا ہے کہ وہ بھی کچھ پونجی رکھتا ہے، حالانکہ خواجہ کا سرمایہ غرور پندار کے سوا کچھ نہیں"۔ "خلوت نشین جاہل کے خیالات بالآخر دین و دنیا کی بیخ کنی کر دیتے ہیں"۔

۲۱۸ ـــــ بروز، کا لفظ شاید کسی ایک آدھ صوفی کے کلام میں، بمعنی فیض روحانی و تربیت باطنی استعمال ہوا تھا، اور اتحاد، کا لفظ عشاق کے کلام میں محبوب سے ہمرنگی اور فنائے محبانہ سے عبارت تھا، یہ جاہل ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتا ہے اور بزعم خود سمجھتا ہے کہ میں نے صوفیہ کی مراد کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کر دی، حالانکہ فی الحقیقت اس کے ذہن میں ان الفاظ کا کوئی مصداق نہیں ہوتا، اس کا کل سرمایہ زبانی جمع خرچ، دوسروں کے الفاظ نقل کر لینا اور ان کی بھونڈی نقالی ہے۔ (عارف رومیؒ نے صحیح فرمایا ہے

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں      تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

وہ چونکہ بروز، اور 'اتحاد' کی صوفیانہ اصطلاحات کے مفہوم سے نا آشنا تھا اس لیے رفتہ رفتہ صریح "تناسخ" کے گڑھے میں جا گرا، اور 'بروز' کی تفسیر 'جنم' اور 'اوتار' کے ساتھ کر ڈالی، جو کہ ہندوؤں کا بنیادی اصول ہے۔

۲۱۹ ـــــ مرزا غلام احمد نے اپنی نبوت کا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ نبوت کے معنی ہیں خدا سے خبر پاکر پیشگوئیاں کرنا، اور یہ تعریف چونکہ مجھ پر صادق آتی ہے لہٰذا میں نبی ہوں۔ حالانکہ نبوت کا یہ تصور اس قدر گھٹیا ہے کہ اس کے ماتحت ہر نجومی، پنڈت، رمّال، جفّار، اڈر پوپو نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور جب مرزا سے کہا جائے کہ تیری اپنی تعریف کے مطابق بھی نبوت کی تعریف تجھ پر صادق نہیں آتی، کیونکہ جو پیشگوئیاں تو نے بڑی شدّومدّ سے کی تھیں اور انہیں اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا وہ بھی تیری تشریح کے مطابق پوری نہ ہوئیں بلکہ سب کی سب جھوٹ نکلیں تو اس کے جواب میں مرزا کہا کرتا ہے کہ میری نبوت کا ثبوت بس یہی کافی ہے کہ جو اعتراض مجھ پر کیا جائے وہ ہر ایک

نبی پر پڑتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی شخص کی نبوت کا ثبوت بس یہی کافی ہے کہ نبوت کو ایک گھٹیا سی چیز بتایا جائے، اور انبیاء کرام پر اعتراض جڑ دیے جائیں یا کسی ثابت شدہ اور مسلّمہ اصول کے ماتحت نبوت کا ثبوت پیش کرنا اور اس پر دلائل قاطعہ پیش کرنا بھی ضروری ہے؟ اگر جواب شق ثانی میں ہے تو مرزا نے انبیاء کرامؑ اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر کر کے نامۂ عمل کیوں سیاہ کیا؟

۲۲۰ ـــــ مرزا کہتا ہے کہ پیشگوئیوں میں کسی قدر نقصان اور خفا رہ جاتا ہے لہٰذا پیشگوئی کا جو حصہ پورا ہو جائے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے، پہلے لوگوں کو یہی ٹھوکر لگی۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے خیالی تصورات کے مطابق سابقہ پیشگوئیاں مدعیانِ نبوت پر صادق نہیں آئیں اس لیے ایمان سے محروم رہ گئے اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ کسی مدعی پر پیشگوئی کے بعض اجزا کا صادق آنا اور بعض کا صادق نہ آنا اس کے صدق و کذب میں اشتباہ و التباس کا موجب ہے[1]، اور اشتباہ و التباس کی حالت میں نفع کا یقین نہیں ہو سکتا (اور یقین نہ ہو تو ایمان بے سود ہے) اور اگر یوں ہے تو یوں بھی ہے۔ پس مرزا کا یہ مشورہ اخلاص و خیر خواہی کا مشورہ نہیں، بلکہ خود غرضی، تلبیس اور دغا فریب پر مبنی ہے۔ (ترجمہ شعر) "بہت سے ابلیس (مرزا کی طرح) آدمی کی شکل میں ہوتے ہیں، پس ہر ہاتھ میں ہاتھ دے دینا چاہیے"۔

۲۲۱ ـــــ کیا الہام بھی ملکۂ انشاء پردازی کی طرح ہے اور طبیعت کی آمد و سلیقہ پر منحصر ہے؟ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مرزا کتب سابقہ میں کوئی چیز دیکھ کر رٹ لگا لیتا ہے اور پھر اس کے مطابق الہام گھڑ لیتا ہے۔ مثلاً اخطئ و اصیب کا الہام اور مثلاً عمانوئیل (کی پیدائش) کا الہام، جو سراسر جھوٹ بھی نکلا۔

---

[1] اور مرزا غلام احمد قادیانی پر تو مسیح کی پیشگوئی اتنی بھی صادق نہیں آتی جتنی کہ ماش کے دانے پر سفیدی۔ پس مرزا کا کذب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مترجم۔

اور کبھی مرزا اپنے پاس سے ایک مہمل اور بے معنی بات، جس کی کوئی حقیقت محصلہ نہیں ہوتی گھڑ لیتا ہے اور پھر اس کے مطابق الہام بنا لیتا ہے۔ مثلاً "تو بمنزلہ میرے بروز کے ہے" کا الہام۔ جس کی کوئی حقیقت کتب سماویہ میں نہیں۔

۲۲ ـــــ ایسے وہمی اور شکی امور کہ جن کا یا تو ثبوت ہی معلوم نہ ہو۔ یا یہ گمان ہو کہ راوی سے فروگذاشت ہوئی ہے اور اس سلسلہ کی کوئی کڑی چھوٹ گئی ہے، ایسے امور سے قطعیات پر اعتراض کر کے انہیں منہدم کر دینا کیا یہ ایمانداری کا کام ہے؟ چنانچہ اس فرقہ نے عصمتِ انبیاءؑ کے باب میں یہی وطیرہ اختیار کیا۔ اور مجہول الحال امور کے ذریعہ دین کے قطعیات اور متواترات کو درہم برہم کر ڈالا۔ حالانکہ اس نام نہاد وحی میں جس کو یہ ملحد سرقہ کر کے اور اِدھر اُدھر سے جوڑ کر بناتا ہے۔ تواتر ہی کا سہارا لیتا ہے۔

چونکہ اس ملحد کی غرض دین کو درہم برہم کرنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی خانہ ساز پیشگوئیوں میں ذلیل و خوار ہوگا اس لیے اس نے پہلے سے یہ تدبیر کی کہ تمام انبیاء کرام کی پیشگوئیوں پر خاک اڑائی جائے اور انہیں غلط ٹھہرایا جائے، تاکہ بوقت ضرورت کام آئے، اور ایک سطے شدہ اصول پہلے سے تیار رہے (کہ نعوذ باللہ انبیاء کرام اپنی وحی کا مطلب نہیں سمجھتے اور وہ غلط سلط پیشین گوئیاں کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مرزا ازالۂ اوہام میں لکھتا ہے:

"مسیح کے معجزات اور پیشگوئیوں پر جس قدر اعتراض اور شکوک پیدا ہوتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا پیش خبریوں پر کبھی ایسے شبہات پیدا ہوتے ہوں کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا؟ اور پیشگوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ تر ابتر ہے، کیا یہ بھی کوئی پیشگوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے۔ مری پڑے گی۔ لڑائیاں ہوں گی، قحط پڑیں گے اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر مسیح کی پیشگوئیاں غلط نکلیں اس قدر

صحیح نکل نہیں سکیں...... اور بھی بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو صحیح
نہیں نکلیں، مگر یہ بات الزام کے لائق نہیں، کیونکہ امور اخباریہ کشفیہ
میں اجتہادی غلطی انبیاء سے بھی ہو جاتی ہے، حضرت موسیٰؑ کی
بعض پیشگوئیاں بھی اُس صورت پر ظہور پذیر نہیں ہوئیں جس صورت
پر حضرت موسیٰ نے اپنے دل میں اُمید باندھ لی تھی، غایت مافی الباب
یہ ہے کہ حضرت مسیح کی پیشگوئیاں اوروں سے زیادہ غلط نکلیں"
(ص ۶، ۷، ۸، طبع اوّل)

۲۲۳ــــ انبیاء علیہم السلام کی توہین سب سے پہلے ابلیس نے کی تھی، اور اس نے حق تعالیٰ سے مناظرہ کیا کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی شخص کو کمالات کسبیہ کے بغیر شرف بخشیں اور عطیات سے نوازیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے کسی کو فضیلت و شرف عطا کرنے کا اور داد و دہش کا از خود اختیار ہے۔ مگر ابلیس نے اس اختیار کو ناروا سمجھا، اور کسی شخص پر اس کی جسمانی ساخت اور اس کے اجزاء ترکیبی سے زائد انعام کرنے کو غیر معقول ٹھہرایا۔ گویا وہ حق تعالیٰ کے اختیاراتِ سلطانی کے مزاحم تھا۔ بعد ازاں یہ شقی (مرزا) نہ صرف یہ کہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلا، بلکہ اس سے بھی چار قدم آگے نکل گیا، اسی ابلیسی نظریہ کے تحت اس نے حضرت عیسیٰؑ کی توہین کر کے اپنے پوشیدہ خبث و کفر کا اظہار کیا (چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرآنی معجزات کو شعبدہ بازی اور مسمریزم قرار دے کر لکھتا ہے:

"مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔" (ازالہ اوہام حاشیہ ص ۳۰۹)

اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و وقعت مسلمانوں کے دل سے نکال ڈالے اور ان کی مسند پر خود قابض ہو جائے (چنانچہ وہ صاف

صاف اسپنے مدعا کا اظہار کرتا ہے کہ :

ابنِ مریم کے ذکر چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (نعوذباللہ)

حالانکہ ع "کہاں عیسیٰ کہاں دجال ناپاک" ــــــ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہندوؤں کے پیشواؤں سے یہ معاملہ روا نہیں رکھا، بلکہ ان کی عظمت و توقیر کا اظہار کرکے انہیں اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی۔

۲۲۴ــــ کسی مسئلہ میں ایسے متشابہات سے، جن کی طرف ذہن بھی نہ جاتا ہو، استدلال کرنا اور اس باب میں محکمات کو چھوڑ دینا الحاد نہیں تو اور کیا ہے ؟ چنانچہ اس ملحد نے ان امور کو، جو کتابوں میں بد دین و بے ایمان لوگوں کے وساوس و شبہات کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں جمع کرکے انہیں اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے، اور جب کسی کو اسلام سے بچلانا چاہتا ہے تو اس کے نصوص میں شیطانی شبہات کھڑے کر دیتا ہے اور جب اپنی جانب کھینچنا چاہتا ہے تو ملمع کاری کے ساتھ مناسبتیں پیدا کرتا ہے اور نصوصِ قطعیہ کو استعارہ و مجاز پر محمول کرنے کی تاویل جس کو اس نے اپنے ذخیرۂ الحاد کا موضوع بنا رکھا ہے اس کے ذریعہ وہ اکثر اسلامی عقائد اور بعض احکامِ شرعیہ، مثلاً زکوٰۃ، حج اور جہاد سے سبکدوش ہو چکا ہے اور اس کے مریدعن قریب دیگر احکام سے بھی بے باق ہو جائیں گے اور صرف الفاظ کی گردان کافی ہوگی، اور ذخیرۂ آخرت اور ہدیۂ بارگاہِ الٰہی کے لیے لے دے کر چند تاویلیں رہ جائیں گی اور بس۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ افعال میں بھی استعارہ مانتا ہے۔ چنانچہ کشتی نوح ص ۴۷ میں لکھتا ہے:

"مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی، اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو ۱۰ مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا"

اس فعلی استعارہ کو گرہ میں رکھو جو اس کے خاص علوم میں سے ہے اور جس کے ذریعہ وہ خارج میں حاملہ بھی ہو سکا ۔ پس اس استعاراتی حمل کے ذریعہ جب

وہ عیسیٰ کو جنم دے کر خود عیسیٰ بن سکتا ہے تو دیگر افعال کے بارے میں یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ مثلاً ہم نے استعارہ کے طور پر زکوٰۃ دے دی، استعارہ کے طور پر حج کر لیا، استعارہ کے طور پر نماز پڑھ لی، اور استعارہ کے طور پر روضۂ اطہر میں دفن ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ)

۲۲۵ ـــــ مرزا نے دنیا کا کوڑا کرکٹ جمع کرنے میں کوئی حیلہ اور کسر باقی نہیں چھوڑی، مثلاً اپنی تصویر فروخت کرنا، زکوٰۃ کا مال سمیٹ کر اسے اپنی خواہشات میں صرف کرنا، اور اس کے مصارفِ شرعیہ کو ساقط کر دینا، مریدوں پر انواع و اقسام کے چندے لازم کرنا، اور جو بروقت چندہ نہ بھیجے اسے بیعت سے خارج کر دینا ـــــ اور مخالفوں کی تذلیل کے لیے ان کی موت کے وقت کی تصویریں شائع کر کے مرزا نے اپنے ضمیر اور ضمیرِ باطن کی خبر دی ہے کہ اس کا سینہ ظالم کی قبر سے زیادہ تنگ و تاریک ہے۔ اور مخاطبوں پر اثر ڈالنے کے لیے انبیاء کرام اور کتبِ سماویہ کی تعبیر و خطاب کی نقالی کرتا ہے۔ مثلاً کثرت سے قسمیں کھانا، بنی نوعِ انسان سے ہمدردی کا اظہار کرنا۔ اور مخالفین کی تردید میں ان کی دعوت کے پہلو پر زور دینا، ان سے خیر خواہی دلسوزی کی نمائش، مخالفوں کی جانب سے اپنی مظلومی کی فریاد۔ اور ان امور کے اصرار و تکرار کو بھی ساتھ رکھتا ہے، اور جو چیزیں اس کے مخالف تھیں انہیں بد سے بدتر تشبیہات اور بھونڈی مثالیں دے دے کر مسخ کیا، اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی قباحت کا اظہار کر کے احمقوں کو الو بنایا، وہ علم و دلیل کے دائرے میں محدود نہیں رہتا، چنانچہ احادیثِ طیبہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قتلِ خنزیر وغیرہ کی جو علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، مرزا نے ان کا ایسا مذاق اور تمسخر اڑایا جس کی توقع کسی سنجیدہ اور با اخلاق آدمی سے نہیں کی جا سکتی۔ گھٹیا ذہنیت کے کمینہ طبع لوگ جن کا مطمحِ نظر محض اپنی مطلب براری ہوا کرتا ہے، یہ ان کا وطیرہ ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ کی حدود کے پابند نہیں ہوتے مرزا کے جتنے مرید ہم نے دیکھے ہیں ان سب کو دیانت و امانت اور حیاء و

اخلاص سے تہی دامن پایا ہے۔ اور خود مرزا نے گذشتہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا مطالعہ کیا، اور اس بات کو پیش نظر رکھا کہ کن کن طریقوں سے ان کی دعوت کو فروغ ہوا اور کن کن وجوہ سے ان کی تحریکیں ناکام ہوئیں) وہ تعبیرات میں ہر ممکن طریقہ سے اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے یعنی کتب سماویہ کی نقالی، انبیاء کرام سے تشبّہ اور مدعیانِ نبوت کی خوشہ چینی۔ لیکن یہ سب کچھ تعبیرات کی نقالی اور چرب زبانی تک محدود ہے۔ اس ظاہری صورت کے باطن میں صحیح دلیل اور حقانیت کا ذرا بھی مادہ نہیں، بلکہ اس کی کل کائنات شبہات اٹھانا، مخاطب کو تدریجاً پھسلانا، اور آہستہ آہستہ حق سے برگشتہ کرنا ہے، جیسا کہ تحفۂ اثنا عشریہ میں دعوت باطنیہ کے مراتب ذکر کیے ہیں۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ اس نے 'باب' اور 'بہا' کی کتابوں کے علاوہ شیعہ متصوفین، جنہوں نے فلسفہ کو تصوف بنا ڈالا تھا، ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان سے بھی سرقہ کیا ہے کہ یہ کتابیں خاصی مقدار میں ہیں اور بہت سی فارسی زبان میں ہیں۔ یہ اس لیے کہ میں نے فتوحات کے علوم تک اس کی رسائی نہیں پائی، اور اس نے حضرات صوفیہ کے حقائق و معارف میں سے کسی ایک بات کو بھی ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھا۔ وہ الٰہیات میں ایسی سوقیانہ تشبیہات دیتا اور تعبیر کرتا ہے کہ سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنی طرف سے حقائق باطلہ کی اختراع کر لیتا ہے۔ مثلاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دوبارہ بعثت کا عقیدہ (مگر ذکر خود کو محمد رسول اللہ کی حیثیت دینا) اور پھر ان من گھڑت نظریات کے موافق نصوص دین میں نت نئی تحریفیں کرتا ہے، یہ ہے وہ چیز جس پر اس کے چیلے ایمان فروخت کرتے ہیں اور ان زٹلیات کو علوم و معارف سمجھتے ہیں۔

۲۲۶ — اور وہ جب کسی شخص سے مایوس ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے جال کا شکار نہیں ہوگا تو ہر قسم کی فحش کلامی اور مغلظات سے اس کی تواضع کرتا ہے، اور ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اور جو کام بھی کرتا ہے بس اسی کی چکی پیستا رہتا ہے۔

۲۲۶ ـــــ ایک طرف تو ضرورۃ الامام، حقیقۃ الوحی اور ازالہ اوہام وغیرہ میں وہ اپنے الہامات میں نصرت و شوکت کا دعویدار ہے اور یہ کہ اسے یقین کی ـــــــــــ لذت محسوس ہوتی ہے جس سے اس کا قلب پُر ہو جاتا ہے اور اسے اپنے الہامات پر شرحِ صدر کے ساتھ اسی طرح قطعی ایمان ہے جس طرح کہ قرآن کریم پر۔ لیکن اس شوری شوری کے بعد موت مسیح اور اپنی نبوت سے متعلقہ الہامات میں اس نے جس بے یکینی کا مظاہرہ کیا ہے اسے حمامۃ البشریٰ ص۲ میں دیکھئے۔ بحوالہ عشرۂ کاملہ۔ اور سُنا گیا ہے کہ مرزا کہا کرتا تھا کہ اگرچہ میں نے براہین احمدیہ میں حیات عیسیٰ کا عقیدہ لکھ دیا تھا۔ اور لکھا بھی تھا (قرآن کریم اور خود اپنے) الہامات کے حوالے سے (دیکھئے براہین ص ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۵)۔ مگر حیات عیسیٰ کا میں شروع ہی سے قائل نہ تھا، اور میں نے اپنے اصل عقیدہ کو مسلمانوں کے خوف سے چھپائے رکھا اس سلسلہ کی تھوڑی سی بحث عشرۂ کاملہ ص ۴۵ میں بحوالہ حمامۃ البشریٰ دیکھی جائے

۲۲۸ ـــــ وہ ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں سوقیانہ استبعادات پیش کرتا ہے، لیکن دوسری طرف خود اپنے بارے میں ان سے کہیں بڑھ کر مستبعد اور خلاف عقل باتوں کا دعویٰ کرتا ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کا اس کے سامنے اپنے چہرہ سے پردہ اُٹھا دینا اور اس کے ساتھ جنسی مذاق کرنا، دیکھئے ضرورۃ الامام۔ اور کبھی ایسے (الہامات) کا دعویٰ کرتا ہے جو حیاء اور انسانیت کے دائرے سے خارج ہیں، مثلاً مرزا کا عورت بن جانا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر "رجولیت کی طاقت" کا اظہار کرنا، دیکھئے عشرۂ کاملہ ص ۳۲ [1]

---

[1] مرزا کے ایک خاص مرید قاضی یار محمد صاحب بی۔ او۔ ایل پلیڈر ٹریکٹ ۳۴ موسوم بہ "اسلامی قربانی" مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر میں لکھتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ "عورت" ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے "رجولیت کی طاقت" کا اظہار فرمایا۔ سمجھنے والے کے واسطے اشارہ کافی ہے"۔ استغفراللہ۔ مترجم

۲۲۹ـــــ اس کا وطیرہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں پر خاک ڈالتا ہے‘ ان کے بعض اجزاء پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام اجزاء کے ساتھ پوری نہیں ہوئیں، وہمی امور اور شبہات کے ذریعہ قطعیات کو منہدم کر کے انہیں مٹی میں ملانا چاہتا ہے اور ان کے اندر طرح طرح کے شبہات اٹھاتا ہے‘ تاکہ جب اس کی نام نہاد پیش گوئیاں غلط نکلیں تو جواب کا سامان پہلے سے موجود ہو۔ پس جب تک انبیاء کرام سے برابری مطلوب ہو تب تک تو انہیں اعتراضات میں شریک غالب بتاتا ہے، یعنی اس کی بہ نسبت انبیاء کرام پر زیادہ اعتراض ہیں، اور جب اس کے اپنے اختصاص کی نوبت آتی ہے تو اپنے اضغاث احلام کو ”غیب مصفّٰی“ کا نام دیتا ہے (گویا انبیاء کرام کی پیشگوئیاں تو غلط اور لائق اعتراض ہیں، اور ”غیب مصفّٰی“ تک رسائی مرزا کی خصوصیت ہے۔ نعوذ باللہ)

۲۳۰ـــــ وہ معجزات کی شان گھٹاتا اور بڑے بڑے معجزات کا، مختلف تاویلوں سے انکار کرتا ہے۔ مثلاً معجزۂ شق القمر کو چاند گہن بتانا، معراج نبوی کو کشف ٹھہرانا، اور مُردوں کے زندہ کرنے کو مسمریزم قرار دینا اور اس کے اعجاز کا انکار کرنا ـــــ چھوٹے چھوٹے معجزوں کو برقرار رکھتا ہے تاکہ اپنے حقیر اور پیش پا افتادہ امور کو معجزات کے دائرے میں لا سکے۔ مثلاً چندہ ملنا، اور لوگوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا کہ ہر چندے کو اور ہر بیعت کنندہ کی بیعت کو ایک مستقل معجزہ شمار کر کے اس نے اپنے معجزات کی تعداد کم از کم دس لاکھ لکھی ہے۔ اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتاتی ہے۔

حق تعالیٰ امت مرحومہ پر رحم فرمائے اور اس لعین کے الحاد و ارتداد سے نجات دلائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد والہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ الیٰ یوم الدین۔

محمد یوسف لدھیانوی عفا اللہ عنہ

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان۔ ملتان

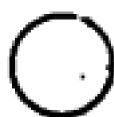
۸ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ

# اشاریہ

- آیات
- احادیث
- اسمائ
- کتابیات

مرتب:
محمد یوسف لدھیانوی

## ۱۔ آیات



# احادیث

## ۳۔ اسماء

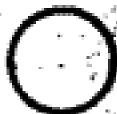
## اقوام و قبائل

## مقامات



## ملل و مذاہب





# ۴۔ کتابیات

# تعارف

## مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

### از حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"مجلس تحفظ ختم نبوت" مسلمانوں کی ایک خالص غیر سیاسی

مذہبی علمی اور تبلیغی تنظیم ہے جس کا مقصد وحید اسلامیانِ عالم کا اتفاق و اتحاد، ناموسِ رسالت و ختم نبوت کی پاسبانی اور منکرینِ ختم نبوت کا رد و تعاقب رہا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد خطیب العصر امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تمام سیاسی جھمیلوں سے الگ تھلگ کر اپنے رفقاء سمیت وحدت اسلام، تبلیغ دین اور ردِ قادیانیت کے لیے زندگی وقف کر دی، اور اس پاکیزہ مقصد کے لیے مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈالی، بحمداللہ ان کے اخلاص کی برکت سے مجلس کا فیضان دور دور تک پھیل چکا ہے، پاکستان اور دوسرے بہت سے اسلامی ممالک میں قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے، ملک کے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ بعض بیرونی ممالک میں بھی مجلس کے دفاتر اور فاضل مبلغ کام کر رہے ہیں، قادیانیوں کے عالمی مرکز ربوہ میں ریلوے کی جامع مسجد تعمیر ہو چکی ہے جس میں ختم نبوت کے مبلغ اور مدرس خطابت اور تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مجلس کے صرف "شعبۂ تبلیغ" پر قریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ صرف ہو رہا ہے۔

**نئے تقاضے اور نئے منصوبے** | قادیانیوں کے بارے میں پاکستان قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلہ نے قادیانیت کو موت و حیات کی کشمکش میں ڈال دیا ہے، ہزاروں سعادت مند افراد قادیانی ارتداد کے جال سے نکل کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جس سے قادیانیوں کی کمر ٹوٹ گئی ہے، اور انہوں نے زندگی اور موت کی کڑی جنگ لڑنے کے لیے اپنی پوری قوت اور اثاثہ جھونک دینے کا فیصلہ کیا ہے، چنانچہ اندرون و بیرون ملک ان کی سازشوں کے جال پہلے سے کہیں وسیع تر ہو گئے ہیں، جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے بہت سے مقدمے

عدالتوں میں چل رہے ہیں، اور وہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کئی نئی اسکیمیں شروع کر چکے ہیں، اُدھر بیرونی ممالک میں انہوں نے تحریکِ ارتداد کو تیز سے تیز تر کر دیا ہے، اور کروڑوں روپیہ مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے خرچ کیا جا رہا ہے، قادیانیوں کی یہ تمام کوششیں انشاء اللہ رائیگاں جائیں گی، اور سازشوں کے جو کنوئیں وہ مسلمانوں کے لیے کھود رہے ہیں انشاء اللہ ان میں خود ہی گر کر تباہ و برباد ہوں گے، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان حالات میں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کا کام بجائے سمٹنے کے اور بھی پھیل گیا ہے، اور اس کی ذمہ داریوں میں کمی ہونے کے بجائے کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے، پہلے جہاں ہزاروں روپے اس کے اخراجات کے لیے کافی تھے، اب وہاں اب لاکھوں کی ضرورت، چنانچہ قادیانیت کے خلاف مسلمانانِ عالم کی عام بیداری کی وجہ سے قریباً ان تمام ممالک سے، جہاں قادیانی اپنی مرتدانہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں، مسلمانوں کی جانب سے تقاضے آ رہے ہیں کہ وہاں ختم نبوت کے مبلغ بھیجے جائیں، جو قادیانیوں کے دانت کھٹے کریں "مجلس" بیرونی ممالک میں وفود بھیجنے کا انتظام کرتی ہے، چنانچہ گزشتہ ایک وفد افریقی ممالک گیا، ایک انڈونیشیا کی دعوت پر بھیجا گیا، ایک متحدہ عرب امارات کے مطالبہ پر روانہ کیا گیا، لیکن اس سے بڑھ کر ضرورت اس بات کی ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے اس کام کو، جو ساری دنیا میں پھیل چکا ہے مزید مستحکم اور وسیع بنیادوں پر منظم کیا جائے، جس کی تدابیر حسب ذیل ہیں:

۱۔ بیرونی ممالک کے نمائندوں کو پاکستان بلایا جائے، انہیں یہاں کچھ عرصہ رکھ کر انہیں قادیانیت کے تمام اسرار و رموز سے واقف کرایا جائے، اور وہ اپنے علاقوں میں جا کر مستقل طور پر تحفظ ختم نبوت کے لائحہ عمل کے مطابق قادیانیوں کا تعاقب کریں، اس منصوبے پر لاگت کا ابتدائی تخمینہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ ہے، بحمد اللہ رمضان مبارک کے بعد سے اس کا آغاز کیا جا رہا ہے

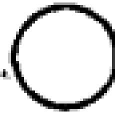
۲۔ ختم نبوت کی دعوت کے لیے نئے علمائے کرام شریکِ مجلس کیے جائیں، اور انہیں تربیت دے کر اندرون و بیرونِ ملک تبلیغی خدمات اور ردِّ قادیانیت کے لیے تیار کیا جائے، اس تربیتی کورس کے لیے فی الحال پندرہ افراد کا انتخاب تجویز کیا جا رہا ہے۔ اس منصوبے پر جماعت کا ۷۵، ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔

۳۔ مجلس کی ضروریات اور اس کا کام اتنا پھیل چکا ہے کہ اس کے لیے مرکزی دفتر کی موجودہ عمارت کافی نہیں اس لیے ملتان ہی میں ایک اچھے موقع پر قطعہ اراضی اڑھائی لاکھ روپے کے مصارف سے خرید لیا گیا ہے۔ اس کی سہ منزلہ عمارت کا نقشہ منظور ہو چکا ہے، اور تعمیر کا آغاز کر دیا گیا ہے، یہ عالمی تبلیغی مرکز ایک عالی شان جامع مسجد

دارالاقامہ، دارالضیوف، پریس، اور دفاتر کی عمارات پر مشتمل ہوگا، اس عظیم ترین منصوبہ کے مصارف کا اندازاً تخمینہ چالیس لاکھ کے قریب ہے۔

۴۔ قادیانیوں کے عالمی مرکز "ربوہ" میں، جہاں ۱۹۷۴ء سے پہلے کسی مسلمان کا گزر بھی ممکن نہیں تھا، وہاں اب مسلمانوں کی آبادی کی صورت کی سکیم تیار کی جارہی ہے، وہاں مسلمانوں کے لیے سب سے اہم تر مسئلہ یہ ہے کہ ان کی معاش کے لیے صنعتی کاروبار کا انتظام کیا جائے اور وہاں مسلمانوں کے لیے مکانات کی تعمیر کا بندوبست کیا جائے۔

۵۔ بحمداللہ "مجلس تحفظ ختم نبوت" کو ربوہ میں تقریباً نو کنال رقبہ حاصل ہو گیا ہے۔ اس میں جامع مسجد، مدرسہ، دارالاقامہ، پریس، دفاتر، عملہ کیلئے کوارٹرز کی تعمیرات کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، چونکہ یہ علاقہ (مرزائیوں کے دل کی طرح) بالکل بنجر ہے، نہ پانی ہے، نہ بجلی، نہ سڑک، اسلیئے اس بنجر زمین میں جو کفر کی نحوست سے بالکل شور ہے، ختم نبوت کا پودا لگانا بہت ہی جفاکشی اور کثیر سرمائے کا محتاج ہے۔ یہ مجلس کے کام کا مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں "مجلس تحفظ ختم نبوت" کسی خاص فرد یا جماعت کا ادارہ نہیں بلکہ مسلمانانِ عالم کا ایک اجتماعی ملی ادارہ ہے اور ناموسِ رسالت کی حفاظت و پاسداری کا فریضہ تمام مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے، اسلیئے ہم سب کا فرض ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کی حفاظت کے لیئے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق کام کریں۔





مجلس تحفظ ختم نبوۃ پاکستان
○ ملتان

# سالانہ رد قادیانیت کورس

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ہر سال ۵ شعبان سے ۲۸ شعبان تک مدرسہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر ضلع جھنگ میں ”رد قادیانیت وعیسائیت کورس“ ہوتا ہے۔ جس میں ملک بھر کے نامور علماء کرام ومناظرین لیکچرز دیتے ہیں۔ علماء ‘خطباء اور تمام طبقہ حیات سے تعلق رکھنے والے اس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ تعلیم کم از کم درجہ رابعہ یا میٹرک پاس ہونا ضروری ہے............ رہائش ‘خوراک ‘کتب ودیگر ضروریات کا اہتمام مجلس کرتی ہے۔

## رابطہ کے لئے

(مولانا)عزیز الرحمٰن جالندھری

ناظم اعلیٰ : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ ملتان